بَلَغَ العُلیٰ بِکَمَالِہٖ

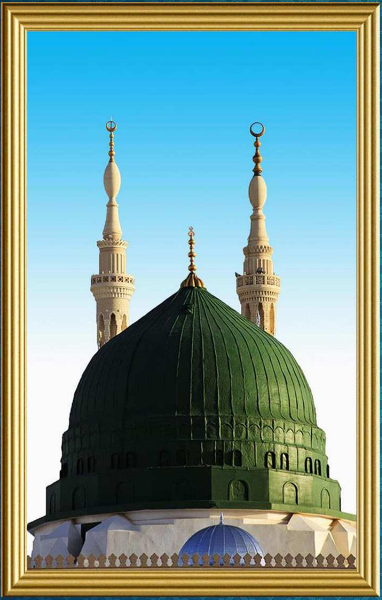

سیّد حماد رضا بخاری

بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ

(حیاتِ طیّبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حصّہ اوّل: مکی دور

حصّہ دوم: مدنی دور

حصّہ سوم: تکمیل دین

سیّد حماد رضا بخاری

نام کتاب	بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ
مؤلف	سیّد حماد رضا بُخاری
ناشر	بُخاری پبلی کیشنز، فیصل آباد
کمپوزنگ	سیّد حماد رضا بُخاری
پروف ریڈنگ	ڈاکٹر سیّدہ شاہین صبا بُخاری
طبع اوّل	جنوری ۲۰۱۴ء
تعداد	۱۰۰۰
ای میل مؤلف	hrbukhari@hotmail.com
فون نمبر	+923009655650

تقریظ

حجۃ الاسلام علامہ اظہر حسین بہشتی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

دُنیا میں کچھ ایسی ہستیاں ہوتی ہیں جو تاریخ کا رُخ موڑ دیتی ہیں، اِنہیں میں سب سے اعلیٰ وارفع ہستی جس نے مختصر سے عرصے میں دُنیا میں انقلاب برپا کردیا، پرچم اسلام کو بلند کیا اور اقدار انسانی کو اپنی معراج تک پہنچا دیا، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ قرآنِ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں یوں قصیدہ کہا، ''وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيۡمٍ ○'' (اور بیشک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلقِ عظیم کے مالک ہیں۔ سورۃ القلم آیت ۴) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نرم خوئی کے بارے میں کچھ اس طرح بیان فرمایا، ''وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ (اے محبوب! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے لئے اتنے نرم دل ہیں اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گردوپیش سے منتشر ہوجاتے۔ سورۃ آلِ عمران آیت ۱۵۹) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرحِ صدر یعنی وسعتِ قلبی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، ''اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَۙ ○ (کیا ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا سینہ کشادہ نہ کیا۔ سورۃ الشرح آیت ۱) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اخلاق، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نرم خوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شرحِ صدر ہی تھا جس کی بدولت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحریکِ اسلام اور یہ انقلاب کامیاب ہوگیا۔ اسلام کی نشرواشاعت آپ کے کردار کی بُلندی کی وجہ سے تھی نہ کہ تلوار کے ذریعے۔ بعض اوقات بعض دشمنانِ اسلام کی طرف سے یہ اعتراض کردیا جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا تھا اور اس کی طرف داری بعض نام نہاد مسلمانوں نے بھی کر ڈالی جب کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اسلام رسولِ

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کردار کا پرتو ہے، اگر اسلام میں جنگوں کا جائزہ لیا جائے تو صاف دکھائی دیتا ہے کہ یہ ساری جنگیں دفاعی جنگوں کی حیثیت رکھتی تھیں اور پھر اگر قرآن کو حکم مان کر اِس سے فیصلہ لیا جائے تو قرآنِ مجید واضح طور پر اعلان کرتا ہوا نظر آتا ہے کہ اسلام رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلیٰ کردار کے ذریعے دُنیا میں پھیلا ہے نہ کہ تلوار کے بل بوتے پر جیسا کہ مندرجہ بالا آیات آپ کی نظر سے گزریں۔ قرآنِ مجید نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام زندگی کو انسانیت کے لئے اُسوۂ قرار دیا اور فرمایا، ’’لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (بیشک تمہارے لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات میں (پیروی کے لئے) بہترین نمونہ ہے۔ سورۃ أحزاب آیت ۲۱)

بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو تلوار کے زور پر اسلام پھیلائے اُس کی زندگی کو تمام انسانیت کے لئے اُسوۂ اور نمونہ قرار دے دیا جائے؟ لہٰذا اِس مقام پر غور و فکر کرنا چاہیے کہ یہ نظریہ کن لوگوں کا ہے؟ آیا حامیانِ اسلام کا ہے یا دشمنانِ اسلام کا؟

قارئین محترم! آپ کے ہاتھوں میں موجود کتاب برادرِ عزیز سیّد حماد رضا بخاری صاحب کی ایک بہترین کاوش ہے۔ اِس کتاب میں انہوں نے اپنی گزشتہ کاوش ’’صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً‘‘ کی طرح اہلِ اسلام کے مختلف مکاتبِ فکر کی روایات کو یکجا کیا ہے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جو توہین آمیز روایات نقل کی جاتی ہیں اُن کا بہترین اسلوب میں جواب بھی دیا ہے۔ بخاری صاحب ایک سچے عاشقِ رسول ہیں، اِس کا اندازہ آپ کو کتاب کے مطالعے کے دوران خود بخود ہو جائے گا۔ خداوند متعال ان کی اِس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ان کے زورِ قلم میں مزید اضافہ فرمائے۔

والسّلام

اظہر حسین بہشتی

۲۲ ربیع الاوّل ۱۴۳۵ ہجری

تقریظ

حجۃ الاسلام علامہ سیّد مزمل نقوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

تاریخ کے دامن میں بہت کچھ ہوتا ہے۔ حقائق بھی اور افسانے بھی۔ قصے بھی اور کہانیاں بھی۔ رموز بھی اور اشارات بھی۔ تفصیل بھی اور اجمال بھی۔ سچ بھی اور جھوٹ بھی۔ یہ تو محقق کی صلاحیت پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کس طرح حقائق کو سچے موتیوں کی طرح چنتا اور سچ کو جھوٹ سے الگ کرتا ہے۔
سیرت کی کتب بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ سیرت نگاروں نے عمداً یا سہواً بہت سی ایسی باتیں لکھی ہیں جو صاحبِ سیرت کی شان کے منافی ہوتی ہیں۔ بعد میں آنے والے مصنفین بھی تبصرہ کئے بغیر انہی باتوں کو نقل کر دیتے ہیں۔ جنہیں پڑھ کر ایک عام قاری اُلجھن کا شکار ہو جاتا ہے۔
برادر محترم سید حماد رضا بخاری ایسی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ اگر کوئی ایسی روایت ان کے زیرِ قلم آ جائے تو اُس پر بحث ضرور کرتے ہیں۔ ان کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنا نظریہ تو بیان کرتے ہیں لیکن قاری پر تھوپنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ قاری کے ذہن کو جستجو کی راہیں دکھاتے ہیں۔ حق بھی یہی ہے۔ قرآن وسنت کا پیغام یہی ہے۔ تدبر کرنا قرآن کی آرزو ہے۔ غور وفکر کرنا انبیاء اور آئمہ معصومین علیہم السلام کی سیرت ہے۔ اسی سے انسان آگے بڑھتا ہے۔ ارتقائی منازل طے کرتا ہے اور اپنے مقصدِ تخلیق کو پا لیتا ہے۔ یوں خدا کے قریب ہو جاتا ہے۔
زیر نظر کتاب بلغ العلیٰ بکمالہ اپنے نام کی طرح ایک منفرد تالیف ہے۔ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و کردار پر فاضل محقق کا ایک عظیم علمی شاہکار ہے۔ جسے اپنا کر نہ صرف ایک عام فرد بلکہ

زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والا باشعور اہلِ علم وذوق انسان اپنی زندگی کو عظیم انسانی قدروں کے مطابق ڈھال سکتا ہے۔ کیونکہ اس کتاب میں اس ذات والا صفات کی سیرت بیان کی گئی ہے جسے خدا نے اسوۂ حسنہ اور انسانیت کے لیے نمونۂ عمل قرار دیا ہے۔ حبیب کبریاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے انسان کامل کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو سامنے لانا انسانیت کی بہت بڑی خدمت ہے۔ اس کے لیے فاضل مصنف مبارک باد کے مستحق ہیں۔

خدا ان کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے اور وہ اپنے ترشحاتِ قلم سے لوگوں کو مستفید کرتے رہیں۔

(آمین)

سید مزمل نقوی

۲۹ جمادی الثانی ۱۴۳۶ ہجری

۱۸ اپریل ۲۰۱۵ء

فہرست

حصّہ اوّل

(مکّی دور)

ہدیہ	31
انتساب	32
مقدمہ	33
نُورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق	36
نُورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصلابِ طیّبہ سے ارحامِ مطہرہ کی طرف انتقال	42
نسبِ گرامی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	47
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد	48
حضرت ابراہیم علیہ السلام	48
حضرت اسماعیل علیہ السلام	56
حضرت فہر قریش	60
حضرت قُصی	61
حضرت عبدمناف	61
حضرت ہاشم	62
حضرت عبدُ المُطلب شَیبۃُ الحمد علیہ السلام	64
حارث بن عبدالمطلب (عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	69
حضرت امیر حمزہؓ بن عبدالمطلب (عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	69
حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب (عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	69

زبیر بن عبد المطلب (عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	71
حضرت ابوطالب بن عبد المطلب علیہ السلام (عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	71
حضرت علی علیہ السلام (برادرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	74
عمّاتُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	77
حضرت عبداللہ علیہ السلام (والدگرامی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	79
سیّدہ آمنہ علیہا السلام (والدہ ماجدہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	81
طلوعِ سحر (ولادتِ باسعادت سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ۵۲ قبل ہجرت، ۵۷۱ء	82
سطیح کاہن کی خبر	89
یہودی عالم یوسف کی خبر	91
شام سے ابنِ حواش المقبل کی خبر	92
اَسمائے گرامی جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	95
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام اور کنیت جمع کرنے کی ممانعت اور حضرت علی علیہ السلام کا استثناء	98
رضاعتِ نبی مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	99
روایتِ شق الصدر	101
روایتِ شق الصدر کا تنقیدی جائزہ	102
وفاتِ حضرت سیّدہ آمنہ علیہا السلام (۴۷ قبل ہجرت/ ۵۷۷ء)	109
کم سِنی میں ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کی رِحلت کا فلسفہ	109
کفالتِ جناب نبی گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	110
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت کے لیے حضرت ابوطالبؑ کی نامزدگی	112
حضرت ابوطالبؑ کے ہمراہ سفرِ شام (۴۰ قبل ہجرت/ ۵۸۲ء)	113
سفرِ شام حضرت ابوطالب علیہ السلام کی زبانی	115
عربوں میں بُت پرستی کی تاریخ اور ہبل، لات وعزیٰ وغیرہ	123
شِرک وبُت پرستی اور فسق وفجور سے سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نفرت	124

حَربِ فُجار (۳۷ قبل ہجرت/۵۸۶ء)	125
حَربِ فجار میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو طالب ؑ شریک نہیں تھے	126
حَلفُ الفضول (۳۷ قبل ہجرت/۵۸۶ء)	127
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھیڑ بکریاں چرانا	128
مکّہ مکرّمہ پر یونانیوں کے اقتدار کی سازش	130
حضرت خدیجۃُ الکبریٰ علیہا السلام	131
حضرت خدیجۃُ الکبریٰ علیہا السلام کے ساتھ تجارتی شراکت	133
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بزرگ راہب سے خالد بن اسید اور طلیق کی گفتگو	136
ابوالمویہب راہب کی خبر	138
حضرت خدیجۃُ الکبریٰ علیہا السلام سے عقد (۲۷ قبل ہجرت/ستمبر ۵۹۵ء)	140
حضرت خدیجہ علیہا السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کوئی شادی نہیں کی تھی	142
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کثرتِ ازواج سے متعلق ایک منفی خیال اور اُس کی تردید	144
ازواجِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	149
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی پسند کے مطابق ازواج کو رکھنے اور چھوڑنے کا اختیار	155
اولادِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	159
حضرت قاسم ؓ کی ولادت (۲۵ قبل ہجرت/ ۵۹۸ء)	161
حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ولادت (۱۳ رجب ۳۰ عام الفیل/ ۶۰۰ء)	162
خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تدبّر اور انصاف (۱۸ قبل ہجرت/ ۶۰۵ء)	166
غارِ حرا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت گذاری	167
پہلی وحی اور آغازِ بعثت (۱۲ قبل ہجرت/ ۶۱۰ء)	169
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لقب ''اُمی'' کی وضاحت	173
ہواتف، جمادات، نباتات اور حیوانات وغیرہ کی گواہی	176
عجوہ کھجور	185

دعوتِ ذوالعشیرہ (سنہ ۴ بعثت، ۹ قبل ہجرت/ ۶۱۴ء)	186
قریش کاظلم وستم	191
ہجرتِ حبشہ (رجب ۷ قبل ہجرت/ اپریل ۶۱۵ء)	193
دارالارقم (سنہ ۶ بعثت)	199
معاشرتی مقاطعہ (محرم ۷ قبل ہجرت/ستمبر ۶۱۵ء)	200
رُومیوں کی شکست کی پیش گوئی (سنہ ۸ بعثت، ۵ قبل ہجرت، ۶۱۸ء)	206
معجزۂ شق القمر (سنہ ۹ بعثت)	207
معجزۂ شق القمر اور ہندو مہاراجے	210
مہاراجہ کیرالہ مالا بار	210
مہاراجہ مالی بار سامری	213
ریاست کھابڑی کے راجا کنور سین اور وزیر رتن سین	214
ریاست دھار کے راجا بھوج	220
ریاست بھوپال کے راجا بھوجپال	221
معراجُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اہلِ سُنّت کی نظر میں)	223
معراجُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اہلِ تَشَیُّع کی نظر میں)	232
معراجِ جسمانی یا معراجِ روحانی؟	235
بُراق	237
واقعہ معراج پر اہلِ مکّہ کا ردِّ عمل	238
معراج کا سفرنامہ	241
شجرۂ طوبیٰ	249
سِدرۃُ المنتہیٰ	252
نمازوں میں تخفیف کی درخواست	253
مقصدِ معراج	254

کیا حضرت علی علیہ السلام شریکِ معراج تھے؟	262
امکانِ معراج	265
قرآن کی گواہی	267
واقعہء معراج پر چند اور دلائل	269
معراج اور صلواۃُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	272
درودِ ابراہیمی	275
ولادتِ حضرت سیدۃُ النساء فاطمۃُ الزہرا علیہا السلام (۵ بعثت، سنہ ۴۶ عام الفیل/ ۶۱۴ء)	276
حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات (۳ قبل ہجرت/ ۶۱۹ء)	278
حضرت ابوطالبؑ کے بعد قریش کی دست درازیاں	284
اُمّ المومنین حضرت خدیجۃُ الکبریٰ علیہا السلام کی وفات (۳ قبل ہجرت/ ۶۱۹ء)	284
حضرت سودہ بنت زمعہؓ اور حضرت عائشہ بنت ابوبکرؓ سے عقد (۳ قبل ہجرت)	285
طائف (سنہ ۱۰ بعثت، ۲۷ شوال ۳ قبل ہجرت/ فروری، مارچ ۶۱۹ء)	286
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جنّات کی حاضری	291
قبیلہ خزرج کی ایک جماعت کا قبولِ اسلام (سنہ ۱۱ بعثت)	294
بیعتِ عقبہ اولیٰ (سنہ ۱۲ بعثت، ذوالحجہ ۱ قبل ہجرت/ ۶۲۱ء)	295
بیعتِ عقبہ ثانیہ (سنہ ۱۳ بعثت، ۳ ماہ قبل ہجرت/ جون ۶۲۲ء)	297
ہجرتِ مدینہ (۱۴ بعثت/ ۶۲۲ء)	299
حضرت علی علیہ السلام بسترِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر	299
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غارِ ثور میں	303
خیمہ اُمِ معبد عاتکہ میں روشنی	305
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حُلیہ مبارک	307

حصّہ دوم

(مدنی دَور)

سنہ ایک ہجری	317
اسلام میں سنہ ہجری کا اجراء	317
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قبا میں تشریف آوری (۸ ربیع الاوّل ا ہجری/ ۲۳ ستمبر ۶۶۲ء)	318
مسجد قبا (ا ہجری/ ۶۲۲ء)	322
قبیلہ اوس اور خزرج میں دیرینہ دشمنی کا خاتمہ (ا ہجری/ ۶۲۲ء)	323
پہلی نماز جمعہ (۱۲ ربیع الاوّل سنہ ا ہجری)	325
پہلی نماز جمعہ کا خطبہ (۱۲ ربیع الاوّل سنہ ا ہجری)	326
نمازِ جمعہ کا باقاعدہ آغاز	328
مدینہ منورہ	328
مسجدِ نبوی کی تعمیر (ربیع الاوّل ا ہجری/ اکتوبر ۶۲۲ء)	331
نماز کی رکعتوں کا تعیّن (ا ہجری/ ۶۲۲ء)	335
اذان واقامت (ربیع الاوّل ا ہجری/ اکتوبر ۶۲۲ء)	337
ہمدردوں کی وفات (ا ہجری/ ۶۲۲ء)	338
بنونجار کے نئے قائد (ا ہجری/ ۶۲۲ء)	339
مہاجرین کی آبادکاری (ا ہجری/ ۶۲۲ء)	340
مواخات (ا ہجری/ ۶۲۲ء)	340
زراعت وتجارت	343
میثاقِ مدینہ (دنیا کا پہلا تحریری دستور)	344
میثاقِ مدینہ کا متن (ا ہجری/ ۶۲۲ء)	346
میثاقِ مدینہ غیر مسلم دانشوروں کی نظر میں	353

رینالڈ ایلین نکولسن	353
جولیس ویل ہاسن	354
سر تھامس واکر آرنلڈ	356
لیفٹیننٹ جنرل سر جان بیگٹ گلب پاشا	357
روبن لیوی	357
جوزف ہیل	358
فرانسسکو جبریلی	359
ولیم منٹگمری واٹ	360
ہیوا ین کینیڈی	361
ایڈورڈ گبن	363
ماؤرس گاڈفرائے ڈی مامبائنز	363
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام (۱ ہجری/ ۶۲۲ء)	364
حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام (۱ ہجری/ ۶۲۲ء)	368
زکوٰۃ کا حکم (۱ ہجری/ ۶۲۲ء)	369
دفاعی منصوبہ بندی (رمضان المبارک ۱ ہجری/ مارچ ۶۲۳ء)	369
جہاد (رمضان المبارک ۱ ہجری/ مارچ ۶۲۳ء)	372
غزوہ اور سریہ وغیرہ کی تعریف	373
سریۂ حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ یا سریۂ سیف البحر یا سریۂ عیص (رمضان ۱ ہجری)	376
قریش کے تجارتی قافلوں پر حملوں کی تردید	377
سریۂ رابغ یا سریۂ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ (شوال ۱ ہجری/ اپریل ۶۲۳ء)	379
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی (شوال ۱ ہجری، اپریل ۶۲۳ء)	380
سریۂ خرّار یا سریۂ سعد بن ابی وقاص (ذیقعدہ ۱ ہجری/ مئی ۶۲۳ء)	380
سنہ ۲ ہجری	381

غزوۂ وِدّان اور غزوۂ ابو (ماہِ صفر ۲ ہجری/ اگست ۶۲۳ء)	381
غزوۂ بواط (ربیع الاوّل یا ربیع الثانی ۲ ہجری/ اکتوبر ۶۲۳ء)	382
غزوۂ سفوان یا غزوۂ بدرِ اُولیٰ (ربیع الثانی ۲ ہجری/ اکتوبر ۶۲۳ء)	383
غزوۂ عُشیرہ (جمادی الاوّل یا جمادی الثانی ۲ ہجری/ نومبر، دسمبر ۶۲۳ء)	384
حضرت علی علیہ السلام کی کنیت ابوتراب کی وجہ	384
سریہ دارِ ارقم (سنہ ۲ ہجری)	386
عَلم	386
سب سے پہلا عَلم	387
سریۂ عبداللہ بن جحش یا سریۂ نخلہ (رجب ۲ ہجری/ جنوری ۶۲۴ء)	387
تحویل خانہ کعبہ (شعبان سنہ ۲ ہجری/ جنوری، فروری ۶۲۴ء)	390
روزہ (شعبان دو ہجری/ فروری ۶۲۴ء)	391
غزوۂ بدر (۱۷ یا ۱۹ رمضان المبارک/ ۱۳ یا ۱۵ مارچ ۶۲۴ء)	392
غزوۂ بدر کا پس منظر	392
قافلہ	393
سچا خواب	395
لشکرِ کفار کی جنگ کے لئے روانگی	397
لشکرِ کفار کی تعداد	399
لشکرِ کفار کا سامانِ حرب	399
جبرائیل علیہ السلام کی اطلاع اور مجلسِ مشاورت	399
لشکرِ اسلام کی روانگی	402
اسلامی لشکر کی تعداد	403
لشکرِ اسلام کے عَلم اور علمبردار	403

اسلامی لشکر کا سامانِ حرب 404
اسلامی لشکر کا بدر میں پڑاؤ 404
عریش 407
حق و باطل کا ٹکراؤ 408
جنگ میں ملائکہ کی مدد 413
حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شجاعت 416
علی علیہ السلام کے ہاتھوں تہ تیغ ہونے والے چند مشہور کافروں کے نام 417
دیگر مجاہدین کے ہاتھوں قتل ہونے والے چند مشہور کافروں کے نام 417
ابوجہل بن ہشام کا انجام 418
اُمیّہ بن خلف کا انجام 420
عقبہ بن ابی معیط کا انجام 421
ابوالبختری بن ہشام کا قتل 422
ابولہب کا انجام 423
شہدائے بدر کے اسمائے گرامی 425
بدر سے واپسی 427
نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجام حضرت ابو ہند انصاری رضی اللہ عنہ 428
اسیرانِ بدر 429
اسیرانِ بدر کی رہائی 430
سریۂ عمیر بن عدی (رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری) 432
غزوۂ قرقرۃ الکدیٰ یا غزوۃ الکدر (۲۵ رمضان ۲ ہجری/ ۲۰،۲۱ مارچ ۶۲۴ء) 433
عید الفطر اور صدقہ فطر (۲۸ رمضان المبارک ۲ ہجری/ ۲۴ مارچ ۶۲۴ء) 434

سریۂ سالم بن عمیر (۲ ہجری/ ۶۲۴ء)	435
غزوۂ قینقاع (۱۵ شوال ۲ ہجری/ ۱۰ اپریل ۶۲۴ء)	435
سیدۃ نساء العالمین حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کا نکاح (یکم ذی الحجہ سنہ ۲ ہجری)	439
حضرت علی علیہ السلام کی زبانی شادی کی روایت	443
خاتونِ جنت علیہا السلام کا حق مہر	446
سیّدہ کونین علیہا السلام کی رُخصتی	447
ملکہ کونین سیّدہ فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کا جہیز	451
غزوہ سویق (۵ ذوالحجہ ۲ ہجری/ ۲۹ مئی ۶۲۴ء)	454
شاعر اُمیّہ بن صلت کی موت	456
سنہ ۳ ہجری	457
نماز عید قربان اور قربانی (۱۰ ذی الحج ۲ ہجری/ ۳ جون ۶۲۴ء)	457
غزوۂ ذی امر، غزوۂ بنی ام، غزوہ انمار، غزوۂ غطفان (ربیع الاوّل ۳ ہجری)	457
سریہ محمد بن مسلمہؓ (۱۴ ربیع الاوّل ۳ ہجری/ ۴ ستمبر ۶۲۴ء)	460
امام خمینیؒ کے پیغام اور فتویٰ کا مکمل متن	464
غزوۂ نجران یا غزوۂ بنو سلیم (ربیع الآخر ۳ ہجری/ ستمبر، اکتوبر ۶۲۴ء)	465
حضرت حفصہؓ سے نکاح (شعبان ۳ ہجری/ فروری ۶۲۵ء)	466
ولادت امام حسن علیہ السلام (۱۵ رمضان ۳ ہجری، ۲۸ فروری ۶۲۵ء)	466
غزوۂ اُحد (۶ شوال ۳ ہجری/ ۲۲ مارچ ۶۲۵ء)	468
اُحد کی وجہ تسمیہ	468
غزوۂ اُحد کا پس منظر	468
لشکرِ کفار	472

مسلمانوں میں اختلاف رائے	474
لشکرِ اسلام	475
روانگی	476
منافقین کی غداری	476
عینین کا درّہ	477
آغازِ جنگ	478
ابتدائی فتح	482
حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت	483
مالِ غنیمت کا لالچ اور درّہ عینین والوں کی غلطی	484
شیر خدا علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شجاعت واستقامت	488
انجام	492
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جہاد	494
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی علیہ السلام کی تلواریں حضرت فاطمہ علیہا السلام کے سپرد	498
واقعاتی تسلسل سے متعلق ایک اہم وضاحت	499
جنگ میں مسلمان خواتین کی خدمات	500
جاں نثارانِ اُحد کا مختصر تذکرہ	501
حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام	501
حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ	501
حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا پس منظر	502
حضرت ابودجانہ انصاری رضی اللہ عنہ	504
حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ	506

رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ	507
حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	508
حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ	508
حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ	509
حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ غسیل الملائکہ	510
حضرت اُم عمارہ انصاریہؓ	512
یہودی مخریق کی جاں نثاری	512
حضرت عمرو بن ثابتؓ	513
شہدائے اُحد کی تجہیز و تدفین	513
شہدائے اُحد کا ماتم	514
حضرت زینب بنت خزیمہؓ سے نکاح	515
غزوۂ حمراء الاسد (ہفتہ ۱۶ شوال ۳ ہجری / ۱۱ اپریل ۶۲۵ء)	515
سنہ ۴ ہجری	517
سریہ ابوسلمہؓ مخزومی (یکم محرم ۴ ہجری / ۱۳ جون ۶۲۵ء)	517
سریہ عبداللہ بن انیسؓ (۵ محرم ۴ ہجری / ۱۷ جون ۶۲۵ء)	517
رجیع کا المیہ (صفر ۴ ہجری / جولائی، اگست ۶۲۵ء)	518
المیہ بئرِ معونہ / سریہ منذر بن عمرو / سریۃ القریٰ (صفر ۴ ہجری / جولائی اگست ۶۲۵ء)	522
غزوۂ بنی نُضیر (ربیع الاوّل ۴ ہجری / اگست ستمبر ۶۲۵ء)	524
غزوہ ذات الرقاع (جمادی الاوّل ۴ ہجری / اکتوبر، نومبر ۶۲۵ء)	527
ولادتِ امام حسین علیہ السلام ۳ شعبان ۴ ہجری (۷ جنوری ۶۲۶ء)	529
رضاعتِ امام حسین علیہ السلام	530

شہزادوں کے نام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود رکھے	531
شہزادوں کے نام اللہ نے حجاب میں رکھے تھے	531
حسنین علیہم السلام کے نام اہل جنت کے نام ہیں	531
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حسنین علیہم السلام میرے بیٹے ہیں	532
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں ہی اِن کا نسب ہوں	532
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کی مشابہت	533
حسنین علیہم السلام وارثانِ اوصافِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں	534
حسنین علیہم السلام تمام جنتی جوانوں کے سردار ہیں	534
حسنین علیہم السلام سے محبت کرنا واجب ہے	535
حسنین علیہم السلام سے بغض رکھنے والا مبغوض ہے	535
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حسنین علیہم السلام کی خاطر منبر سے نیچے تشریف آوری	535
حسنین علیہم السلام پشتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر	535
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طوالتِ سجدہ	536
کیا اچھے سوار ہیں	536
حُرمتِ شراب (۴ ہجری)	537
حضرت اُمّ سلمہؓ سے نکاح (شوال ۴ ہجری/ مارچ ۶۲۶ء)	541
غزوۂ بدر الموعد یا بدر الاُخریٰ (ذیقعد ۴ ہجری/ اپریل ۶۲۶ء)	541
وفات حضرت فاطمہؓ بنت اسد (۴ یا ۵ ہجری/ سنہ ۶۲۶ء)	542
سنہ ۵ ہجری	543
غزوۂ دومۃُ الجندل (۲۵ ربیع الاوّل ۵ ہجری/ ۲۴ اگست ۶۲۶ء)	543
غزوۂ مریسیع یا غزوۂ بنی المصطلق (شعبان ۵ ہجری/ ۲۸ دسمبر ۶۲۶ء)	544
حضرت جوریہؓ سے نکاح	545

حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح	545
غزوۂ احزاب یا جنگ خندق (ذیقعد یا شوال ۵ ہجری)	548
دشمنانِ اسلام کی پیش قدمی	549
لشکرِ کفار کی تعداد	550
لشکرِ اسلام کی تعداد	550
خندق	550
خندق کی حدود	552
لشکرِ کفار کی آمد	552
بنو قریظہ کی بغاوت	553
بنو قریظہ کی بغاوت کا سدباب	556
مقابلہ	557
عمرو بن عبدود	559
شیر خدا کی جنگ	561
عمرو بن عبدود کے ساتھی	569
علی علیہ السلام کے ہاتھوں ایک اور پہلوان کا قتل	570
مشرکین کی خفت	570
اختتامِ جنگ	572
کفار کا فرار	574
غزوۂ بنو قریظہ (ذیقعد ۵ ہجری/ مارچ ۶۲۷ء)	575
حضرت سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) کی نامزدگی کی وجہ	579
بنو قریظہ کا انجام	581
حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہادت	585
حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی پشیمانی	586

حجاب کا حکم (یکم ذیقعد ۵ ہجری/ ۲۴ مارچ ۶۲۷ء)	589
سنہ ۶ ہجری	593
سریہ محمد بن مسلمہؓ یا سریہ نجد (۱۰ محرم ۶ ہجری/ یکم جون ۶۲۷ء)	593
غزوۂ بنو لحیان (یکم ربیع الاوّل ۶ ہجری/ ۲۱ جولائی ۶۲۷ء)	593
غزوہ ذی قرد یا غزوۂ غابہ (ربیع الاوّل ۶ ہجری)	594
سریہ غمر یا سریہ عکاشہ بن محصنؓ (ربیع الآخر ۶ ہجری/ اگست ستمبر ۶۲۷ء)	595
سریہ ذی القصہ یا سریہ بنو ثعلبہ (ربیع الآخر ۶ ہجری/ اگست ستمبر ۶۲۷ء)	595
سریہ جموم (ربیع الآخر ۶ ہجری/ اگست ستمبر ۶۲۷ء)	595
سریہ وادی القریٰ (رجب ۶ ہجری/ نومبر دسمبر ۶۲۷ء)	596
سریہ علی مرتضیٰ علیہ السلام یا سریہ فدک (شعبان ۶ ہجری/ جنوری ۶۲۸ء)	596
حدیبیہ کا معرکہ (یکم ذیقعد ۶ ہجری/ ۱۲ مارچ ۶۲۸ء)	597
بیعت رضوان	603
صلح نامہ حدیبیہ کے نکات	609
معاہدہ حدیبیہ پر تبصرہ	610
حضرت اُمِّ حبیبہؓ سے نکاح (ذی الحجہ ۶ ہجری/ اپریل مئی ۶۲۸ء)	611
سنہ ۷ ہجری	612
مکتوبات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (یکم محرم ۷ ہجری/ ۶۲۸ء)	612
مکتوبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنام ہرقل، قیصر روم	615
ہرقل، قیصر روم کا خط	617
مکتوبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنام شاہِ فارس (ایران)، کسریٰ پرویز	618
مکتوبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنام شاہ حبش اصحم نجاشی	619
شاہِ حبش نجاشی کا خط	621
شاہِ حبش نجاشی کا دوسرا خط	622

مکتوبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنام والی مصر	622
حاکم مصر مُقَوقِس کا خط	624
مکتوبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنام شاہِ یمامہ ہوذہ	624
شاہِ یمامہ ہوذہ کا خط	625
مکتوبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنام منذر بن حارث بن ابی شہر غسّانی یا حارث بن شمر غسانی	626
خیبر (محرم ۷ ہجری/مئی جون ۶۲۸ء)	627
جنگِ خیبر کا پس منظر	628
لشکرِ اسلام کی روانگی	629
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شیر خدا علیہ السلام کی علالت	631
مسلمانوں کی خیبر فتح کرنے کی کوششِ ناکام	631
فاتح خیبر کا انتخاب اور عطائے علم	631
جناب امیر علیہ السلام کا اندازِ ورود	636
شجاعتِ علی ابن ابی طالب علیہ السلام پر تورات کی گواہی	637
شیرِ خدا علی المرتضیٰ علیہ السلام کی جنگ	637
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیبر کے یہودیوں پر کرم	641
حضرت صفیہؓ	641
مرحب کا قتل حضرت علی علیہ السلام کی بجائے محمد بن مسلمہ کے کھاتے میں	642
یہود کی سازش	645
آفتابِ امامت کے لئے آفتابِ فلک کی واپسی	646
فدک	647
وادی القریٰ	651
مہاجرین حبشہ کی واپسی	651
پہلا ورود مکّہ، عمرۃ القضاء (ذی القعدہ ۷ ہجری/ مارچ ۶۲۹ء)	652

سنہ ۸ ہجری 653
منبرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 653
ریاض الجنۃ 655
سریۂ موتہ (جمادی الاوّل ۸ ہجری/ اگست ستمبر ۶۲۹ء) 655
جنگ یا پسپائی؟ 658
جنگ 659
شکست خوردہ اسلامی فوج کا مدینہ کے باہر استقبال 661

حصّہ سوم

(تکمیلِ دین)

فتح مکّہ (۱۰ رمضان المبارک ۸ ہجری/ یکم جنوری ۶۳۰ء) 664
عہد شکنی 664
تنسیخ معاہدہ اور پھر پچھتاوا 665
سفیرِ قریش کی کوشش ناکام 666
رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رازداری اور مسلمانوں کی غداری 666
مدینہ منورہ سے روانگی 668
سفر میں روزے کی عزیمت 669
مکّہ کے نواح میں پڑاؤ 669
ابوسفیان کی گرفتاری 669
اسلامی جاہ وجلال کی ہیبت 671
حضرت سعد بن عبادہ کی سہو وخطا 674
مکّہ میں ہلچل 675

مکّہ کی طرف پیش قدمی	676
عام معافی کا اعلان	679
بت شکنی اور تطہیر کعبہ	682
حضرت بلالؓ کی اذان	685
مکّہ میں مختصر قیام	685
غزوۂ حنین (شوال ۸ ہجری/ جنوری فروری ۶۳۰ء)	686
جنگ اوطاس وطائف	692
انصار کا احساس محرومی اور نبی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خطبۂ ایجاز وبلاغت	694
حضرت ابراہیم کی ولادت (شوال ۸ ہجری/فروری ۶۳۰ء)	695
سنہ ۹ ہجری	696
غزوۂ تبوک، غزوہ جیش العسرت، غزوۂ فاضحہ (رجب ۹ ہجری/نومبر ۶۳۰ء)	696
علی علیہ السلام کو مدینہ میں چھوڑنے کی وجہ	698
اصحابِ عقبہ	701
ہذا طیّبہ	703
راس المنافقین عبداللہ بن اُبی بن سلول کی موت	704
مسجد ضرار کی تخریب کاری (۹ ہجری/نومبر ۶۳۰)	704
خانہ کعبہ میں مشرکوں کے داخلے پر پابندی، ایک تاریخی اعلان	707
فتوحاتِ اسلامی کے بیرونی قبائل پر اثرات	709
حاتم طائی کے بچوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خاص اکرام	709
مباہلہ	710
آیت تطہیر اور حدیث کساء	715
اہل بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم	718
مفہومِ اہل بیت (علیہم السلام)، اُم المومنین حضرت اُمِّ سلمہؓ کی درخواست کی روشنی میں	719

اہل بیت علیہم السلام سے بغض رکھنا	728
سنہ ۱۰ ہجری	729
فتح یمن (رمضان المبارک سنہ ۱۰ ہجری)	729
حجۃ الوداع (ذیقعد ۱۰ ہجری)	732
حج تمتع کا حکم	736
غدیر خم (۱۸ ذی الحجہ ۱۰ ہجری)	737
علی علیہ السلام کی جانشینی کا اعلان اہل تشیع کی نظر میں	737
علی علیہ السلام کی جانشینی کا اعلان اہل سنت کی نظر میں	741
غدیر خم کے بعد بھی اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں تاکید	747
سنہ ۱۱ ہجری	748
مدینہ کی طرف واپسی اور سریہ اسامہ بن زید حارثہ (۲۶ صفر ۱۱ ہجری)	748
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علالت اور آخری ایامِ حیات	750
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متوجہ بہ جنّت البقیع	750
حضرت علی علیہ السلام کو وصال سے متعلق وصیت	750
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطبہ	751
واقعہ قصاص	752
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رض کے گھر میں	755
حدیثِ قرطاس	756
رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری خطبہ	758
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیّت برائے غسل، کفن ودفن	758
بیٹی اور بھائی سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو	760
لختِ جگر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری راز و نیاز	762
ہزار ہا ابوابِ علم	764

سپردگی میراث	766
جبرائیل علیہ السلام کی عیادت	769
ملکُ الموت کا اجازت طلب کرنا	769
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رِحلت	772
سبب رِحلت	774
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غسل	774
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کفن	776
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز جنازہ	776
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفن	777
شبِ وصالِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام	780
مصحفِ حضرت فاطمہ علیہا السلام	782
أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ	783
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ حُسن سلوک	784
گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ عمل	785
گھر سے باہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ عمل	786
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اندازِ گفتگو	787
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دخول وخروج اور نشست عام	789
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محافل ومجالس	789
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت	790
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلم ودرگذر	792
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بچوں پر شفقت	794
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادات واطوار	797
رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پانچ خاص عادات	798

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاموشی	798
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تبسم	799
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مزاح	800
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طعام	802
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسندیدہ مشروب	803
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس	804
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسلحہ وغیرہ	804
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیگر اشیائے مصرف	805
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر	806
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سرمایہ	806
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز اور روزہ	808
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حج اور عمرے	808
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبولیتِ دُعا	809
مختصاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	811
معجزاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	818
اوصافِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیگر آسمانی کتب میں	843
اللہ تعالیٰ کا تمام انبیاء کرام سے عہد لینا	847
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاظر وناظر	848
مآخذ	854

بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ

(حیاتِ طیّبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حصّہ دوم

مدنی زندگی

(سنہ ۱ ہجری تا ۸ ہجری)

سیّد حماد رضا بُخاری

اسلام میں سنہ ہجری کا اجراء

دنیا میں عموماً اور عیسائی ممالک میں خصوصاً عیسوی کیلنڈر رائج ہے کیونکہ عیسائی مذہب کے پیروکار اپنی تاریخ کا آغاز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے کرتے ہیں۔ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، اس میں دیگر مذاہب سے زیادہ احسن طریقے سے انبیاء کرام پر ایمان رکھا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود تاریخ اسلام کی ابتدا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے ہوتی ہے نہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یومِ ولادت سے بلکہ اس کا آغاز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکّہ سے مدینہ ہجرت سے ہوتا ہے۔
اسلام واحد مذہب ہے جس کی اساس ایسے اُصولوں پر رکھی گئی ہے جو ابد تک ہر دور کی انسانی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کافی ہیں پس ایسے دینِ کامل کے ماننے والوں کے لیے اپنی تاریخ کا اجراء کسی اور مذہب یا قوم کے طریق سے کرنا مناسب نہیں تھا چنانچہ اپنے لیے ایک الگ نقطۂ آغاز منتخب کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سنہ ایک عام الفیل میں ہوئی، تاریخ عرب میں عام الفیل کے حوالہ سے بھی واقعات و روایات ملتی ہیں لیکن عام الفیل کو ابتدائے تاریخ اسلام قرار نہیں دیا گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے حوالے سے بھی اس سال کو آغازِ تاریخ اسلام نہیں کہا گیا کیونکہ اُس وقت ہر طرف شرک و بت پرستی کا راج تھا اور اسلام کا بظاہر نام و نشان ہی نہیں تھا۔

اس کے بعد دوسرا موقع بعثت کا تھا۔ لیکن بعثت کے وقت بھی صرف چند لوگ ایسے تھے جو اسلام کے نور سے منور تھے باقی تمام عالم کفر و الحاد کی ظلمتوں میں ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ ہاں البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکّہ سے مدینہ ہجرت وہ موقع تھا جب چشم فلک نے پہلی بار شمعِ رسالت کے گرد پروانوں کا ایک عظیم جھرمٹ دیکھا، مدینہ کے اُفق پر ماہِ رسالت طلوع ہُوا تو مدینہ منور ہو کر مدینہ

Presented by Ziaraat.Com

منورہ بنا اور اُس کی فضائیں ''طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا'' اور ''مَرْحَبًا یَاخَیْرَدَاعٍ'' کی روح پرور صداؤں سے گونج اُٹھیں، پس یہی وہ وقت تھا جسے تاریخِ اسلام کی ابتدا قرار دیا جاسکتا تھا اور اسی کو نقطہ آغاز قرار دیا گیا۔

علماء اور مؤرخین کا بیان ہے کہ اس کا مشورہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے دیا تھا۔[۱]

احمد ابن واضح الیعقوبی، تاریخ یعقوبی میں لکھتے ہیں کہ ہجرت کے سولہویں سال دوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ نے تاریخ اسلام کا نقطہ آغاز ولادتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا یومِ بعثت کو مقرر کرنا چاہا لیکن حضرت علی علیہ السلام نے منظور نہیں کیا اور فرمایا کہ اسلامی تاریخ کی ابتداء ہجرت سے ہونی چاہیے۔[۲]

سنہ ایک ہجری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبا میں تشریف آوری

(۸ ربیع الاوّل ۱ ہجری/ ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء)

رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہستی عالمین کے لئے ایک نعمتِ عظمٰی ہے۔ دورِ جاہلیت میں گمراہی کے گڑھوں میں سسکتے ہوئے انسانوں اور نورِ حق کی تلاش میں سرگرداں لوگوں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ نجات اور روشنی کا وہ منبع تھی جس کی طرف وہ پروانوں کی طرح اُمڈے چلے آرہے تھے۔ جو بھی اہلِ دِل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک بار مل لیتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گرویدہ ہوجاتا اور جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کے بارے میں دوسروں سے سُن لیتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے کا مشتاق ہوجاتا۔ مدینہ کے عوام وخواص اکثر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مکّہ مکرمہ حاضر ہوا کرتے تھے اور بڑی شدت سے عرض پرداز ہوتے تھے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس منتقل

---

[۱] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، بحوالہ غیاث اللغات

[۲] ابن واضح الیعقوبی (متوفی ۲۹۲ء)، تاریخ یعقوبی، ج ۲ ص ۲۳۱

Presented by Ziaraat.Com

ہو جائیں۔ پس جب اُنہیں معلوم ہوا کہ اُن کی دُعائیں مستجاب ہونے جارہی ہیں اور رسول اللہ ﷺ تشریف لا رہے ہیں تو اُن کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ صبح سویرے شہر سے باہر نکلتے اور بیتابی سے آپ ﷺ کی راہ تکتے لیکن ہر ڈھلتا ہوا سورج اُمیدوں کی ضیا اپنے ساتھ لے جاتا اور وہ مایوس ہو کر گھروں کو لوٹ جاتے۔ [1]

آخر کار ۱۲ ربیع الاوّل دوشنبہ (بروز پیر) [2] اُن کے لیے پیامِ نوید لے کر طلوع ہُوا اور رسول اللہ ﷺ کی سواری مقامِ قبا پر پہنچی۔ کتاب ''مسلمانانِ عالم'' کے مصنف بیرسٹر کے اے حمید کی تحقیق کے مطابق وہ ۱۶ ستمبر ۶۲۲ء کا دن تھا [3] اور اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کے مطابق وہ ۸ ربیع الاوّل ۱ ہجری/ ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء کا دن تھا۔ [4]

مکّہ سے مدینہ جاتے ہوئے قبا مدینہ منورہ سے تین میل پہلے آتا ہے۔ یہاں قبیلہ بنی عمرو بن عوف آباد تھا۔ قبیلہ کے مرد و زن حتیٰ کہ بچے بھی حسبِ معمول حضور ﷺ کی راہ دیکھ رہے تھے۔ وہ صبح سویرے آئے تھے، اب دوپہر ڈھل رہی تھی، دن بھر دھوپ کی شدت میں کھڑے رہنے سے وہ نڈھال اور مایوس ہو کر واپس ہونا چاہتے تھے کہ ٹیلے پر کھڑے ایک یہودی نے چلا کر کہا، ''وہ آ گئے ہیں جن کا تمہیں انتظار ہے۔'' نڈھال اور مایوس لوگوں کے لئے یہ جملہ پیامِ حیاتِ نو ثابت ہوا۔ اُن میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور وہ تکبیر کی صدائیں بلند کرتے ہوئے دیوانہ وار آپ ﷺ کی طرف بھاگے۔ [5] فرطِ شوق سے اُن کا جوش و خروش عروج پر تھا اور وہ شدتِ جذبات سے نعرے

---

[1] محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۵۷۔ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۱۲۹

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت۔ ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۴۹۔ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۱۲۹

[3] علامہ علی نقی نقوی۔ تاریخ اسلام، ص ۱۲۹

[4] ڈاکٹر نصیر احمد، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر ﷺ ص ۳۷۸

[5] محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد، ج ۱ ص ۱۵۸

Presented by Ziaraat.Com

لگاتے اور استقبالیہ اشعار گاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑھ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ناقہ ٹھہر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سواری سے نیچے تشریف لائے تو لوگ پروانہ وار قدم بوسی کے لیے ٹوٹ پڑے۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ ملاقات کی سعادت سب سے پہلے اُسے نصیب ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میزبانی کا شرف بھی اُسے حاصل ہو۔

''حیاتُ القلوب'' میں شیخ طوسی کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی قبیلہ عمرو بن عوف کے ہاں قیام فرمایا۔ دیگر روایات کے مطابق، ایک نابینا مردِ صالح کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے گھر کو شرف بخشا اور سعد بن خثیمہ اوسی کے ہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منتقل ہونے کی روایت ملتی ہے۔ دراصل کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ قبیلہ عمرو بن عوف کے سردار تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں کے گھر کو زینت بخشی تھی۔[1]

سعد بن خثیمہ غیر شادی شدہ تھے، اُن کا گھر ''مردانہ'' تھا یعنی وہاں خواتین نہیں رہتی تھیں صرف مردوں کی آمد و رفت ہوا کرتی تھی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے ملاقات کے لئے اُن کے گھر کو ترجیح دی۔ پس، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہاں تشریف لے جانے کی وجہ سے بعض لوگ یہ سمجھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام سعد بن خثیمہ کے ہاں ہے۔[2]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جاں نثار بھائی اور رفیق خاص، حضرت علی علیہ السلام کو اپنی جگہ اپنے بستر پر سُلا کر اور قریش کی امانتیں واپس کرنے کا فریضہ سونپ کر مکّہ میں ہی چھوڑ آئے تھے ورنہ ہجرت کے اس اہم اور نازک موقع پر یہ کبھی نہیں ہوسکتا تھا کہ علی علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہ ہوتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب علی علیہ السلام کی کمی شدت سے محسوس کر رہے تھے اور اُن کی رفاقت کے لیے بیقرار تھے، چنانچہ خط روانہ کیا کہ جلد از جلد میرے پاس آجائیں۔ یہ خط ابو واقد لبنی لے کر گئے تھے۔ اُن کے ہمراہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام، حضرت ایمن بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط

---

[1] ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۵۶

[2] ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ ص ۲۴۸۔ علامہ علی نقی، تاریخ اسلام، ص ۱۳۰

Presented by Ziaraat.Com

ملتے ہی حضرت علی علیہ السلام امانتوں کی ادائیگی سے سبکدوش ہوئے اور بنی ہاشم کی مستورات، جن میں آپ کی والدہ جناب فاطمہؑ بنت اسد، حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام اور فاطمہؑ بنت زبیر بن عبدالمطلب بھی تھیں اور اُن لوگوں کو جو کسی سبب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہیں جا سکے تھے، ہمراہ لے کر چل پڑے۔ عورتیں اور بچے اُونٹوں پر سوار تھے جب کہ حضرت علی علیہ السلام خود پیادہ تھے۔ آپ قبا پہنچے تو سنگلاخ راستوں پر پیدل چلنے کی وجہ سے آپ کے پاؤں زخمی ہو گئے تھے اور اُن پر ورم آ گیا تھا۔ بقول ابن اثیر، ''علی علیہ السلام کے پیروں سے خون جاری تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر اُن کے پاؤں پر پڑی تو فرطِ محبت سے آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے پاؤں پر اپنا لعابِ دہن لگایا جس سے وہ اچھے ہو گئے۔''[1]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ نے تین دن کے فرق سے مکہ مکرمہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسرت و شادمانی میں اضافہ فرمایا۔ ''روضۃ الاحباب'' میں ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ مکہ مکرمہ سے پا پیادہ سفر کرتے ہوئے آئے تھے۔ پیدل چلنے کی وجہ سے اُن کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھالوں پر دستِ مبارک پھیرا تو وہ اُسی وقت ٹھیک ہو گئے۔ یہ حقیقت اُس کیفیت کی مانند ہے جو روزِ خیبر پیش آئی تھی کہ علی علیہ السلام کی آنکھوں میں آشوب آ گیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لعاب دہن لگانے سے وہ اُسی وقت ٹھیک ہو گئی تھیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت ج ۲ ص ۹۴ بحوالہ روضۃ الاحباب۔ علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب۔ مولانا سید ظفر حسن، مجمع الفضائل۔ آیت اللہ جعفر سبحانی، دی میسیج (The Message)

Presented by Ziaraat.Com

مسجد قبا

(۱ہجری/ ۶۲۲ء)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قُبا میں ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ یہ مسجد آج بھی موجود ہے، اِس کا نام مسجد قُبا ہے۔ یہ وہ پہلی مسجد ہے جو اسلام میں تعمیر کی گئی۔ اِس کی تعمیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے پتھر اُٹھائے اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ مِل کر ایک عام آدمی کی طرح کام کیا۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ مِل کر محنت کشوں کی طرح کام کرنا محنت کی عظمت کو اُجاگر کرتا ہے، اخوت و بھائی چارے کا درس دیتا ہے اور قیادت کے صحیح دستور اور سلیقہ کی طرف راہنمائی بھی کرتا ہے۔ یعنی ایک کامل راہبر و راہنما وہی ہوتا ہے جو اپنے عمل سے راہنمائی کرے نہ کہ محض زبانی احکام جاری کرنے پر اکتفا کرے۔

یہ مسجد خالص تقویٰ کی بنیاد پر بنائی گئی تھی اور اس میں کسی قسم کی نمود و نمائش کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ سیّدنا امام علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اَلْمَسْجِدُ الَّذِیْ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی اَوَّلَ یَوْمٍ ھُوَ مَسْجِدُ قُبَاءَ'' یعنی وہ مسجد جو پہلے ہی دن تقویٰ پر بنائی گئی مسجد قبا ہے۔[۱] چنانچہ ارشادِ اللہ ربُ العزت ہوتا ہے:[۲]

''لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ ؕ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾''

(وہ مسجد جو پہلے دن ہی تقویٰ پر بنائی گئی ہے زیادہ مستحق ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُس میں قیام فرمائیں۔ اُس میں ایسے لوگ ہیں جو صفائے باطن کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاکی چاہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔) اکثر مفسرین کے نزدیک مندرجہ بالا آیت کریمہ کا شانِ نزول یہی مسجد قبا ہے۔

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۹۷

[۲] سورۃ توبہ، آیت ۱۰۸

Presented by Ziaraat.Com

منقول ہے کہ جس نے کامل وضو کیا اور مسجدِ قبا میں آکر نماز پڑھی اُس نے ایک عمرہ کا ثواب حاصل کرلیا۔[1] آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِس مسجد میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ نماز ادا فرمائی اور اُسی روز مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مسجد قبا کا فاصلہ مسجد نبوی سے تقریباً سوا چار کلومیٹر ہے۔

قبیلہ اوس اور خزرج میں دیرینہ دشمنی کا خاتمہ

(۱ہجری/ ۶۲۲ء)

اُن دنوں مدینہ میں دو طاقتور قبیلے اوس اور خزرج آباد تھے۔ دونوں قبیلوں میں عرصہ دراز سے سخت دشمنی چلی آرہی تھی۔ دونوں ہی کے سرکردہ افراد مکّہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے اور گذارش کیا کرتے تھے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ تشریف لے آئیں اور ہمیں شرفِ غلامی عطا فرمائیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرمائی۔ قیامِ قبا کے دوران قبیلہ اوس کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اردگرد بیٹھے لوگوں کو بغور دیکھتے اور اُن میں قبیلہ خزرج کا کوئی شخص نہ پاکر اُن کی کمی محسوس کرتے لیکن اس کا اظہار نہ فرماتے اور خاموش رہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاموشی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمت کے خدا جانے کتنے راز نہاں ہوں گے، ہماری عقلِ ناقص کی پرواز تو بس یہیں تک ہے کہ دونوں قبیلے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، اُن میں سے ایک قبیلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا میزبان تھا، ایسے میں اپنے میزبان سے اُس کے دشمن کا ذِکر نہ کرکے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کی دل شکنی سے اجتناب فرمانا چاہتے ہوں گے اور کسی مناسب وقت کے منتظر ہوں گے۔

پھر وہ مناسب وقت جلد ہی آگیا۔ ایک روز نمازِ عشاء کے بعد قبیلہ خزرج کے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا۔ بقولے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے اور تاخیر سے آنے کا سبب دریافت فرمایا۔ اُنہوں

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۹۷

Presented by Ziaraat.Com

نے کہا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مجھے قرب وجوار میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے تشریف فرما ہونے کی خبر ملے اور میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضری نہ دوں؟ دراصل ہم میں اور ہمارے برادر قبیلہ اوس میں جو خشونت چل رہی ہے وہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے علم میں ہے، میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما ہو اس لئے اُن کے ہاں آنے سے اجتناب کرتا تھا مگر اب مجھ میں صبر کی تاب نہ رہی اور میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زیارت کے لئے چلا آیا۔

رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوس وخزرج میں مصالحت واخوّت کے لئے شاید کسی ایسے ہی موقع کا انتظار فرما رہے تھے پس فوراً اوس کے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو اسعد بن زرارہ کو پناہ دے؟ اوس کے تمام حاضرین پکار اُٹھے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا پناہ دینا ہمارا پناہ دینا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، نہیں! تم میں سے کوئی ایک اس کی ذمہ داری قبول کرے۔ سعد بن خثیمہ اور عویم بن ساعدہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہم انہیں پناہ دیتے ہیں۔[1] چنانچہ دونوں اوسیوں نے ایک خزرجی بھائی کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کرلی۔ حضرت اسعد بن زرارہؓ اب بلاخطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے اور دوسرے اوسیوں کے ساتھ مل کر نماز ادا کرتے۔ کبھی کسی اوسی کو ہمت نہ ہوئی کہ اشارتاً یا کنایتاً بھی اُن کو کوئی تکلیف پہنچائے۔

اس روایت سے لگتا ہے کہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی دیکھا دیکھی قبیلہ خزرج کے اور لوگ بھی آنے لگے ہوں گے اور قبیلہ اوس کے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر اُن کا بھی خیر مقدم کیا ہوگیا اور اس طرح دونوں قبیلوں کے مابین دیرینہ دشمنی اخوّت اور بھائی چارے میں بدل گئی ہوگی کیونکہ اس کے بعد تاریخ میں دونوں قبیلوں کے درمیان خونریزی کا کوئی واقعہ نہیں ملتا۔

---

[1] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۱۳۳

Presented by Ziaraat.Com

پہلی نماز جمعہ

(۱۲ ربیع الاوّل سنہ ۱ ہجری)

روایت ہے کہ قبا سے مدینہ تشریف لاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبیلہ بنوسالم سے گذرے تو اُنہوں نے بھی سب کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں قیام کی درخواست پیش کی مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی۔ وہ زوالِ آفتاب کا وقت تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ناقہ بنوسالم کی مسجد کے پاس بیٹھ گیا، علامہ طبرسی نے صراحتاً لکھا ہے کہ وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے سے قبل اس مسجد کی داغ بیل ڈال چکے تھے اور ناقے کا وہاں بیٹھنا قدرت کی طرف سے اشارہ تھا کہ نمازِ جمعہ آج یہیں ہوگی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کے وقت وہیں نماز ادا فرمائی۔ [۱]

علامہ طبری کا بیان اُن سے قدرے مختلف ہے، وہ کہتے ہیں وہاں پہلے سے مسجد موجود نہیں تھی بلکہ اس کے بعد تعمیر کی گئی۔ [۲]

کے اے حمید لکھتے ہیں کہ ۱۲ ربیع الاوّل سنہ ۱ ہجری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سو مسلمانوں کے ساتھ جمعہ کی نماز ادا فرمائی اور اس موقع پر جو خطبہ پڑھا، تاریخ عالم میں وہ ایک نمایاں خصوصیت رکھتا ہے۔ [۳] مدارج النبوت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کے دن، طلوعِ آفتاب کے وقت ''بطن وادی'' سے گذر کر اس مقام پر تشریف لائے جہاں اب مسجد صغیر بنائی گئی ہے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ جمعہ پڑھائی اور طویل خطبہ دیا جو خوشخبری دینے والا، ڈرانے والا اور اہل ایمان کے دلوں کو نور سے لبریز کرنے والا تھا۔ نماز جمعہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سواری پر سوار ہوئے اور مدینہ طیبہ کے اندر بستی کی جانب اطمینان وسکون کے ساتھ روانہ ہوئے اور قبائل انصار پیدل اور سوار، سب کے سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رکابِ کرامت مآب میں مجتمع ہو کر چل دیے۔ اُس وقت

---

[۱] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۱۳۷

[۲] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ ہجری)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۵۲

[۳] کے اے حمید، مسلمانانِ عالم ص ۷

Presented by Ziaraat.Com

بنی عمرو بن عوف کے لوگ جو اُس بستی کے رہنے والے تھے عذر خواہی کرتے ہوئے آئے اور عرض کرنے لگے کہ شاید دامانِ عزت وجلال سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس جگہ قیام پذیر ہونے میں کوئی رنج وملال لاحق ہوا ہے جس کی وجہ سے انتقال وارتحال فرمایا جا رہا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے ''اکالۃ القریٰ'' کا حکم ہوا ہے۔ ''اکالۃ القریٰ'' اور ''اکالۃ البلدان'' مدینہ منورہ کے ناموں میں سے ہیں۔ [1]

پہلی نماز جمعہ کا خطبہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلی نمازِ جمعہ کے خطبہ میں فرمایا، ''تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، میں اُس کی حمد کرتا ہوں، اُس سے مدد مانگتا ہوں، اُس سے بخشش کا طلبگار اور ہدایت کا خواہاں ہوں، اُس پر ایمان رکھتا ہوں اور اُس کی نافرمانی نہیں کرتا۔ میں دشمن ہوں اُسکا جو اللہ کی نافرمانی کرے اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، کوئی اُس کا شریک نہیں اور یہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُس کا بندہ اور اُس کا رسول ہے جسے اُس نے نور وہدایت اور وعظ ونصیحت کے ساتھ ایسے وقت پر بھیجا جب رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا، علم کی کمی تھی، لوگ گمراہ ہو چکے تھے، قیامت قریب اور موت نزدیک تھی۔ جو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرے وہ راہِ راست پر ہے اور جو اِن دونوں کی نافرمانی کرے وہ بہت گنہگار اور بھٹکا ہوا ہے۔ میں تمہیں اللہ کے غضب سے بچنے کی نصیحت کرتا ہوں کیونکہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو آخرت کی تیاری پر آمادہ کرنا اور اللہ سے ڈرنے کی ہدایت کرنا بہترین نصیحت ہے۔ پس اللہ سے ڈرو جس طرح اُس نے تمہیں اپنے غضب سے ڈرایا ہے، اس سے بڑھ کر کوئی نصیحت نہیں اور نہ ہی اس سے بہتر کوئی یاد رکھنے کی بات ہے۔ اپنے پروردگار سے ڈرنا اور پرہیزگاری کے ساتھ اُس کے احکام پر عمل کرنا آخرت کے لئے بہت مددگار ہے۔ جو اللہ کے ساتھ اپنے ظاہری اور باطنی روابط کو

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۴۹

Presented by Ziaraat.Com

درست رکھے اور سوائے رضائے الٰہی کے کوئی اور مقصد نہ رکھے اُس کے لئے دنیا میں نیک نامی اور آخرت میں نجات ہوگی۔ آخرت میں انسان اپنے اعمال کا محتاج ہوگا جن کے سوا اُس وقت کوئی اور زادِ راہ نہیں ہوگا اور انسان تمنا کرے گا کہ کاش اسے کچھ اور مہلت مل جاتی، مگر اُس وقت تو اُس کے نیک اعمال ہی اُس کے کام آئیں گے۔ اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور وہ اپنے بندوں پر شفیق و مہربان ہے، اُس نے اپنی بات کو سچ کر دکھایا اور اپنے وعدے کو پورا کیا، اُس کے خلاف کچھ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ خود فرماتا ہے کہ میرے ہاں بات بدلتی نہیں اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔ پس اللہ سے ڈرتے رہو، دُنیا و آخرت میں اور ظاہر و باطن میں، اس لئے کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے اُس کی غلطیوں سے وہ درگذر فرماتا ہے اور اُس کے اجر و ثواب میں اضافہ کرتا ہے۔ بے شک اللہ سے ڈرنے والے ہی کامیاب ہیں اور اللہ سے ڈرنا یقیناً اُس کی ناراضگی، اُس کے غضب اور اُس کی سزا سے امان دیتا ہے۔ اللہ سے ڈرا کرو کیونکہ خوفِ الٰہی چہروں کو پُرنور بناتا ہے اور درجات کو بلند کرتا ہے۔ اللہ کے بارے میں کوتاہی سے کام نہ لیا کرو، اُس نے تمہیں اپنی کتاب کا علم دے کر تمہارے لئے واضح راہیں متعین کر دی ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ تم میں کون سچے اور کون جھوٹے ہیں۔ پس حُسن سلوک سے کام لیا کرو جس طرح کہ اللہ نے تمہارے ساتھ حُسن سلوک سے کام لیا ہے۔ اُس کے دشمنوں کو دشمن رکھو اور اُس کی راہ میں کوشش کرو جس طرح کوشش کرنے کا حق ہے۔ اُس نے تمہیں منتخب کیا اور تمہارا نام ''مسلم'' رکھا تاکہ ہلاک ہونے والا بھی روشن دلیل پر ہلاک ہو اور زندگی پانے والا بھی روشن دلیل پر زندگی پائے اور سب نیکیاں اللہ ہی کی مدد سے ہیں۔ لوگو! کوئی قوت نہیں سوائے اللہ کے سہارے کے، پس اللہ کو خوب یاد کیا کرو اور آئندہ زندگی کے لیے عمل کرو کیونکہ جو شخص اپنے اور اللہ کے درمیان معاملے کو درست کر لیتا ہے اللہ اُس کے اور دوسرے لوگوں کے درمیان معاملات کو خود ہی ٹھیک فرما دیتا ہے۔ اللہ لوگوں پر اپنا حکم نافذ کرنے والا ہے اُس پر کسی کا حکم نہیں چل سکتا، وہ لوگوں کا مالک ہے لوگ اُس

Presented by Ziaraat.Com

کے مالک نہیں۔ اللہ سب سے بڑا ہے، نہیں کوئی قوت مگر اللہ کے سہارے جو بزرگ ہے۔"[1]

نمازِ جمعہ کا باقاعدہ آغاز

روایت ہے کہ انصار نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یہودی بروزِ شنبہ (ہفتہ) اکٹھے ہوتے ہیں اور عیسائی بروزِ یکشنبہ (اتوار)، ہمارے لیے بھی ایسا کوئی دن مقرر ہونا چاہیے جس میں ہم عبادت کے لیے جمع ہوں اور خدا کا شُکر ادا کریں۔ چنانچہ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے لیے جمعہ کا دن مقرر فرمایا جسے اُس زمانے میں "عرویہ" کہا جاتا تھا۔ اُس دن مسلمان حضرت سعد بن زرارہؓ کے ہاں جمع ہوتے، نماز پڑھتے اور وعظ ونصیحت کرتے۔ چونکہ اُس روز لوگ "جمع" ہوا کرتے تھے چنانچہ اُس دن کا نام "جُمعَة" ہوا، آیتِ جمعہ اس کے بعد نازل ہوئی۔[2]

مدینہ منوّرہ

مدینہ کے لوگ تین سال پہلے ایمان لاکر اپنی وفاداریاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کر چکے تھے۔ وہ بے چینی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے منتظر تھے پس جب اُنہیں معلوم ہوا کہ اُن کی دُعائیں رنگ لے آئی ہیں، جناب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن سے چند میل کے فاصلے پر ہیں اور بہت جلد اُن کے شہر کو منوّر فرمانے والے ہیں تو اُن کا جوش وخروش اوجِ ثریا تک پہنچ گیا۔ سبھی پیر وجواں گھروں سے باہر نکل کر چشم براہ ہوگئے، بچے اور خواتین بے تابانہ چھتوں پر چڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ دیکھنے لگے۔ ہر آنکھ میں تمنا کے چراغ روشن تھے اور جوشِ انبساط سے ہر چہرہ گلنار تھا۔ پھر ماہِ رسالت طلوع ہوا اور اظہارِ مسّرت وشادمانی پر کسی کو ضبط واختیار نہ رہا، مدینہ کی فضائیں فلک شگاف نعروں اور روح پرور نعتیہ شعروں سے گونجنے لگیں:

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ ہجری)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۵۵۔ بخاری، باب الھجرۃ۔
قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۱ ص ۱۱۵

[2] تفسیر مجمع البیان۔ علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۵۲۲

Presented by Ziaraat.Com

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا

ہم پر چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا

مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاع

کوہِ وداع کی گھاٹیوں سے

وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا

ہم پر شکر واجب ہوا

مَا دَعٰی لِلّٰہِ دَاعٍ

جب تک دُعا مانگنے والے دُعا مانگیں

أَیُّھَا الْمَبْعُوثُ فِیْنَا

اے ہم میں نبی بن کر مبعوث ہونے والے!

جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ

تیرے حکم کی اطاعت ہم پر فرض ہے

جِئْتَ شَرَّفْتَ الْمَدِیْنَۃ

اے شہر کو شرافت و بزرگی بخشنے کے لئے تشریف لانے والے!

مَرْحَبًا یَا خَیْرَ دَاعٍ

اے بھلائی کی طرف بلانے والے! خوش آمدید [1]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ناقہ پر سوار مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو حضرت علی علیہ السلام بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرف سے گذرتے انصار والہانہ استقبال کرتے اور التجا کرتے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہمارے ہاں قیام فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں کے ہاں تو

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۳۸۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۹۳۔ علامہ سید جعفر مرتضیٰ عاملی، الصحیح من سیرۃ النبی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۲ ص ۳۶۵

Presented by Ziaraat.Com

نہیں ٹھہر سکتے تھے اور کسی کو انکار کر کے اُس کی دل آزاری بھی نہیں کرنا چاہتے تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو دعائے خیر سے نوازتے ہوئے اپنی سواری کی مہار چھوڑ دی اور فرمایا کہ میرے ناقہ کی راہ چھوڑ دو، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے وہ جس طرف چاہے گا یہ مجھے اُسی طرف لے جائے گا۔ اُونٹ اُس مقام پر بیٹھ گیا جہاں اب مسجد نبوی ہے۔ وہ جگہ اُس وقت قبیلہ خزرج کے دو یتیموں، اسہل اور سہیل کی ملکیت تھی جن کی کفالت حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے۔ ناقہ اُٹھ کر پھر چل پڑا، کچھ دُور گیا، پیچھے مڑا اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے بیٹھ گیا۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے اور بروایتے اُن کی والدہ نے لپک کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامان اُٹھایا اور اپنے گھر لے گئیں۔ اہلِ سیر لکھتے ہیں کہ لوگ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں درخواست گذار ہوئے، ہر ایک کی آرزو یہ تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کے گھر فروکش ہوں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ میرا سامان کہاں ہے؟ کسی نے کہا کہ وہ تو ابوایوبؓ کی والدہ لے گئیں ہیں۔ فرمایا، ''کسی کو وہیں ہونا چاہیے جہاں اُس کا سامان ہو۔'' پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناقہ سے نیچے تشریف لائے اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کو اپنے قیام سے منوّر فرمایا۔ [1]

ابنِ شہر آشوب نے جناب سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ناقہ ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر ٹھہرا تو ابوایوب رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کو پکارا، کہا مادرِ گرامی! دروازہ کھولو کہ سیّد البشر، سب سے بلند مرتبہ رسول، جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ اُن کی ماں نابینا تھیں، دروازہ کھولا اور بولیں کہ اے کاش میری آنکھیں ہوتیں تو میں اپنے مولا کی زیارت کرتی۔ یہ سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے چہرے پر اپنا دستِ مبارک پھیرا تو وہ اُسی وقت بینا ہوگئیں۔ [2]

---

[1] محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد، ج ا ص ۱۶۰۔ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۱۴۰

[2] محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد، ج ا ص ۱۶۰۔ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۱۴۰

Presented by Ziaraat.Com

مسجدِ نبوی کی تعمیر

(ربیع الاوّل ا ہجری/ اکتوبر ۶۲۲ء)

مدینہ منورہ میں مقیم ہوتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسہل اور سہیل کو بلایا اور وہ زمین خریدنے کی خواہش ظاہر کی جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے موقع پر ناقہ پہلی مرتبہ بیٹھا تھا۔ دونوں بھائی آمادہ ہو گئے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ زمین خرید لی اور وہاں مسجد بنانے کا حکم دیا۔

بقولے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ زمین میرے لئے اس کے مالکوں سے خرید لو۔ اُنہوں نے اسہل اور سہیل سے بات چیت کرنے کے بعد کہا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ زمین نذر کرنا چاہتے ہیں، قیمت کی ضرورت نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلامعاوضہ زمین لینے سے انکار کر دیا اور دس دینار اُس کے عوض ادا فرمائے۔[1] بروایتے اُس زمین کی قیمت حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے ادا کی تھی۔[2]

ابوجعفر محمد بن جریر طبری کا بیان ہے کہ زمین کے مالک دونوں یتیم بھائی معاذ بن عفراء کے زیرِ سایہ پرورش پا رہے تھے اور وہ زمین معاذ بن عفراء ہی کے ذریعہ حاصل ہوئی۔ آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ وہ زمین بنی نجار کی تھی۔[3]

المختصر، یہاں مسجد نبوی کی بنیاد رکھی گئی۔ مسجد قبا کی طرح اس مسجد کی تعمیر میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنفسِ نفیس شرکت فرمائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر برابر کام کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم عرض کرتے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہمارے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکلیف نہ فرمائیں، اس کارِ خیر کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثار جو ہیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جاں نثاروں کے

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، طبری ج ۲ ص ۲۵۶

[2] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۶۴

[3] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۵۲۔ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۱۴۴

Presented by Ziaraat.Com

شانہ بشانہ محنت و مشقت کر کے، مِل جُل کر کام کرنے کا عملی درس دیتے رہے۔

علامہ طبرسی نے یہ کیفیت ذرا تفصیل سے لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر خانہ کعبہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس کے معمار اور مزدور حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) اور اُن کے فرزند حضرت اسماعیل (علیہ السلام) تھے تو مسجد نبوی کا یہ شرف بے مثال ہے کہ اس کی تعمیر میں فخرِ خلیل افضل المرسلین حبیبِ رب العالمین یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ معمار اور مزدور دونوں کی حیثیت سے کام کیا اور شروع سے لے کر آخر تک تعمیر کی جتنی منازل تھیں سب میں بنفس نفیس شرکت فرمائی۔ [۱]

علامہ طبرسی مزید لکھتے ہیں کہ قریب کی پہاڑی سے جو حرا کہلاتی تھی پتھر لائے جاتے تھے، کئی دن تک تمام مسلمان پتھر منتقل کرتے رہے۔ خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی دیکھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بڑا پتھر اپنی پشتِ اقدس پر رکھے ہوئے لا رہے ہیں۔ حضرت اسید بن حضیر نے بڑھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! یہ پتھر مجھے دے دیں میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے اسے پہنچا دیتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ میں تن آسانی پسند کروں اور کوئی دوسرا میری طرف سے مشقت اُٹھائے۔

حافظ ابن جریر کی تصریح بھی ہے کہ اپنی مسجد کی تعمیر کا کام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہاجرین اور انصار اصحاب (رضی اللہ عنہم) نے دیا۔ [۲]

اینٹیں اور پتھر اُٹھانے سے مٹی کے نصیب جاگ اُٹھتے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدنِ اطہر سے لپٹ جاتی۔ روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک ایک اینٹ لاتے تو حضرت عمار یاسر رضی اللہ عنہ دو دو اُٹھا کر لاتے اور کہتے کہ ایک اینٹ میری طرف سے اور ایک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے ہے، اس پر

---

[۱] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۱۴۵ بحوالہ طبرسی

[۲] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۱۴۵ بحوالہ طبری ج ۲ ص ۲۵۶

Presented by Ziaraat.Com

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دوسروں کو ایک اجر ہے اور عمار کو دوگنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمار یاسر رضی اللہ عنہ کو بشارت دی کہ آخری عمر میں تمہاری غذا دودھ ہوگی اور تمہیں باغی لوگ شہید کریں گے، تم اُن باغیوں کو جنت کی طرف بلاؤ گے اور وہ تمہیں دوزخ کی طرف۔ [1]

یہ مسجد کمال سادگی سے تیار کی گئی، اس کی دیواریں خام اینٹوں سے بنائی گئیں جو تین گز اُونچی تھیں، نوفٹ پر کھجور کے پتوں سے چھت اور اس کے تنوں سے ستون بنائے گئے۔ [2]

علامی طبرسی کے مطابق چاروں طرف پتھروں کے کئی ردے رکھنے کے بعد اینٹوں سے چنائی شروع ہوئی اور قدآدم تک دیوار بنائی گئی، عمارت کی وسعت سو مربع ہاتھ تھی۔ شروع میں چھت نہیں بنائی گئی تھی۔ کچھ عرصہ بعد جب لوگوں نے دھوپ سے تکلیف محسوس کی اور سائے کے لئے استدعا کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد کے اگلے حصے میں صحن سے متصل لکڑی کے ستون لگوا کر کھجور کی چھال سے ایک چھپر سا بنوا دیا۔ تھوڑے دنوں بعد جب لوگوں نے کہا کہ باقاعدہ چھت بنوا دیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار کر دیا اور یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا ''لاعریش کعریش موسیٰ'' (میں چاہتا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام والے چھپر کی طرح چھپر ہی رہے)۔ [3]

مسجد کی لمبائی قبلہ سے شمال تک چوّن گز اور مشرق سے مغرب تک ساٹھ گز تھی۔ فتح خیبر کے بعد اس کی تعمیرِ نو کی گئی اور لمبائی چوڑائی دونوں طرف سے سو سو گز کر دی گئی۔ [4]

مسجد کے ایک کونے میں ایک مسقّف چبوترہ ''صُفّہ'' تیار کیا گیا جس نے کھلی اقامتی درسگاہ کا کام دینا تھا، اس درسگاہ کے ہمہ وقتی طالب علموں کو ''اصحابِ صفّہ'' کہتے ہیں۔ [5]

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۰۰

[2] کے اے حمید، مسلمانانِ عالم ج ۱ ص ۶۹

[3] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۱۴۶ بحوالہ اعلام الوریٰ۔

[4] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۰۱

[5] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۴۳۵

Presented by Ziaraat.Com

المواھبُ اللدنیة میں ہے کہ مسجد نبوی میں ایک جگہ سایہ دار تھی جہاں وہ صحابہ رہتے تھے جن کا کوئی گھر بار نہ تھا۔ اس جگہ کو ''صفّہ'' اور وہاں رہنے والوں کو اصحابِ صفّہ کہا جاتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ رات کو انہیں اپنے پاس بلاتے اور ضیافت و خاطر داری کے لئے خوشحال و تونگر اصحاب کے سپرد کرتے جنہیں ''اضیاف اللہ'' کہا جاتا تھا۔ [1]

مسجد نبوی کی تعمیر دراصل اُس وقت کی ایک اہم ترین ضرورت تھی۔ ایک نئے دین اور اُس کے ماننے والوں کے لئے ایک ایسے مرکزی مقام کی اشد ضرورت تھی جہاں پر وہ مکمل اطمینان سے بطریقِ احسن عبادت کر سکیں، دینی تعلیمات سے فیضیاب ہو سکیں، اپنے ذاتی، اجتماعی، سماجی، دینی اور سیاسی معاملات پر مشاورت کر سکیں اور راہنمائی حاصل کر سکیں۔ آنحضرت ﷺ اللہ کے نبی، ایک کامل انسان، علم کا شہر، معلمِ انسانیت، عظیم ترین دانشور اور نہایت مدبر راہنما تھے۔ آپ ﷺ کا ہر قول و فعل انسانیت کے لئے علم و حکمت کا خزینہ ہے۔ آپ ﷺ نے آغازِ بعثت سے ہی قوم کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع کر دیا تھا لیکن جونہی مدینہ منورہ میں آزاد اور زرخیز ماحول میسّر آیا تو اس عمل کو مستقل اور پائیدار بنیادوں پر قائم کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ مسجد نبوی کا قیام اسی مقصد کا سنگِ بنیاد تھا۔ ایک چھوٹی سی نئی مملکت کے قائم ہوتے ہی مسجد بنانے کا حکم ایک ایسا شاندار فیصلہ تھا جس نے نومولود اسلامی ریاست کی تاریخ میں سنہرے باب رقم کر دیے اور جس کے ثمرات سے مسلم اُمہ آج تک فیضیاب ہو رہی ہے۔

روایت ہے کہ مسجد کی تعمیر کے بعد مسجد کے گرد کچھ مکانات تعمیر کیے گئے جو حضور ﷺ، اہلبیت اطہار علیہم السلام اور مہاجرین کے لیے تھے۔ سب گھروں کے دروازے مسجد کی طرف تھے، یہ دروازے مسجد کے صحن میں کھلتے تھے اس لئے لوگ اپنے گھروں سے نکل کر سیدھے مسجد میں آنے لگے۔ تب جبرائیل علیہ السلام فرمانِ الٰہی لے کر نازل ہوئے کہ جن لوگوں نے مسجد میں دروازے قائم

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۷۲

Presented by Ziaraat.Com

کیے ہیں اُن کو حکم دیجئے کہ وہ انہیں بند کر دیں، کسی کا دروازہ مسجد میں نہ ہو سوائے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور علی مرتضیٰ (علیہ السلام) کے کیونکہ علی (علیہ السلام) کے لیے وہ حلال ہے جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے حلال ہے۔ صحابہ کرام اس حکم پر کبیدہ خاطر ہو گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا دروازہ بھی مسجد میں کھلتا تھا، وہ بھی افسردہ ہوئے کہ میرے بھتیجے علی (علیہ السلام) کا دروازہ تو اپنی جگہ قائم ہے مگر میرا بند کیا جا رہا ہے۔ اِس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ چچا جان! آپ رنجیدہ نہ ہوں، میں نے یہ اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ یہ سُن کر جناب حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں خدا اور رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے اس پر راضی ہوں۔ چنانچہ مسجد میں کھلنے والے تمام دروازے بند کر دیے گئے سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے دروازوں کے۔[۱]

نماز کی رکعتوں کا تعیّن

(۱ ہجری/ ۶۲۲ء)

نماز کی رکعتوں کا تعیّن ہجرت کے پہلے سال میں کیا گیا۔ قبل ازیں مغرب کے سوا سب نمازیں دو رکعتی تھیں یعنی جملہ گیارہ رکعتیں، پھر ملا کر سترہ رکعتیں کر دی گئیں اور ان کے اوقات بھی مقرر کیے گئے۔[۲] صاحبِ مواہبُ اللدنیہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے جب دو ماہ گذر گئے اور بعض روایتوں کے مطابق ایک سال گذرا تو اقامت کی نمازوں میں اضافہ کر دیا گیا۔ اس سے پہلے مغرب کی تین رکعت کے سوا تمام نمازیں دو دو رکعت تھیں پھر نمازِ ظہر، عصر اور عشاء میں دو دو رکعت کا اضافہ ہو گیا، نمازِ فجر کی دو رکعتیں بدستور برقرار رہیں اور نمازِ مغرب کو بھی اُسی طرح برقرار رکھا گیا۔[۳]

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۵۲۲

[۲] علامہ نجم الحسن کراروی، چودہ ستارے، ص ۶۴

[۳] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ص ۱۰۴

Presented by Ziaraat.Com

بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، ''دو دو رکعت نماز فرض کی گئی پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو دو اور چار رکعت فرض کی گئیں اور سفر کی نماز کو پہلے فریضہ پر برقرار رکھا گیا۔'' یہ حدیث نماز قصر کے وجوب میں احناف کی دلیل و حجت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ چار رکعت فرض تھی جسے بعد میں مسافر کے لئے دو رکعت کر دیا گیا۔ ایک اور حدیث مبارکہ ہے، ''بے شک اللہ نے اپنی نماز کو مسافر پر آدھی فرض فرمایا۔'' بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضر میں نمازیں چار رکعت شروع ہوئیں اور سفر میں دو رکعتیں۔ اِسے مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ غرضیکہ مذہبِ حنفی میں قصر کا وجوب ہے اور مذہبِ شافعی میں رخصت و اجازت ہے، اگر چار رکعت پڑھے تو عزیمت ہے اور احناف کے نزدیک رخصت کا اطلاق مجازاً ہے۔[1]

مذہبِ امامیہ میں روزانہ کی واجب نمازوں کی رکعتیں اس طرح ہیں:

ظہر اور عصر ہر ایک چار رکعت، مغرب تین رکعت، عشاء چار رکعت اور ضروری ہے کہ اگر انسان سفر میں ہو (شرائطِ سفر کے ساتھ) تو چار رکعتی نمازیں دو رکعت پڑھے۔[2]

علامہ طبری جو صرف مؤرخ ہی نہیں بلکہ اہل سنت میں ایک امام، فقیہہ اور حافظِ احادیث کی حیثیت بھی رکھتے ہیں، لکھتے ہیں کہ ابتدائے بعثتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اب تک ہر نماز دو رکعت کی تھی، ہجرت کے ایک ماہ بعد ماہِ ربیع الثانی میں اس نماز میں جو بحالت حضر ہو، ظہر و عصر اور عشا میں دو رکعتوں کا اضافہ ہو گیا۔[3] چنانچہ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ حالت حضر میں دو رکعت سے چار کر دی گئیں تو حالت سفر میں بھی بعض کے ہاں چار رکعت کیوں؟

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ص ۱۰۵ بحوالہ بخاری و مسلم

[2] آیت اللہ سید علی حسینی سیستانی، توضیح المسائل

[3] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۱۵۷ بحوالہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۵۸

Presented by Ziaraat.Com

اذان واقامت

(ربیع الاوّل ۱ ہجری/ اکتوبر ۶۲۲ء)

مکّہ میں مسلمان اقلیت میں تھے اور انہیں عبادات کی آزادی بھی میسر نہیں تھی، صرف چند مومنین تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نمازِ جماعت میں شرکت کا شرف حاصل کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں شجرِ اسلام پر خوب بہار آچکی تھی، مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو چکا تھا اور عبادت کے لئے مسجد بھی معرضِ وجود میں آچکی تھی۔ چنانچہ روزانہ کی نمازوں کے لئے لوگ مسجد آنے لگے تو ضرورت محسوس ہوئی کہ اوقاتِ نماز کے لئے کوئی طریقہء اعلان مقرر ہونا چاہیے کہ لوگ مسجد میں حاضر ہوں اور پھر جماعت شروع ہونے سے قبل بھی کوئی اعلان ہونا چاہیے تاکہ لوگ جماعت میں شامل ہوں، پس اُسی سال سنہ ایک ہجری میں اذان کی تشریع ہوئی [1] اور بقولے اذان و اقامت دونوں کی شروعات ہوئی۔ [2]

روایاتِ اہلِ سنت میں اذان کی تشریع کے مختلف اسباب درج کئے گئے ہیں لیکن روایاتِ آئمہ اہل بیت علیہم السلام سے اُن کی نفی ہوتی ہے۔ پس مذہبِ امامیہ کے نزدیک اتنے اہم شرعی حکم کا سبب کسی کا کوئی خواب ہوسکتا ہے نہ مشورہ بلکہ اس کا تعلق حکم الٰہی سے ہے جیسا کہ علامہ سید محسن امین عاملی نے تحریر فرمایا ہے، ''طبقات ابن سعد اور سیرت ہشام میں ہے کہ اذان اور اقامت کے قرار دیئے جانے کا سبب ایک خواب ہے جو بعض انصار نے دیکھا تھا۔ یہ غلط اور ناقابلِ توجہ ہے، اس لئے کہ احکام شرعی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوابوں کی بناء پر جاری نہیں فرماتے تھے۔ وہ تو وحی ہوتی تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آتی تھی اور ''سیرت حلبیہ'' میں محمد ابن حنفیہ کی زبانی اس کا سخت انکار بھی درج کیا گیا ہے۔'' [3] علامہ سید محسن امین عاملی کی تائید ڈاکٹر نصیر احمد ناصر سابق وائس چانسلر اسلامیہ

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۵۲۳

[2] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۱۵۶

[3] سید محسن امین عاملی (متوفی ۱۹۵۳ء)، اعیان الشیعہ، ج ۲ ص ۱۲۳

Presented by Ziaraat.Com

یونیورسٹی بہاولپور کے بیان سے بھی ہوتی ہے جو لکھتے ہیں، ''صحابہ کرامؓ نے اس سلسلے میں متعدد تجاویز پیش کیں مثلاً ناقوس، دف، منادی وغیرہ کے ذریعے لوگوں کو مطلع کیا جائے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی تجویز کو پسند نہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقیناً وحی کے منتظر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے ذریعے اذان کے مروّجہ طریقے اور الفاظ سے مطلع کیا۔''[1]

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا اور اس طرح اُنہیں اسلام کا پہلا مؤذن بننے کا شرف حاصل ہوا اور اسی شرف کی بنا پر اُن کو خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کے دور تک یا ''سیّدی'' کہہ کر مخاطب کیا جاتا تھا۔[2]

ہمدردوں کی وفات

(۱ ہجری/ ۶۲۲ء)

مدینہ منورہ میں سب سے پہلے جس ہمدرد کی وفات ہوئی وہ حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے قبا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میزبانی کا شرفِ کمال حاصل کیا تھا۔ اُن کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہجرت کی راہیں ہموار کرنے والے اور اوس وخزرج کے درمیان دیرینہ دشمنی کے خاتمے کا سبب بننے والے حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ بھی وفات پا گئے۔[3]

حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نقباء انصار میں سے تھے، انہوں نے عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ دونوں میں شرکت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ رحمت پر بیعت کی۔ وہ بنی ساعدہ کے سربراہ اور پہلے شخص تھے جنہوں نے مدینہ منورہ میں انصار کو جمع کرنے کی کوشش اور دینِ اسلام کی تائید وسعی کی۔ اُنہوں نے کوئی گھر ایسا نہ چھوڑا تھا جہاں جا کر اسلام کی تبلیغ نہ کی ہو چنانچہ اُن کی کوششوں سے

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۴۳۸

[2] بخاری، باب بدأ الاذان ج ۱ ص ۱۵۷، محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد، ج ۱ ص ۱۶۲

[3] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، طبری ج ۲ ص ۲۵۶

Presented by Ziaraat.Com

بہت سے انصار ایمان لائے۔ اُن کی وفات سنہ اوّل ہجری کے ششماہی کی ابتداء میں تعمیر مسجد کے دوران ہوئی اور وہ بقیع الغرقد میں مدفون ہوئے۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات بھی اسی سال ہوئی تھی، مہاجرین کہتے ہیں بقیع میں سب سے پہلے یہ مدفون ہوئے۔[۱]

اسی سال حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے بھی وفات پائی۔ یہ نقباء انصار میں سے خزرجی اور اسلمی تھے اور اُن پہلے مسلمانوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی قوم کے کہنے پر عقبہ ثانیہ کی رات بیعت کی تھی۔ بروایتے مدینہ میں وفات پانے والے پہلے شخص یہی تھے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ میں تشریف لانے سے ایک ماہ پہلے وفات پائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے ساتھ ان کی قبر پر تشریف لے گئے، نماز پڑھی اور ان کے لئے دعا فرمائی۔[۲]

بنو نجار کے نئے قائد

(اہجری/ ۶۲۲ء)

مشہور مؤرخ طبری لکھتے ہیں کہ ابو امامہ اسعد بن زرارہؓ کی وفات کے بعد بنو نجار ایک جماعت کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ابو امامہ اسعد بن زرارہ ہمارے نقیب (قائد/سربراہ) تھے، اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے کسی کو قائد منتخب فرما دیجئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرے ننھیال ہو اسطرح میں بھی تم میں سے ہوں پس تم مجھے ہی اپنا قائد سمجھ لو۔ بنو نجار یہ سُن کر بہت خوش ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت پر فخر کرنے لگے۔[۳]

---

[۱] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، طبری ج ۲ ص ۲۵۶

[۲] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، طبری ج ۲ ص ۲۵۶

[۳] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۵۰

Presented by Ziaraat.Com

مہاجرین کی آبادکاری

(اہجری/ ۶۲۲ء)

جب کوئی ملک تقسیم ہوتا ہے یا کسی علاقے میں کوئی آفت آتی ہے تو وہاں کے باشندے عموماً کسی دوسرے ملک کی طرف ہجرت کر جاتے ہیں۔ مہاجرین خود تو بدحال ہوتے ہی ہیں جس ملک میں جاکر پناہ گزین ہوتے ہیں اُس کی معیشت پر بوجھ بن کر اُسے بھی تباہی کے دہانے پر لاکھڑا کرتے ہیں، اس طرح مہاجرین کے ساتھ ساتھ پناہ دینے والا ملک بھی مشکلات کا شکار ہو جاتا ہے۔

مکّہ کے مسلمان ہجرت کر کے بے سروسامانی کے عالم میں مدینہ پہنچے تو اُن کی آبادکاری بھی ایک سنگین مسئلہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس سنگین مسئلے کو اس خوش اسلوبی سے حل کیا کہ تاریخ عالم میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بہترین حکمتِ عملی کی وجہ سے نہ صرف مہاجرین آباد ہوئے بلکہ مدینہ کی معیشت بھی مستحکم ہوگئی۔ تاریخ عالم کا یہ عظیم ترین منصوبہ صرف تین مضبوط ستونوں پر قائم تھا، مواخات، زراعت اور تجارت۔

مواخات

(اہجری/ ۶۲۲ء)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سنہ اوّل ہجری میں مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات یعنی بھائی چارے کا تعلق قائم فرمایا۔ خودغرضی اور عصبیّت کے اُس دور میں جب انسان کی ہر سوچ کا محور اُس کی اپنی ذات ہوا کرتی تھی اور اپنی خواہشات اور ضروریات کو پورا کرنے کے لیے وہ دوسروں کے حقوق کو غصب کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مواخات کے ذریعے تاریخ انسانی کا ایک درخشندہ باب رقم کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات نے معاشرے کی سوچ کو یکسر بدل کر رکھ دیا اور وہ لوگ جو کبھی دوسروں کا مال وزر اور عزت وآبرو چھیننے کے لیے خون بہانے سے بھی

Presented by Ziaraat.Com

دریغ نہیں کرتے تھے، دائرہ اسلام میں داخل ہونے اور پھر رشتۂ مواخات سے منسلک ہونے کے بعد اپنا مال وزر بخوشی اپنے بھائی کے ساتھ تقسیم کرنے پر تیار ہو گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر مہاجر اور انصار کے درمیان مواخات قائم فرمائی چنانچہ یہ رشتہ قائم ہونے کے بعد ہر انصاری اپنے مہاجر بھائی کو اپنے گھر لے گیا اور اپنی منقولہ وغیر منقولہ جائداد کا نصف اُس کی ملکیت میں دے دیا اور دونوں سگے بھائیوں کی طرح مل جل کر رہنے لگے۔

بعض روایات میں ملتا ہے کہ انصار اپنی دو دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے کر اپنے مہاجر بھائی کی زوجیّت میں دینے پر بھی تیار ہو گئے۔ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ مہاجرین جب مدینہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ربیع کے درمیان بھائی چارہ کرادیا۔ سعد نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ میں انصار میں سب سے زیادہ مالدار ہوں، میرا آدھا مال تم لے لو اور میری دو بیویاں ہیں، اُن میں سے ایک کو میں طلاق دے دیتا ہوں، عِدت مکمل ہونے کے بعد تم اُس سے شادی کر لینا، لیکن اُنہوں نے انکار کر دیا۔ [۱]

روایت ہے کہ مواخات کا واقعہ ہجرت کے پانچ یا آٹھ ماہ کے بعد پیش آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچاس مہاجرین اور انصار میں باہمی مواخات قائم فرمائی۔ حضرت سلمانؓ کو حضرت ابودرداؓ کا بھائی بنایا، حضرت ابوذرؓ کو منذر بن عمیرؓ کا، حضرت عمار یاسرؓ کو حضرت حذیفہ یمانیؓ کا، حضرت مصعب بن عمیرؓ کو حضرت ابوایوب انصاریؓ کا، حضرت زبیر بن عوامؓ کو حضرت سلامہ بن وتشؓ کا، حضرت ابوعبیدہ جراحؓ کو حضرت سعد بن معاذؓ کا، حضرت عثمانؓ کو حضرت اوس بن ثابتؓ کا، حضرت عمرؓ کو حضرت عتبان بن مالکؓ کا اور حضرت ابوبکرؓ کو حضرت خارجہ بن زیدؓ کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام اور اپنے لیے کسی انصاری کو منتخب نہیں فرمایا۔ [۲]

---

[۱] مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۴ء)، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۱ ص ۱۷۰۔ بخاری ج ۳ حدیث ۱۵۶

[۲] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۱۵۰

Presented by Ziaraat.Com

اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکّہ میں بھی ایسا کر چکے تھے۔ بحوالہ تاریخ خمیس اور ریاض النصرہ، مکّہ میں حضرت ابوبکرؓ کو حضرت عمرؓ کا، طلحہ کو زبیر کا، حضرت عثمانؓ کو عبدالرحمٰن کا، حضرت حمزہؓ کو ابن حارثہ کا اور حضرت علی علیہ السلام کو خود اپنا بھائی بنایا تھا۔ علامہ شبلی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتحادِ مذاق، طبیعت اور فطرت کے لحاظ سے ایک دوسرے کو باہم بھائی بنایا تھا، مذاقِ نبوّت کا اتحاد فطرتِ امامت ہی سے ہوسکتا تھا اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر مرتبہ اپنا بھائی حضرت علی علیہ السلام ہی کو منتخب فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کرتے تھے، ''اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ'' یعنی تم دُنیا اور آخرت (دونوں) میں میرے بھائی ہو۔ (۱)

مدارجُ النبوّت میں روضۃُ الاحباب کے حوالہ سے شیخ ابن حجر سے روایت ہے کہ جب عقد مواخات باندھا گیا تو حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کے درمیان تو برادری کا رشتہ باندھ دیا اور مجھے تنہا چھوڑ دیا؟ میرا بھائی کون ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا بھائی میں ہوں اور فرمایا، ''اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ'' یعنی تم دُنیا اور آخرت (دونوں) میں میرے بھائی ہو۔ (۲)

امیرالمومنین علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین وانصار کے درمیان بھائی چارہ قرار دیا تو لوگ نسب اور رشتہ کے سبب سے نہیں بلکہ اپنے ایمانی بھائیوں کے رشتے کی وجہ سے ترکہ پاتے تھے لیکن جب اسلام کو تقویت ملی تو خدا نے آیتِ میراث نازل فرمائی اور وہ حکم منسوخ ہو گیا۔ (۳)

---

(۱) علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۶۴ بحوالہ علامہ شبلی، تاریخ خمیس و ریاض النصرہ

(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۰۴

(۳) علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ باب ۲۸ ص ۵۲۳

Presented by Ziaraat.Com

زراعت وتجارت

مدینہ ایک زرخیز اور سرسبز و شاداب علاقہ تھا، یہاں کی زمینیں سونا اُگلتی تھیں اس لئے لوگوں کا ذریعہ معاش زراعت تھا مگر سادہ لوح کاشتکار تجارتی باریکیوں اور ہوشیاریوں سے قطعی نابلد تھے۔ تجارت پر یہود کی اجارہ داری تھی۔ چالاک یہودی نے اُنہیں قرض اور سود در سود کے جال میں بری طرح جکڑ رکھا تھا۔ وہ اُنھیں نہایت کم قیمت پر فصل اپنے ہاتھ فروخت کرنے کا پابند بنا لیتا اور پھر وہی اناج ضرورت پڑنے پر مہنگے داموں اُنہی کو فروخت کرتا۔ یہود کا یہ جال مکڑی کے جالے کی طرح تھا جس میں اہلِ مدینہ بری طرح پھنسے ہوئے تھے اور نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔ دوسری طرف مکّہ ایک بے آب و گیاہ علاقہ تھا، وہاں زراعت کا کوئی تصور نہیں تھا، وہاں کے لوگ تجارت پیشہ تھے، خرید و فروخت کے لیے ہر طرح کے لوگوں سے ملتے تھے اور تجارتی قافلوں کی صورت میں دنیا بھر میں گھومتے تھے اس لئے تجارت کی باریکیوں سے بخوبی واقف تھے اور اس کا گہرا تجربہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت زیرک و دانا اور دور اندیش انسان تھے۔ ایک طرف انصار کی یہود کے ہاتھوں بے بسی اور مہاجرین کی بے کسی و بدحالی سے آگاہ تھے تو دوسری طرف ان دونوں کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں سے بھی بخوبی واقف تھے، پس عقد مواخات کے ذریعہ ایسی حکمت عملی اختیار کی کہ دونوں جماعتوں کے اشتراک سے دونوں کے معاشی حالات میں بھی استحکام پیدا ہو گیا اور مہاجرین کی آبادکاری کا ایک پیچیدہ مسئلہ بھی نہایت خوش اسلوبی سے حل ہو گیا۔ انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کے ساتھ اپنے وسائل بانٹے تو مہاجرین نے اپنے انصار محسنوں کے مسائل بانٹ لئے۔ اُنہوں نے انصار کے ساتھ مل کر اپنی تجارتی صلاحیتوں کا اس خوبی کے ساتھ استعمال کیا کہ انصار کی خون پسینے سے پیدا کی ہوئی فصل یہود کے ہاتھوں کوڑیوں کے داموں بکنے سے محفوظ ہو گئی۔ عرب میں ایک نیا نظامِ تجارت رائج ہو گیا جو اسلام کے سنہری اصولوں پر قائم تھا، ہر طرح کی چور بازاری، دھوکہ دہی، ملاوٹ اور سود خوری سے پاک۔ جلد ہی اس کا چرچا عرب کے طول و عرض میں ہونے لگا اور لوگوں کے دلوں میں اسلام کی حقانیت اور انفرادیت کے نقوش اجاگر ہونے لگے۔

Presented by Ziaraat.Com

میثاقِ مدینہ

(دنیا کا پہلا تحریری دستور)

(۱ہجری/ ۶۲۲ء)

مکّہ میں تحریکِ اسلام ایک نوخیز بیج کی طرح زیرزمین پنپ رہی تھی جسے صرف مکّہ کے قبیلہ قریش سے خطرہ لاحق تھا۔ مدینہ کی زمین زرخیز تھی جہاں یہ بیج پھوٹ کر ایک صحت مند پودے کی طرح کھلی آب و ہوا میں لہرانے لگا اوراس کی شاخیں اس تیزی سے پھلنے پھولنے لگیں کہ دیکھتے ہی دیکھتے یہ ایک تناور درخت بن گیا۔ اب شجرِ اسلام کو چاروں طرف سے اُٹھنے والی خوفناک آندھیوں اور طوفانوں سے خطرہ درپیش تھا۔ پہلا خطرہ مکّہ کے قبیلہ قریش اور اُن کے ساتھیوں سے بدستور تھا، دوسرا خطرہ یثرب کے بت پرست ومشرک قبائل سے تھا جو قریش کی طرح اسلام کے سخت مخالف تھے۔ تیسرا خطرہ یہود اور گردونواح کی اُن غیر مسلم ریاستوں سے تھا جو اسلام کو اپنے لئے خطرہ سمجھ کر مستقبل قریب میں اس کی دشمن ہوسکتی تھیں۔ چوتھا خطرہ اُن منافقین سے تھا جو بظاہر اسلام قبول کر چکے تھے لیکن اُن کے دل کفر و باطل کی کثافتوں سے ابھی تک سیاہ تھے۔ سیاسی وعسکری نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ تمام خطرات ایک نومولود ریاست کو جسے ابھی تک کہیں تسلیم بھی نہیں کیا گیا تھا، ختم کرنے کے لئے کافی تھے۔ چنانچہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود اور دیگر یثربی قبائل کے ساتھ ایک تاریخ ساز معاہدے کے ذریعے نہ صرف ان خطرات کا سدباب کیا بلکہ تحریکِ اسلام کے لئے شاندار کامیابی کی راہیں بھی ہموار کرلیں۔ اس طرح تقریباً تمام حریف قوتیں مغلوب ہوگئیں اور اسلام اور اہلِ اسلام کو ایک یقینی تحفظ حاصل ہوگیا۔ اس معاہدے کے ساتھ ہی ایک باقاعدہ اسلامی مملکت بھی وجود میں آ گئی جس کے سربراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔

Presented by Ziaraat.Com

یہ معاہدہ جسے میثاق مدینہ کہا جاتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دور اندیشی، سیاسی حکمت عملی، عسکری بصیرت اور بے مثال تدبر و دانائی کا ایسا زندہ و جاوید ثبوت ہے جس کے سامنے ماضی و حال کی تمام سیاسی و عسکری قوتیں سر تسلیم خم ہیں۔ یہ بے مثال آئین اُن لوگوں کو بھی دعوتِ فکر دیتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوّت کے قائل نہیں یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک ناخواندہ مردِ صحرائی سمجھتے ہیں۔ کیا کوئی غیر تعلیم یافتہ پردیسی مہاجر جہالت اور جاہلیت کے اُس دور میں ایسا معاہدہ کر سکتا تھا جس کے ذریعے ایک نئی ریاست قائم ہو جاتی اور جسے اردگرد کے تمام اہم قبائل تسلیم بھی کر لیتے اور جسکی وجہ سے اُس نئی مملکت کی شان و شوکت اور قوت و صولت کے پرچم تمام عالم پر لہرانے لگتے؟ یہ سوال اُن لوگوں کے لئے بھی یقیناً اہم اور دلچسپ ہوگا جو سیرتِ طیبہ کو جدید نظریات، سائنسی توجیہات اور تاریخی محرکات کی روشنی میں دیکھنے کے شوقین ہیں۔

میثاق مدینہ پہلا بین الاقوامی تحریری معاہدہ ہے۔ بعض مورخین میگنا کارٹا (Megna Carta) کو پہلا بین الاقوامی معاہدہ قرار دیتے ہیں حالانکہ میثاق مدینہ ۶۲۲ء میں ہوا جبکہ میگنا کارٹا ۶۰۰ سالوں بعد ۱۲۱۵ء میں انگلستان کے شاہ جان اوّل کے زمانے میں ہوا۔[۱]

آج ترقی یافتہ ممالک کے دساتیر میں امریکہ کے دستور کو مختصر ترین اور مثالی دستور قرار دیا جاتا ہے جو کہ سات ہزار الفاظ پر مبنی ہے جبکہ آج سے چودہ سو سال قبل رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیا گیا یہ دستور یعنی میثاقِ مدینہ صرف سات سو تیس الفاظ پر مشتمل ہے اور امریکہ کے اس دستور سے کہیں زیادہ جامع، موثر اور مکمل ہے۔ اگر جدید دستوری و آئینی قواعد و ضوابط اور معیارات کی روشنی میں میثاقِ مدینہ کا تجزیہ کیا جائے تو اس میں وہ تمام خصوصیات نظر آتی ہیں جو ایک مثالی آئین میں ہونی چاہئیں۔

---

[۱] وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا اُردو

Presented by Ziaraat.Com

میثاقِ مدینہ کا متن[1]

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

(۱) یہ اللہ کے نبی اور رسول محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے دستوری تحریر (دستاویز) ہے۔

(۲) یہ معاہدہ اہل ایمان مسلمانان قریش اور اہل یثرب اور ان لوگوں کے درمیان ہے جو ان کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ شامل ہوں اور ان کے ہمراہ جنگ میں حصہ لیں۔ (یہ سب گروہ، ریاست مدینہ کے آئینی طبقات تصور کئے جائیں گے)۔

(۳) تمام (دنیا کے دیگر) لوگوں کے مقابلے میں ان کی ایک الگ سیاسی وحدت (قومیت) ہوگی۔

(۴) قریش کے مہاجرین اپنے دستور کے مطابق اپنا خوں بہا ادا کیا کریں گے اور اپنے اسیروں کو خود فدیہ دے کر چھڑائیں گے اور مومنوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف پر مبنی ہوگا۔

(۵) اور بنی عوف اپنے دستور کے مطابق حسب سابق اپنا خوں بہا ادا کیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا اور مومنین کا آپس میں برتاؤ نیکی اور انصاف پر مبنی ہوگا۔

(۶) اور بنو حارث بن خزرج اپنے دستور کے مطابق حسب سابق اپنا خوں بہا ادا کیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے اسیروں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا اور مومنوں کا باہمی برتاؤ بھلائی اور

---

[1] ڈاکٹر محمد طاہر القادری، میثاقِ مدینہ بحوالہ ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)، تاریخ ابن خلدون
ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، سیرۃ ابن ہشام
محمد حمید اللہ، عہد نبوی کا نظام حکمرانی ج ۱

Presented by Ziaraat.Com

انصاف پر مبنی ہوگا۔

(۷) اور بنو ساعدہ اپنے دستور کے مطابق حسب سابق اپنا خوں بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا اور ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور عدل پر مبنی ہوگا۔

(۸) اور بنو جُشم اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنا خوں بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا اور ایمان والوں کا آپس میں برتاؤ اچھائی اور انصاف پر مبنی ہوگا۔

(۹) اور بنو نجار اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خوں بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا اور مومنوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف پر مبنی ہوگا۔

(۱۰) اور بنو عمرو بن عوف اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خوں بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا اور اہل ایمان کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف پر مبنی ہوگا۔

(۱۱) اور بنو نبیت اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب دستور اپنے خوں بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے اسیروں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا اور مومنین کا آپس میں برتاؤ نیکی اور انصاف پر مبنی ہوگا۔

(۱۲) اور بنو اَوس اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور اپنے دستور کے مطابق اپنے خوں بہا باہم مل کر ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا اور مومنین کا باہمی برتاؤ عدل و انصاف اور بھلائی پر مبنی ہوگا۔

(۱۳) ہر گروہ اپنے اسیروں کا زرِ فدیہ ادا کر کے اُنہیں رہائی دلائے گا اور اس ضمن میں مسلمانوں

Presented by Ziaraat.Com

کے درمیان قانون وانصاف کے بلا امتیاز اطلاق کو یقینی بنائے گا۔

(۱۴) اور ایمان والے قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے کسی شخص کی مدد کئے بغیر نہیں رہیں گے تا کہ اُس کا زرِفدیہ یا دیت بخوبی ادا ہو سکے۔

(۱۵) اور کوئی مومن کسی دوسرے مومن کے عہد شریک سے اس کی مرضی کے بغیر معاہدہ نہیں کرے گا۔

(۱۶) اور متقی مومنین کے ہاتھ اُن میں سے ہر اس شخص کے خلاف اُٹھیں گے جو سرکشی کرے یا استحصال بالجبر کرنا چاہے یا گناہ یا تعدی کا ارتکاب کرے یا پُر امن شہریوں (مومنوں) میں فساد پھیلانا چاہے اور ایسے شخص کے خلاف سب مل کر اُٹھیں گے خواہ وہ اُن میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

(۱۷) اور کوئی مومن کسی مومن کو کسی کافر کے بدلے قتل نہیں کرے گا اور نہ کسی مومن کے خلاف کسی کافر کی مدد کرے گا۔

(۱۸) اور اللہ کا ذمہ ایک ہی ہے۔ ان (مسلمانوں) کا کوئی ادنیٰ ترین فرد بھی کسی شخص کو پناہ دے کر سب پر پابندی عائد کر سکے گا۔

(۱۹) اور مومن بقیہ لوگوں کے مقابلے میں آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

(۲۰) اور یہودیوں میں سے جو ہماری اتباع کرے گا اُسے مدد اور مساوات حاصل ہو گی جب تک وہ اہل ایمان پر ظلم کا مرتکب نہ ہو یا اُن کے خلاف (کسی مخالف کی) مدد نہ کرے۔

(۲۱) اور مومنوں کی صلح ایک ہی ہو گی۔ اللہ کی راہ میں لڑائی کے دوران کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو چھوڑ کر (دشمن سے) صلح نہیں کرے گا جب تک کہ (یہ صلح) اُن سب کیلئے برابر نہ ہو۔

(۲۲) اور ان تمام گروہوں کو جو ہمارے ہمراہ (دشمن سے) جنگ کریں باری باری رخصت دی جائے گی۔

Presented by Ziaraat.Com

(۲۳) اور مومنین راہ خدا میں اپنی ہونے والی خونریزی کا دشمن سے مل کر انتقام لیں گے۔

(۲۴) اور بلاشبہ ایمان اور تقویٰ والے سب سے اچھے اور سیدھے راستے پر ہیں۔

(۲۵) اور (مدینہ کی غیر مسلم رعیت میں سے) کوئی مشرک قریش کی جان و مال کو نہ پناہ دے گا اور نہ ہی اُن کی خاطر کسی مومن کے آڑے آئے گا۔

(۲۶) اور جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کرے تو قتل ثابت ہونے پر اُس سے قصاص لیا جائے گا بجز اس کے کہ مقتول کا ولی خوں بہا پر راضی ہو جائے۔ اور تمام مومنین اس (قصاص) کی تعمیل کیلئے (متحد ہو کر) اُٹھیں گے اور اس کے سوا کوئی اور چیز اُن پر جائز نہ ہوگی۔

(۲۷) اور کسی ایسے مومن کیلئے جو اس دستور العمل (صحیفہ) کے مندرجات (کی تعمیل) کا اقرار کر چکا ہو اور خدا اور یوم آخرت پر ایمان لا چکا ہو یہ بات جائز نہ ہوگی کہ کسی قاتل کو مدد یا پناہ دے اور جو اسے مدد یا پناہ دے گا تو قیامت کے دن اس پر خدا کی لعنت اور غضب نازل ہوگا اور اس سے کوئی رقم یا معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

(۲۸) اور جب کبھی تم میں کسی چیز پر اختلاف ہو تو اُسے اللہ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹایا جائے گا (کیونکہ آخری اور حتمی حکم (فیصلہ کرنے والا) اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں)۔

(۲۹) یہودی جب تک مومنین کے ساتھ مل کر جنگ کریں گے اپنے جنگی مصارف خود برداشت کریں گے۔

(۳۰) اور بنی عوف کے یہودی، مومنین کے ساتھ ایک سیاسی وحدت تسلیم کئے جاتے ہیں۔ یہودیوں کیلئے اُن کا دین ہے اور مسلمانوں کیلئے اپنا دین ہے خواہ اُن کے موالی ہوں یا وہ بذات خود ہوں، ہاں جو ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کرے تو اُس کی ذات یا گھرانے کے سوا کوئی دوسرا مصیبت میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔

Presented by Ziaraat.Com

(۳۱) اور بنی نجار کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔

(۳۲) اور بنی حارث کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔

(۳۳) اور بنی ساعدہ کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔

(۳۴) اور بنی جُشم کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔

(۳۵) اور بنی اَوس کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔

(۳۶) اور بنی ثعلبہ کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے مگر جو ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کرے تو خود اس کی ذات یا گھرانے کے سوا اور کوئی مصیبت میں نہیں پڑے گا۔

(۳۷) اور (قبیلہ) جفنہ کو بھی، جو (قبیلہ) ثعلبہ کی ایک شاخ ہے، وہی حقوق حاصل ہوں گے جو (قبیلہ) ثعلبہ کو حاصل ہیں۔

(۳۸) اور بنی شطیبہ کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے، اور (اس دستور سے) وفا شعاری ہو نہ کہ عہد شکنی۔

(۳۹) اور ثعلبہ کے موالی کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو (حاصل ہوں گے)۔

(۴۰) اور یہودیوں کی ذیلی شاخوں کو بھی اصل کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔

(۴۱) اور یہ کہ ان میں سے کوئی بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت کے بغیر (کارروائی کے لئے) نہیں نکلے گا۔

(۴۲) اور کسی مار پیٹ، زخم کا بدلہ لینے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں جائے گی۔

(۴۳) جو خونریزی کرے تو وہ خود اور اُس کا گھرانہ ذمہ دار ہوگا بجز اس کے کہ اُس پر ظلم ہوا ہو اور خدا اُس کے ساتھ ہے جو اِس (دستور العمل) کی زیادہ سے زیادہ وفا شعارانہ تعمیل کرے۔

Presented by Ziaraat.Com

(۴۴) اور یہودیوں پر اُن کے مصارف کا بار ہوگا اور مسلمانوں پر اُن کے مصارف کا۔

(۴۵) اور جو کوئی اِس دستور والوں سے جنگ کرے تو یہ (یہودی اور مسلمان) اُس کے خلاف متحد ہو کر لڑیں گے۔

(۴۶) اور اِن میں (مسلمانوں اور یہودیوں میں) باہم مشاورت، بہی خواہی اور وفا شعاری ہوگی نہ کہ عہد شکنی۔

(۴۷) کوئی جماعت اپنے کسی حلیف کی وجہ سے اِس معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کرے گی اور ہر حال میں مظلوم کی دادرسی کی جائے گی۔

(۴۸) اور یہودی اُس وقت تک مومنین کے ساتھ (جنگی) اخراجات برداشت کرتے رہیں گے جب تک وہ مل کر جنگ کرتے رہیں گے۔

(۴۹) اور یثرب کا جوف (پہاڑوں میں گھرا ہوا ایک خاص میدان) اس دستور والوں کے لئے حرم (دارالامن) ہوگا (یعنی وہاں آپس میں جنگ کرنا منع ہوگا)۔

(۵۰) پناہ گزین سے وہی برتاؤ ہوگا جو اصل (پناہ دہندہ) کے ساتھ، اُس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا یا جائے گا اور نہ خود عہد شکنی ہی کرے گا۔

(۵۱) اور کسی عورت کو اُس کے خاندان (اہل خانہ) کی رضامندی سے ہی پناہ دی جائے گی۔

(۵۲) اور یہ کہ اِس دستور والوں میں جو بھی قتل یا جھگڑا ہو، جس سے فساد کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں خدا اور خدا کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رجوع کیا جائے گا اور خدا اُس شخص کے ساتھ ہے جو اِس دستور کے مندرجات کی وفاداری سے تعمیل کرے۔

(۵۳) اور قریش اور اُن کے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

(۵۴) کسی بیرونی حملہ کی صورت میں ریاست مدینہ کا دفاع امداد باہمی کے تحت اِن (یہودیوں اور مسلمانوں) کی مشترکہ ذمہ داری ہوگی۔

Presented by Ziaraat.Com

(۵۵) اور اگر اِن (یہودیوں) کو کسی صلح میں مدعو کیا جائے تو وہ بھی صلح کریں گے اور اُس میں شریک رہیں گے اور اگر وہ کسی ایسے معاملے کے لئے بلائیں تو مومنین کا بھی فرض ہوگا کہ اِن کے ساتھ ایسا ہی کریں۔

(۵۶) اسی طرح مسلمانوں پر لازم ہے کہ اگر اُنہیں کسی امن معاہدہ میں شرکت کی دعوت دی جائے تو وہ اُس کی مکمل پابندی کریں بجز اِس کے کہ دین کے معاملے میں کوئی جنگ کرے۔

(۵۷) ہر گروہ کے حصے میں اُسی رخ کی (مدافعت) آئے گی جو اُس کے بالمقابل ہو۔

(۵۸) اور اوس کے یہودیوں کو چاہے وہ موالی ہوں یا اصل وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اِس دستور والوں کو حاصل ہیں اور وہ بھی اِس دستور والوں کے ساتھ خالص وفا شعاری کا برتاؤ کریں گے۔

(۵۹) اور وفا شعاری ہوگی نہ کہ عہد شکنی۔ جو جیسا کرے گا ویسا ہی خود بھرے گا۔

(۶۰) اور خدا اُس کے ساتھ ہے جو اِس دستور کی خوب صداقت اور وفا شعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔

(۶۱) اور یہ دستوری دستاویز کسی ظالم یا عہد شکن کو تحفظ فراہم نہیں کرے گی۔

(۶۲) اور جنگ پر جانے والا بھی امن کا مستحق ہوگا اور مدینے میں بیٹھ رہنے والا بھی امن کا مستحق ہوگا، سوائے ظالم اور قانون شکنی کرنے والے کے۔

(۶۳) اور جو اِس دستور کے ساتھ وفا شعار رہے اور نیکی و امن پر کاربند رہے، اللہ اور اُس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کے محافظ و نگہبان ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ ○

Presented by Ziaraat.Com

میثاقِ مدینہ غیر مسلم دانشوروں کی نظر میں

غیر مسلم دانشوروں نے جب بھی اسلام یا تاجدارِ اسلام جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق کچھ لکھا تو اسلام دشمنی اور کم ظرفی کا مظاہرہ کیا اور جہاں تک ہوسکا حقائق سے روگردانی کرتے ہوئے تاریخ کو اپنے نظریے سے پیش کیا۔ لیکن سچ تو سچ ہوتا ہے، لاکھ چھپاتے ہوئے بھی عیاں ہو ہی جاتا ہے۔ چنانچہ اُن کی تحریروں میں حق اور سچائی کی یہ جھلک بھی کہیں نہ کہیں دیکھی جاسکتی ہے۔ غیر مسلم مفکرین کی مندرجہ ذیل تحریریں اُن کے نقطۂ نظر سے آگاہی کے لئے دی جارہی ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ ہمیں اُن کی رائے سے مکمل اتفاق ہو۔

رینالڈ ایلین نکولسن

(Reynold Alleyne Nicholson,1868–1945)

رینالڈ ایلین نکولسن ایک برطانوی محقق، فلاسفر، مترجم، مدرس، مصنف اور مؤرخ تھے۔ تاریخ اسلام پر ان کی دو کتابیں اے لٹریری ہسٹری آف دی عربز (A Literary History of The Arabs) اور دی مسٹکس آف اسلام (The Mystics of Islam) بہت مشہور ہیں۔ زیر نظر اقتباس کتاب ''اے لٹریری ہسٹری آف دی عربز'' سے لیا گیا ہے۔

''کوئی شخص بھی اِس دستاویز (میثاقِ مدینہ) کا مطالعہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سیاسی بصیرت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں کرسکتا۔ یہ دستاویز بدیہی طور پر ایک محتاط اور مبنی بر بصیرت اصلاح تھی، حقیقتاً یہ ایک انقلاب تھا۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ظاہراً تو قبیلوں کی آزادی کو متاثر نہیں کیا تھا مگر حقیقت میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے طاقت کے محور کو قبیلے سے قوم کی طرف منتقل کر کے اُس کے اثر کو ختم کردیا۔ اگرچہ قوم میں یہود، کفار اور مسلمان شامل تھے جیسا کہ دستور میں تسلیم کیا گیا، مگر آپ

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مخالفین اس حقیقت کا ادراک نہ کر سکے کہ مسلمان فعال اور متحرک تھے اور بہت جلد نوتشکیل شدہ ریاست کے نمایاں اور غالب حکومتی حصہ دار بننے والے تھے۔'' [۱]

جولیس ویل ہاسن

(Julius Wellhausen,1844-1918)

جولیس ویل ہاسن جرمنی کے نامور پروفیسر اور مفکر تھے۔ اپنی کتاب دی عرب کنگڈم اینڈ اٹس فال (The Arab Kingdom and Its Fall) میں رقم طراز ہیں:

''مدینہ کی آبادی دو حریف قبیلوں، اَوس اور خزرج میں تقسیم ہو چکی تھی۔ قتل عام روزمرہ کا معمول تھا۔ کوئی شخص بھی خطرہ مول لئے بغیر اپنے گھر سے باہر نہ نکل سکتا تھا۔ وہاں افراتفری کا ایسا بازار گرم تھا کہ زندہ رہنا محال ہو گیا تھا۔ اب یہاں کسی ایسے مسیحا کی ضرورت تھی جو اس لاقانونیت کا خاتمہ کرتا۔ لیکن (ضرورت اِس امر کی تھی کہ) وہ شخص غیر جانبدار ہوتا اور کسی مقامی حریفانہ آویزش میں شامل نہ ہوتا۔ ایسے حالات میں مکّہ سے پیغمبرِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تشریف آوری ہوئی گویا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خدا نے ہی (مدینہ) بھیجا تھا۔ خون کا رشتہ جو باہمی تعلقات کی بنیاد کے طور پر نا کام ہو چکا تھا، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عقیدے کو اس کی جگہ رکھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے ساتھ مومنین کی ایک جماعت بھی لائے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے رفتہ رفتہ مدینہ میں ایک دولت مشترکہ کی بنیاد رکھ دی جس کی اساس اُمۃ اللہ یعنی اللہ کا گروہ تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جو اُمور سر انجام دینے تھے اُن میں پہلا کام نفاذِ قانون اور قیامِ امن تھا، چونکہ (مدینہ میں) حکمران کوئی نہیں تھا چنانچہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قیادت سنبھال لی، قوت اپنے ہاتھوں میں لے لی اور اپنی پوزیشن کو ایسے اقدامات

---

[۱] رینالڈ ایلین نکولسن (متوفی ۱۹۴۵ء)، اے لٹریری ہسٹری آف دی عربز، (A Literary History of The Arabs)، طبع کیمبریج یونیورسٹی پریس، ۱۹۵۳ء

Presented by Ziaraat.Com

سے مضبوط کرلیا جو اُن حالات میں متوقع تھے۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُن معاملات کو نبھانے میں بے مثال بصیرت وحکمت کا مظاہرہ کیا۔

ایسے حالات میں مذہب کی طاقت ایک سیاسی قوت بن گئی جس سے ایک معاشرہ اوراس سے بھی بڑھ کر ایک ایسی مقتدر قوت سامنے آئی جس کی اطاعت کی جاتی تھی، ریاست کا حاکم اعلیٰ ذاتِ الٰہی کو قرار دیا گیا۔ جو کچھ ہمارے ہاں ایک بادشاہ کے نام پر ہوتا ہے، اللہ کے نام پر (یعنی اللہ کی حاکمیتِ اعلیٰ کے تحت) کیا جانے لگا۔ حکمرانی کا اختیار و اقتدار، اللہ کے اقتدار کے حوالے سے متعارف کروایا گیا، یہ تصور اب تک عربوں کے لئے اجنبی تھا۔ یہ عقیدہ اس طرح متعارف کروایا گیا کہ کوئی دنیاوی طاقت یا انسان حکمرانی کا (مطلقاً) حق نہیں رکھتا بلکہ یہ حق صرف ذاتِ الٰہی کے لئے ہے جو انسانوں سے بالاتر ہستی ہے اور جس کا اقرار اہلِ ایمان دل سے کرتے ہیں۔ مذہب کی ریاست کا مطلب، ملکی یعنی زمینی بادشاہت کی نفی ہے۔ (انسان کے لیے) حکمران ہونے کے حق کا یہ مطلب نہیں کہ اسے اس حکمرانی سے لطف اندوز ہونے کا حق بھی حاصل ہے کیونکہ حکمرانی کا اور سلطنت کا (اصلاً) تعلق تو خدا سے ہے، لیکن اُس کا رسول اُس کے احکامات وصول کرنے والا اور اُس کی مرضی کے مطابق عمل کرنے والا ہے۔ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہ صرف سچائی کا راستہ دکھانے والے ہیں بلکہ زمین پر واحد مجاز حکمران بھی ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سوا نہ تو کوئی حکمران ہے اور نہ کوئی پیغمبر ہی ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دنیا میں اللہ کی حکمرانی کے نمائندہ ہیں۔ تعلیم وعقیدہ میں اللہ اور اُس کا پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) باہم متعلق ہیں۔ تھیوکریسی ایک ایسی دولت مشترکہ ہے جس کا سربراہ نہ کوئی بادشاہ ہے نہ ہی کوئی جبری یا وراثتی طاقت اور جہاں کا قانون خدا کا قانون ہے۔"[1]

---

[1] جولیس ویل ہاسن (متوفی ۱۹۱۸ء)، دی عرب کنگڈم اینڈ اٹس فال، (The Arab Kingdom and Its Fall)، یونیورسٹی آف کلکتہ، ۱۹۲۷ء

Presented by Ziaraat.Com

سر تھامس واکر آرنلڈ

(Sir Thomas Walker Arnold,1864-1930)

سر تھامس واکر آرنلڈ ایک برطانوی مؤرخ تھے۔ ایم اے او کالج لاہور، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کالج اور گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور میں بھی پڑھاتے رہے۔ پاکستان کے قومی شاعر علامہ محمد اقبال اور مشہور مؤرخ سید سلمان ندوی کے اُستاد تھے۔ مولانا شبلی نعمانی اور سر سید احمد خان کے قریبی دوست بھی تھے۔ سر سید احمد خان کے اصرار پر مشہورِ زمانہ کتاب ''دی پریچنگ آف اسلام'' (The Preaching of Islam) لکھی۔ زیرِ نظر اقتباس اُسی سے لیا گیا ہے۔

''ہجرت کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پوزیشن کو سمجھنے کے لئے اس دور کے عرب یا کم از کم جزیرہ نمائے عرب کے اُس حصّے (مدینہ منورہ) کے حالات کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ وہاں اُس وقت کسی قسم کا کوئی انتظامی یا عدالتی نظام رائج نہیں تھا جیسا کہ آج کل حکومت کے تصور کے ساتھ ہمارے ذہنوں میں آتا ہے، ہر قبیلے کا ایک الگ آزادانہ وجود تھا اور اُس قبیلہ یا گروہ کی آزادی اُسی کے افراد تک محدود تھی۔ یعنی اُن کا ہر شخص اپنے سردار کے اختیار کو محض اس لئے مانتا تھا کہ وہ قبیلہ بھر کی مشترکہ رائے کا مظہر ہوتا تھا لیکن اس کے باوجود وہ اس معاملے میں آزاد تھا کہ وہ اپنے قبیلہ کے افراد کی اجتماعی رائے سے بھی اختلاف کرے۔ مزید یہ کہ قبیلہ کے سردار کا باقاعدہ کوئی اختیاراتی نظام بھی نہیں تھا۔

(در ایں حالات) ہم سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مدینہ کے مختلف النوع افراد سے بطور سربراہ اپنے آپ کو اور اپنے اختیار کو کیسے منوالیا تھا اور لوگوں نے یہ سب کچھ بغیر کسی احساسِ عدمِ تحفظ یا کسی حکومتی جبر و دباؤ کے کیا تھا۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس طرح اپنے لوگوں پر دنیاوی اختیار حاصل کیا جس طرح دوسرے آزاد سرداروں کو اپنے قبائل پر حاصل تھا مگر یہاں ایک واضح فرق موجود تھا کہ یہاں تعلق باہمی رشتۂ خون پر مبنی نہیں تھا بلکہ مذہب پر تھا۔ [1]

---

[1] سر تھامس واکر آرنلڈ (متوفی ۱۹۳۰ء)، دی پریچنگ آف اسلام (The Preaching of Islam)

Presented by Ziaraat.Com

لیفٹیننٹ جنرل سر جان بیگٹ گلب پاشا

(Lt.Gen. Sir John Bagot Glubb Pasha, 897-1986)

لیفٹیننٹ جنرل سر جان بیگٹ گلب پاشا ایک برطانوی سپاہی، مفکر، مؤرخ اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ پہلی عالمی جنگ میں فرانس میں خدمات انجام دیں پھر عراق اور دیگر عرب ممالک میں بھی تعینات رہے۔ اپنی کتاب دی لائف اینڈ ٹائمز آف محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (The Life and Times of Mohammad, p.b.u.h.) میں لکھتے ہیں:

''حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے یہودیوں کے ساتھ اُس معاہدہ کے مشمولات سے جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مدینہ تشریف لانے کے فورا بعد کیا، یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سیاسی، انتظامی اور عدالتی معاملات کو اب اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔ ایک پروان چڑھتے ہوئے (مسلم) معاشرے کے انتظامی سربراہ کے طور پر، جس کو بقاو تحفظ کی فراہمی ضروری تھی اور یہ ارتقاء لازمی تھا۔ تاہم اس سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زندگی میں ایک نمایاں تبدیلی آگئی۔ صبر کرنے والے، اپنے مشن کے ساتھ مخلص اور ایذائیں سہنے والے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یکدم ایک سیاستدان اور حکمران کے طور پر سامنے آئے۔ یہ ایک بہت بڑی تبدیلی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بہت پہلے اس حقیقت کو محسوس کرلیا ہو کہ آگے چل کر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مشن سیاست کے مرحلے میں بھی داخل ہوجائے گا۔[۱]

روبن لیوی

(Reuben Levy,1891-1966)

روبن لیوی کیمبرج یونیورسٹی میں فارسی کے پروفیسر تھے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی میں بھی فارسی

---

[۱] لیفٹیننٹ جنرل سر جان بیگٹ گلب پاشا (متوفی ۱۹۸۶ء)، دی لائف اینڈ ٹائمز آف محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (The Life and Times of Mohammad, p.b.u.h.) طبع نیویارک، ۱۹۷۱ء

Presented by Ziaraat.Com

پڑھاتے رہے۔ فارسی ادب اور اسلامی تاریخ پر کئی کتب لکھیں۔ پہلی جنگ عظیم میں کپتان تھے، ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۰ء تک عراقی پولیٹیکل سروس (Political Service) میں کام کیا، دوسری جنگ عظیم میں سکوارڈن لیڈر بھی رہے۔

وہ اپنی کتاب دی سوشل سٹرکچر آف اسلام (The Social Structure of Islam) میں لکھتے ہیں: ''بادی النظر میں (مدینہ کے) آئین سے ایسی تبدیلی کم ہی وقوع میں آئی ہوگی جو مسلمانوں کی زندگیوں پر اثر انداز ہوتی مگر جیسا کہ خود اس دستاویز سے ظاہر ہے کہ ایک بہت بڑی تبدیلی آچکی تھی اور وہ یہ کہ اب اس ریاست کے افراد کے معاملات کو چلانے کا اختیار سرداروں یا اجتماعی رائے عامہ کے پاس نہیں بلکہ اللہ اور اُس کے رسول حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس تھا۔ اس طرح اس دستور نے عربوں کو ایک انوکھا تصور یعنی (دنیا سے) بالا حکمران سے متعارف کروایا۔ جولوگ ریاستِ اسلامی کے اراکین تھے وہ اپنی گزشتہ آزادی اور حکمران منتخب کرنے کا اختیار ترک کر کے الوہی حاکمیت اعلیٰ کے سامنے سرنگوں تھے۔ اس طرح اُنہوں نے ایک تھیوکریسی یعنی خدائی مملکت قائم کی، ایک ایسی مملکت جس میں سیاسی قوت اللہ اور اُس کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس تھی، اُس ریاست میں مذہب اور سیاست کی کوئی تفریق نہیں تھی یعنی اُمت کے لئے مذہب اور سیاست اس طرح یکجان تھے کہ دونوں کے مقاصد ایک ہی تھے۔ اس طرح رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے الوہی احکام سے اپنی سیاسی قوت حاصل کی۔ (۱)

جوزف ہیل (Joseph Hell)

جوزوف ہیل، اپنی مشہور کتاب دی عرب سویلائزیشن (The Arab Civilization) طبع ڈبلیو ہیفر اینڈ سنز، کیمبرج (W.Heffer & Sons, Cambridge) سنہ ۱۹۲۶ء میں

---

(۱) روبن لیوی (متوفی ۱۹۶۶ء)، دی سوشل سٹرکچر آف اسلام (The Social Structure of Islam) طبع کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۱۹۵۹ء

Presented by Ziaraat.Com

لکھتے ہیں، ’’ریاست مدینہ چلانے کے لئے نافذ کئے جانے والے آئین سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدیم المثل سیاسی بصیرت سامنے آتی ہے اور اس کی اہمیت بہت زیادہ دور رس نتائج کی حامل ہے جس کے لئے ہمیں اس کی نمایاں اور اہم شقوں سے متعارف ہونا ہوگا..... الخ۔ اس آئین کا متن اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اس کے ذریعے ایک اسلامی ریاست کی بنیاد رکھ دی گئی۔‘‘[1]

فرانسسکو جبریلی

(Francesco Gabrieli 1904-1996)

فرانسسکو جبریلی اٹلی کے رہنے والے تھے۔ اُن کے والد ایک لائبریرین (Librarian) تھے جن کی مدد سے اُنہوں نے عربی زبان سیکھی، پھر روم یونیورسٹی میں عربی کلاسیکی ادب پڑھا۔ ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۵ء تک ’’انسائیکلوپیڈیا اٹالیانا‘‘ (Enciclopedia Italiana) کے ایڈیٹر رہے پھر نیپلز ایسٹرن یونیورسٹی (Naples Eastern University) میں پڑھانا شروع کر دیا۔ ۱۹۳۸ء میں روم یونیورسٹی میں عربی زبان وادب کے پروفیسر کے طور پر خدمات انجام دیں۔ اُن کا انتقال روم میں ہوا۔ اُنہوں نے کئی کتابیں لکھیں، اپنی کتاب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اینڈ دا کونکوئسٹس آف اسلام (Mohammad p.b.u.h. and the Conquest of Islam) میں میثاقِ مدینہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں، ’’مکّہ کے مشرکین اہل مدینہ کے مشترکہ دشمن قرار پائے جن کی مخالفت ومزاحمت کے لئے مذہبی یا سیاسی وجوہات کی بنا پر مدینہ کے تمام طبقات متحد ہو گئے۔‘‘[2]

---

[1] جوزف ہیل، دی عرب سویلائزیشن، (The Arab Civilization) طبع ڈبلیو ہیفر اینڈ سنز، کیمبرج ۱۹۲۶ء

[2] فرانسسکو جبریلی (متوفی ۱۹۹۶ء)، کتاب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اینڈ دا کونکوئسٹس آف اسلام (Mohammad p.b.u.h. and the Conquest of Islam)، طبع لندن ۱۹۶۸ء

Presented by Ziaraat.Com

ویلیم منٹگمری واٹ

(William Montgomery Watt, 1909-2006)

ویلیم منٹگمری واٹ سکاٹ لینڈ کے بہت مشہور مؤرخ تھے۔ ایڈنبرگ یونیورسٹی (University of Edinburgh) میں عربی اور تاریخ اسلام کے پروفیسر بھی تھے۔ اُنہوں نے متعدد مشہور و معروف کتابیں لکھیں جن میں زیادہ تر کا موضوع اسلام ہے۔ اُن کی تصانیف میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ طیبہ پر لکھی گئی کتابیں ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکّہ میں'' اور ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ میں''، بہت مشہور ہیں۔ زیرِ نظر اقتباس ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ میں'' سے لیا گیا ہے۔

''(میثاقِ مدینہ کے مطابق) مختلف ریاستی معاملات کا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے سامنے پیش کیا جانا اس بات کی دلیل تھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو اہل مدینہ نے پیغمبر تسلیم کرلیا۔ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو صرف پیغمبر ہی نہیں بلکہ ریاستی حکمران بھی تسلیم کیا گیا جس کا اعتراف کرنے میں واٹ نے علمی بخل سے کام لیا ہے۔ مؤلف) دستور کے الفاظ یہ ہیں کہ تمام تنازعات فیصلہ کے لئے اللہ اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔ یہ تصور کہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے وظائف میں انصاف کا قیام بھی شامل ہے، قرآن مجید کی آیت (۱۰:۴۷) میں ہے، ''ہر قوم کے پاس ایک پیغمبر آیا۔ اور جب رسول آجائے تو ان کے درمیان تمام فیصلے انصاف کے ساتھ کردیئے جاتے ہیں اور ظلم نہیں کیا جاتا۔''[۱] جب اہلِ مدینہ نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو پیغمبر تسلیم کیا تو یہ بات اُن کے ذہن میں تھی اور اسی تصور کے تحت وہ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مختارِ اعلیٰ تسلیم کرنے کے لئے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف راغب ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُن اندرونی جھگڑوں کو ختم کردیں گے جنہوں نے مدینہ میں زندگی کو ناقابلِ برداشت بنادیا تھا۔[۲]

---

[۱] سورۃ یونس، آیت ۴۷

[۲] ویلیم منٹگمری واٹ (متوفی ۲۰۰۶ء)، محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ میں (Mohammad p.b.u.h. at Madina)، طبع کراچی ۱۹۹۴ء

Presented by Ziaraat.Com

ہیوا ین کینیڈی

(Hugh N. Kennedy)

ہیوا ین کینیڈی، ''سکول آف اورینٹل اینڈ افریقن سٹڈیز لندن'' (School of Oriental and African Studies, London) کی ''فیکلٹی آف لینگوئجز اینڈ کلچرز'' (Faculty of Languages and Cultures) میں عربی کے پروفیسر ہیں۔اس سے پہلے یہ ''سینٹ اینڈریوز یونیورسٹی'' (University of St Andrews) میں تاریخ کے پروفیسر بھی رہے۔ بہت بڑے محقق ہیں، ان کی تحقیقات زیادہ تر اسلام پر مبنی ہیں۔اپنی کتاب "The Prophet and the Age of the Caliphates" میں لکھتے ہیں:

''مہاجرین شروع شروع میں اہلِ مدینہ (جنھوں نے اُن کو مدعو کیا تھا) کے گھروں میں رہ رہے تھے، اُن اہلِ مدینہ کو اب انصار یعنی مدد کرنے والا کہا جاتا ہے۔ .... مہاجرین، انصار پر ہی انحصار کرنے والے بن کے رہ جاتے جہاں اُنہیں ہمیشہ مدد اور تحفظ کی ضرورت رہتی (لیکن) اس سے بچنے کیلئے ہجرت کے ابتدائی دو تین سالوں میں کئی معاہدات کئے گئے جنہیں مجموعی طور پر میثاقِ مدینہ کہا جاتا ہے، اس طرح مہاجرین اور اہل مدینہ کے مابین معاہدہ طے پا گیا (جس کی رُو سے) تمام اہل ایمان ایک اُمت قرار دیئے گئے (یعنی) ایک ایسی قوم جو آس پاس کے کفار کے معاشرہ سے علٰیحدہ (تشخص رکھتی) تھی اور اُنہیں (اپنے مخالفین کے خلاف) متحد ہو کر جنگ بھی کرنا تھی۔اس نوتشکیل شدہ اُمت کا باہمی رشتہ اُن کے کفار کے ساتھ کسی بھی معاہدہ سے بڑھ کر تھا۔اور اگر اللہ کی راہ میں کوئی مسلمان شہید ہو جاتا تو سب نے متحد ہو کر اُس کا بدلہ لینا تھا۔تاہم اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو قتل کر دیتا تو بدلہ لینے کے عام قوانین پر عمل کیا جاتا تھا اور مہاجرین کو جن کی قرابتداری یا خاندان مدینہ میں نہیں تھا اسی طرح ایک خاندان سمجھا جاتا تھا جس طرح مدینہ میں آباد دوسرے مقامی خاندان۔ بعینہٖ اس دستور میں یہود سے تعلق کی شقیں بھی موجود تھیں، جو مدینہ کے معاملات کے فریق تھے۔وہ جنگ کے اخراجات میں اپنا حصہ برداشت کرتے تھے،

Presented by Ziaraat.Com

جب تک کہ مسلمانوں اوران کے درمیان کوئی معاہدہ شکنی نہ ہوتی۔ اگرچہ یہوداور مسلمانوں کادین الگ الگ تھا مگر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ذِکر دستور میں دو مرتبہ کیا گیا اور دونوں مرتبہ اس طرح کہ کسی بھی معاملے کے فیصلے کا اختیار اللہ اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس ہے، ان کے سوا کسی دوسرے منصف کا ذِکر نہیں کیا گیا۔ اس دستاویز نے شہریوں کے مابین قیامِ انصاف کے مسائل کو حل کرنے اور بیرونی قبائل کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کے لئے بنیادی کردار ادا کیا۔ تاہم اس دستور میں اس بات کی وضاحت نہیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اختیارات مطلق ہیں (حالانکہ اس کا تذکرہ موجود ہے) نیز کسی مذہبی معاملے پر زور نہیں دیا گیا۔ مکّہ کی طرح مدینہ کو بھی حرم قرار دیا گیا اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس حرم کی بنیادی مقدس شخصیت قرار دیا گیا۔

ہجرت کے بعد ابتدائی سالوں میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اختیارات کو دستورِ مدینہ بدیہی طور پر بیان کرتا ہے۔ آنے والے اگلے آٹھ سالوں میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے اپنی توانائیاں مدینہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اعلیٰ تر حاکمیت کے قیام کے لئے وقف کردیں۔ جس کے لئے اُنہوں نے اہل مکّہ کے خلاف موثر جدوجہد کی، مدینہ کے گرد آباد قبائل کے ساتھ ممکنہ حد تک اتحاد قائم کیا گیا اور اُن کا تعاون حاصل کیا گیا اور مسلم معاشرے کے لئے اصولوں اوراس کے کردار کو واضح کیا گیا یہ سارے مراحل ساتھ ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ اہل مکّہ کے خلاف جدوجہد نے مدینہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طاقت کے استحکام میں اور بیرونی قبائل کی حمایت نے انجام کار آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کامیابی میں کلیدی کردار ادا کیا۔[1]

---

[1] ہیو این کینیڈی (متوفی)، دی پرافٹ اینڈ دی ایج آف کیلی فیٹس (The Prophet and the Age of the Caliphates)، طبع لندن

Presented by Ziaraat.Com

ایڈورڈ گبن

(Edward Gibbon,1737-1794)

ایڈورڈ گبن انگریز مؤرخ اور پارلیمنٹ کے ممبر تھے، اپنی سب سے مشہور کتاب ''دی ہسٹری آف دی ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر'' (The History of the Decline and Fall of the Roman Empire) میں جو کہ ۱۷۷۶ء سے ۱۷۸۸ء تک، چھ جلدوں میں شائع ہوئی، رقمطراز ہیں، ''حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے پرامن اور خیرخواہی کے مشن کی وجہ سے اپنے ہم وطنوں نے (مکّہ میں) ظلم کا نشانہ بنایا اور اپنے شہر سے نکال دیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے آزاد لوگوں یعنی اہل مدینہ نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہجرت کرنے والے سے ایک حکمران بنا دیا۔ اور اہل مدینہ کی طرف سے (میثاق مدینہ کی صورت میں) آپ کو دوسری قوتوں کے ساتھ اتحاد تشکیل دینے اور دفاعی و اقدامی جنگیں کرنے کا اختیار دے دیا گیا۔ اہل مکّہ کے ظلم اور پھر مدینہ کے انتخاب سے ایک عام شہری حکمران اور ایک مبلغ عسکری قائد میں بدل گیا۔[۱]

ماؤرس گاڈفرائے ڈی مامبائنز

Maurice Gaudeferoy Demombynes (1862-1957)

ماؤرس گاڈفرائے ڈی مامبائنز ایک فرانسیسی دانشور تھے۔ اُنہوں نے مذاہب کی تاریخ پر کام کیا۔ میثاقِ مدینہ سے متعلق وہ اپنی مشہور کتاب ''مسلم انسٹی ٹیوشنز'' (Muslim Institutions) میں لکھتے ہیں، ''اُن آخری سالوں کے دوران کئے جانے والے معاہدوں اور مومنین کی جماعت کی قیادت کے کٹھن کام کے دوران حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک منصف، قانون دہندہ، اور سربراہ کا

---

[۱] ایڈورڈ گبن (متوفی ۱۷۹۴ء)، دی ہسٹری آف دی ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر (The History of the Decline and Fall of the Roman Empire)

Presented by Ziaraat.Com

کردار حاصل کر چکے تھے اور ان حیثیتوں میں آپ کی کارکردگی دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مدینہ کی دہلیز پر قبا میں اپنے قدم رنجہ فرماتے ہی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) معجزانہ طور پر اُن اُمور کے لئے موزوں ہو چکے تھے..... الخ۔ مدینہ پہنچتے ہی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مقامی عرب قبائل کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس کے تحت آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُن کے اسلام کی طرف واضح طور پر نہ پلٹنے کے باوجود بھی اُنہیں اپنے سربراہی اختیار تسلیم کرنے کا پابند کر دیا۔" [1]

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

(۱ ہجری/ ۶۲۲ء)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہجرت کے پہلے سال میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ قبول اسلام سے پہلے تاریخ کی کتب میں اُن کے کئی نام نظر آتے ہیں، مابہ، روزبہ، ماہویہ، بہبود اور ناجیہ وغیرہ لیکن ان میں زیادہ معتبر نام "روزبہ" سمجھا جاتا ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کا نام سلمان رکھا تھا۔ اُن کی کنیت ابوعبداللہ، ابوالبنات اور ابوالمرشد ہے۔ یہ اصفہان کے رہنے والے تھے اور ایرانی النسل ہونے کی وجہ سے سلمانِ فارسی کے نام سے مشہور تھے۔ [2] اکمال الدین میں ابن بابویہ سے اور روضۃ الواعظین میں محمد افضال سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت علی علیہ السلام نے جناب سلمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرو، تو اُنہوں نے کہا، "میں شیراز کے ایک دہقان کا بیٹا ہوں۔ میرے ماں باپ مجھ سے بہت پیار کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذِکر ہے کہ عید کے دن میں ایک راہب کے دَیر میں پہنچا اور وہاں ایک شخص کو کہتے سنا، "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَ اَنَّ عِيْسٰى رُوْحُ اللهِ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا حَبِيْبُ اللهِ" حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نامِ گرامی سنتے ہی اُن کی محبت میرے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی۔ جب میں گھر واپس آیا تو میری نظر اتفاقاً چھت میں لٹکی ہوئی ایک تحریر پر پڑی۔ میں نے اپنی والدہ

---

[1] ماؤرس گاڈفرائے ڈی مامبائنز (متوفی ۱۹۵۷ء)، مسلم انسٹی ٹیوشنز (Muslim Institutions)، طبع لندن ۱۹۵۴ء

[2] مولانا مقبول احمد، سلمانِ محمدی، ص ۴۰ تا ۴۳

Presented by Ziaraat.Com

سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ کہنے لگیں کہ اِس کو مت چھونا ورنہ تیرا باپ تجھے مار ڈالے گا۔ میں اُس وقت تو چُپ ہو رہا مگر مجھ سے رہا نہ گیا اور رات ہوئی تو وہ تحریر لے کر پڑھنے لگا۔ اُس میں لکھا تھا، ''بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم، یہ عہد ہے اللہ کا آدم (علیہ السلام) کے لیے، میں اُس کے صُلب سے ایک نبی پیدا کرنے والا ہوں جس کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوگا، وہ مکارم اخلاق کی تعلیم دے گا اور لوگوں کو بت پرستی سے منع کرے گا۔ اے روزبہ! تُو عیسیٰ (علیہ السلام) سے مل اور ایمان لا اور مجوسیت کو چھوڑ دے۔'' میں اپنے نام یہ تحریر پڑھ کر حیران رہ گیا اور پھر اُس پر عمل پیرا ہونے پر غور کرنے لگا۔ میرے والدین کو معلوم ہوا کہ میں نے گھر چھوڑنے کا ارادہ کرلیا ہے تو اُنہوں نے مجھے سختی سے سمجھایا پھر ایک کنوئیں میں قید کر دیا اور کہا کہ اگر تُو اپنے ارادے سے باز نہ آیا تو ہم تجھے مار ڈالیں گے۔ جب مجھ پر یہ آفت آئی تو میں نے خدا سے دعا کی کہ بحقِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور وصیِ محمد (علیہ السلام) مجھے اِس مصیبت سے نکال۔ ناگاہ ایک سفید پوش شخص آیا جس نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے کنوئیں سے نکالا اور ایک راہب کے دیر میں لے گیا۔ میں نے راہب سے کہا، ''اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ عِيْسٰى رُوْحُ اللّٰهِ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا حَبِيْبُ اللّٰهِ'' اُس راہب نے مجھ سے کہا کہ اے روزبہ! تم میرے پاس رہو، چنانچہ میں دو سال تک اُس کے پاس رہا۔ جب اُس کا آخری وقت آیا تو اُس نے مجھے وصیت کی کہ انطاکیہ کے راہب کے پاس چلے جاؤ (انطاکیہ، روم کا ایک بہت بڑا اور مقدس شہر ہے۔ رومیوں نے تعظیماً اس کا نام ''اللہ کا شہر'' رکھا تھا، اس کو ''اُم المدن'' یعنی شہروں کی ماں بھی کہا جاتا ہے۔ یہ پہلا شہر ہے جہاں سے دینِ عیسوی ظاہر ہوا۔ بقولے اللہ کی طرف سے شمعون اور یوحنا یہیں بھیجے گئے تھے۔) پھر میں انطاکیہ کے راہب کے پاس گیا اور دو سال اُس کے پاس رہا۔ جب وہ مرنے لگا تو اُس نے وصیت کی کہ اسکندریہ کے راہب کے پاس جاؤ (اسکندریہ، مصر کا شہر ہے جو قاہرہ کے شمال مغرب میں دریا کے کنارے واقع ہے) اور وہ لوح جو ہر راہب دوسرے کے لیے دیا کرتا تھا مجھے دی اور کہا کہ اُس راہب کے سپرد کر دینا۔ میں اسکندریہ کے راہب کے پاس پہنچا اور دو سال اُس کی خدمت میں رہا۔ جب اُس کا آخری وقت آیا تو میں نے پوچھا کہ اب

Presented by Ziaraat.Com

میں کہاں جاؤں؟ اُس نے مجھے لوح دی اور کہا کہ اب ولادتِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا زمانہ قریب آ گیا ہے، جب تُو اُن سے ملے تو میرا اسلام کہنا اور یہ لوح اُن کو دے دینا۔ اُس کے دفن کے بعد میں وہاں سے چل پڑا، راستے میں ایک منزل پر کچھ لوگ ملے، اُنہوں نے بکری ذبح کر کے پکائی اور کھانے بیٹھے تو مجھے بھی دعوت دی۔ میں نے کہا کہ میں راہب ہوں اور گوشت نہیں کھاتا۔ پھر اُنہوں نے شراب پیش کی، میں نے اُس سے بھی انکار کر دیا۔ اس پر وہ غصے میں آ گئے اور مجھے خوب مارا اور میں نے اس خوف سے کہ کہیں وہ مجھے قتل نہ کر دیں، اُن میں سے ایک کی غلامی قبول کر لی۔ اُس نے مجھے ایک یہودی کے ہاتھ تین سو درہم میں بیچ دیا۔ یہودی نے مجھ سے میرا قصہ پوچھا تو میں نے کہا کہ سوائے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت کے میرا کوئی قصور نہیں۔ وہ کہنے لگا کہ پھر تو میں تیرا بھی دشمن ہوں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا بھی۔ صبح کو اُس نے ریت کا ایک ڈھیر مجھے دکھا کر کہا کہ شام تک یہ سارا ڈھیر یہاں سے ہٹاؤ ورنہ میں تجھے مار ڈالوں گا۔ میں نے دن بھر اُسے اُٹھایا مگر وہ ختم نہ ہوا۔ میں نے خدا سے دُعا کی تو ایک آندھی اُٹھی اور اُس ریت کو اُڑا کر لے گئی۔ صبح کو یہودی نے دیکھا تو کہنے لگا تُو ساحر ہے اور میں تجھ سے خائف ہوں۔ پس اُس نے مجھے ایک عورت کے ہاتھ بیچ دیا۔ اُس عورت کا ایک باغ تھا جس کی نگرانی میرے سپرد ہوئی۔ ایک دن سات آدمی وہاں آئے جن کے سروں پر ابر سایہ فگن تھا۔ اُن میں ایک حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، دوسرے اے علی (علیہ السلام)! آپ، تیسرے ابوذر غفاری (رضی اللہ عنہ)، چوتھے مقداد (رضی اللہ عنہ)، پانچویں عقیل (رضی اللہ عنہ)، چھٹے حمزہ (رضی اللہ عنہ) اور ساتویں زید (رضی اللہ عنہ) تھے۔ میں نے خرمے کا ایک تھال آپ سب کے سامنے رکھا اور کہا کہ یہ صدقہ ہے۔ اوروں نے کھا لیا لیکن حضرت رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اے علی مرتضیٰ (علیہ السلام)! آپ نے اُسے چھوا تک نہیں۔ میں دوسرا تھال لایا اور یہ کہہ کر پیش کیا کہ یہ ہدیہ ہے، قبول فرمائیے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اور آپ نے وہ خرمے بسم اللہ پڑھ کر کھا لیے۔ میں نے دِل ہی دِل میں کہا کہ نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تین علامتوں میں سے دو تو میں نے پالیں یعنی ابر کی سایہ فگنی اور صدقہ کا حرام ہونا، پس میں تیسری علامت کی جستجو میں

Presented by Ziaraat.Com

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، ''اے روزبہ! کیا مُہرِ نبوّت کی تلاش ہے؟'' یہ فرما کر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے شانے کھول دیے اور میں نے مُہرِ نبوّت کی زیارت کر لی۔ چنانچہ میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قدموں میں گر پڑا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ تم اپنی مالکہ سے کہو کہ محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پوچھتے ہیں کہ کیا تم اپنے اِس غلام کو بیچنا چاہتی ہو؟ میں نے عورت سے پوچھا تو اُس نے جواب دیا کہ ہاں! بیچتی ہوں، مگر قیمت چار سو درخت خرما ہے۔ میں نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو آکر بتایا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ منظور ہے۔ چنانچہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اے علی (علیہ السلام)! آپ کو خرما کی چار سو گٹھلیاں جمع کر کے اُن کو بونے اور پانی دینے کا حکم دیا۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ فوراً زمین سے درخت پھوٹ پڑے اور بڑھ کر لہلانے لگے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھ سے فرمایا کہ اُس عورت سے جا کر کہو کہ تیری خواہش پوری ہوئی اب ہماری چیز ہمارے حوالے کردو۔ پس اُس روز سے میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں آ گیا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے آزاد کر دیا اور میرا نام سلمان رکھا۔ [۱]

ابن بابویہ نے بسندِ معتبر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے تھے مجھے چھ چیزوں کے بارے میں تعجب ہوتا ہے جن میں سے تین مجھے ہنساتی ہیں اور تین رُلاتی ہیں۔ جن تین چیزوں سے مجھ پر گریہ طاری ہوتا ہے اُن میں سے اوّل دوستوں کی مفارقت ہے جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم ہیں، دوم ہولِ مرگ اور بعد از مرگ حالات، سوم خدا کے سامنے حساب کے لئے کھڑا ہونا اور جن تین چیزوں پر مجھے ہنسی آتی ہے یہ ہیں، اوّل وہ شخص جو دُنیا کی طلب میں رہتا ہے جبکہ موت اُس کی طلب میں رہتی ہے، دوم وہ شخص جو آخرت کے احوال سے غافل ہے حالانکہ خداوند عالم اور اُس کے فرشتے اُس سے غافل نہیں ہیں اور اُس کے اعمال کا اِحصا (شمار) کرتے رہتے ہیں، سوم وہ شخص جو اپنا منہ ہنسنے کے لئے کھولتا ہے مگر نہیں جانتا کہ خدا اُس

---

[۱] مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، ج ۱ ص ۲ تا ۴۔

مولانا مقبول احمد، سلمانِ محمدی، ص ۴۰ تا ۴۳۔ حیاتُ القلوب ج ۲ باب ۵۹ ص ۹۳۳ تا ۹۳۶

Presented by Ziaraat.Com

پر راضی ہے یا غضبناک۔[۱]

شیخ طوسیؒ نے بسندِ معتبر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ سلمان رضی اللہ عنہ کے دوستوں میں سے ایک شخص بیمار ہوگیا۔ جب چند روز تک اُس سے ملاقات نہ ہوئی تو اُس کا حال دریافت کیا کہ وہ کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا کہ وہ بیمار ہے تو کہا آؤ اُس کی عیادت کو چلیں۔ غرض لوگ اُن کے ساتھ ہولیے اور وہ اُس کے گھر پہنچے تو اُسے جان کنی کی حالت میں دیکھا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے ملک الموتؑ سے خطاب کیا کہ خدا کے دوست کے ساتھ نرمی اور مہربانی سے پیش آیئے گا۔ ملک الموت نے جواب دیا جسے تمام حاضرین نے سُنا کہ اے ابوعبداللہ میں تمام مومنین کے ساتھ نرمی کرتا ہوں اور اگر کسی کے سامنے اس طرح آؤں گا کہ وہ مجھے دیکھے تو بیشک وہ تم ہوگے۔[۲]

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا قبولِ اسلام

(۱ ہجری/ ۶۲۲ء)

حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے بھی سنہ ایک ہجری میں اسلام قبول کیا۔ اسلام لانے سے پہلے وہ ایک یہودی عالِم تھے۔ جب مقدر نے یاوری کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند سوالات کیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوابات سُن کر بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! یہودی جھوٹے اور بہتان طراز ہیں اگر میرے مسلمان ہونے کی خبر سنیں گے تو مجھ پر بہتان لگائیں گے لہٰذا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے چُھپالیں اور اُنہیں بلا کر میرے بارے میں اُن کی رائے دریافت فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنکی خواہش پر اُنہیں پوشیدہ کرلیا اور یہودیوں کو طلب فرما کر پوچھا کہ عبداللہ بن سلام تم میں کیسا شخص ہے؟ وہ بولے کہ وہ ہم میں سب سے بہتر اور بلند مرتبہ ہے، سب سے بہتر اور بلند مرتبہ کا بیٹا ہے، وہ ہمارا عالِم ہے اور ہمارے عالِم کا بیٹا ہے۔ رسول

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۹۳۶

[۲] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۹۳۷

Presented by Ziaraat.Com

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ مسلمان ہوجائے تو کیا تم لوگ بھی مسلمان ہوجاؤ گے؟ وہ کہنے لگے کہ خدا اُس کو اس فعل سے اپنی پناہ میں رکھے۔ یہ سُن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ کو آواز دی اور فرمایا کہ اے عبداللہ! باہر آجاؤ۔ حضرت عبداللہ اُن کے سامنے آگئے اور کہا، ''اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہِ'' یہودی کہنے لگے کہ یہ ہم میں سب سے بدتر اور جاہل ہے اور سب سے بدتر اور جاہل شخص کا بیٹا ہے۔[۱]

زکوٰۃ کا حکم

(۱ ہجری/ ۶۲۲ء)

ابنِ خلدون کے مطابق اسی سال یعنی سنہ ایک ہجری میں زکوٰۃ فرض کی گئی۔[۲]

دفاعی منصوبہ بندی

(رمضان المبارک ۱ ہجری/ مارچ ۶۲۳ء)

مشرکینِ مکّہ کی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عداوت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن ہی کی وجہ سے تھی چنانچہ جُوں جُوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشن آگے بڑھنے لگا توں توں اُن کی دشمنی بھی پروان چڑھنے لگی اور جب اُن کی مخالفت بے حد خطرناک ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحکمِ الٰہی مکّہ چھوڑ دیا اور ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے۔ مشرکوں کو گمان تھا کہ مدینہ میں تحریک اسلام مقامی خانہ جنگیوں کا شکار ہوکر

---

[۱] مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، ج ۱ ص ۲ تا ۴۔
مولانا مقبول احمد، سلمانِ محمدی، ص ۴۰ تا ۴۳

[۲] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۶۴

Presented by Ziaraat.Com

ناکام ہوجائے گی کیونکہ مدینہ کے دو اہم قبیلے اوس اور خزرج ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، ایسے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کے مہمان بنیں گے اُس کا مخالف قبیلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی دشمن ہوجائے گا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دونوں قبیلوں کے درمیان دیرینہ دشمنی کا خاتمہ کرا دیا اور دونوں ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر رہنے لگے تو قریش مایوس ہوکر دوسرے ذرائع تلاش کرنے لگے۔ عبداللہ بن اُبی بن سلول منافقین کی ایک جماعت کا سرغنہ تھا۔ اس جماعت کے لوگ کسی مصلحت کی بنا پر بظاہر اسلام لے آئے تھے مگر درپردہ اپنے قدیم عقائد پر قائم تھے۔ قریش کو اُس کے بارے میں معلوم ہوا تو اُس کی وساطت سے اہلِ مدینہ کو ایک خط لکھا جس کا مضمون کچھ یوں تھا: ''اے مدینہ والو! تم نے ہمارے خاندان کے ایک شخص محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے ہاں ٹھہرایا ہے۔ ہم تمہیں مطلع کرتے ہیں کہ تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ اُن کو مدینہ سے نکال دو یا اُن سے جنگ کرو اور اُنہیں گرفتار کرکے ہمارے حوالے کردو۔ ہم نے متفقہ طور پر حلفاً عہد کیا ہے کہ اگر تم نے ہماری مرضی کے مطابق عمل نہ کیا تو ہم تم پر حملہ کرکے تمہارے جوانوں کو قتل کردیں گے اور تمہاری عورتوں کو اپنے قبضے میں لے لیں گے۔'' یہ خط ملنے پر عبداللہ بن اُبی نے اپنے ساتھیوں کو جمع کرکے ایک اجلاس منعقد کیا جس میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قاتلانہ حملے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دِلوں کے بھید جاننے والے خداوندِ ذوالجلال نے اُس کے منصوبے سے مطلع فرما دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عین موقع پر وہاں پہنچ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں مخاطب کرکے فرمایا، ''تم قریش کے دھوکے میں آگئے ہو، اگر تم نے اِس سرزمین پر خون ریزی کرنے کا ارادہ کیا تو تمہیں سخت نقصان ہوگا اور تمہیں اپنے اُن بھائیوں کا خون بہانا ہوگا جو ہمارا ساتھ دیں گے۔ پس جیسا کہ تمہاری قوم نے میرا ساتھ دینے کا عہد کیا ہے، تمہارا فرض بھی یہی ہے کہ اگر کوئی اس شہر پر حملہ آور ہو تو تم سب ہمارے ساتھ مل کر دفاع کرو۔''[۱]

---

[۱] مسٹر کے اے حمید، مسلمانانِ عالم حصہ اوّل ص ۷۲

Presented by Ziaraat.Com

عبداللہ بن اُبیَ کی سازش بے نقاب ہوجانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطاب سے وہ منصوبہ خاک میں مل گیا۔

مدینہ کی فضا اگرچہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے سازگار تھی لیکن محفوظ نہیں تھی اور نہ صرف مشرکینِ مکّہ کی طرف سے ہنوز خطرہ باقی تھا بلکہ یہود اور اردگرد کی غیر مسلم قوتوں کی طرف سے بھی جنگ وجدال کا امکان تھا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف پیغمبرِ خدا اور تبلیغ ونصیحت کرنے والے اللہ کے بندے ہی نہیں تھے بلکہ کامل سیاست، عسکری بصیرت اور علم وحکمت کا ایسا مکمل پیکر تھے جن کی سیاست وبصیرت اور دانائی وحکمت کے سامنے آج کے زیرک سیاست دان، بڑے بڑے حکمران اور ذہین ترین انسان بھی انگشت بدندان ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخوبی سمجھتے تھے کہ عرب کی ظلمتوں میں روشن ہونے والا یہ چراغِ ہدایت کسی وقت بھی منہ زور آندھیوں کی زد میں آسکتا ہے پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں قیام پذیر ہوتے ہی دفاعی منصوبہ بندی کا آغاز فرما دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاعی منصوبہ تین حصّوں پر مشتمل تھا۔

پہلا حصّہ مسلمانوں کی عسکری تربیت پر مشتمل تھا جس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی کو فوجی صدر مقام بنا کر مومنین کی عسکری تربیت کا آغاز فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کے نقطہء نظر سے جہاد کی اہمیت وفضیلت کو واضح کرکے مسلمانوں میں جذبۂ جہاد پیدا کرتے۔ یہ جذبہ اتنا طاقتور تھا کہ مومنین دُنیا کی چندروزہ زندگی پر راہِ خدا میں شہید ہوجانے کو ترجیح دیتے تھے۔

دوسرا حصّہ اپنے دفاعی حصار کو مضبوط کرنے سے متعلق تھا۔ اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کی نقل وحرکت کی نگرانی شروع کروادی۔ اس کا مقصد قریش پر یہ ثابت کرنا تھا کہ مسلمان دفاعی صلاحیتوں سے مالامال ہیں اور اپنی سرحدوں کی حفاظت سے غافل نہیں ہیں اور یہ بھی مقصود تھا کہ اردگرد کے علاقوں کے سیاسی، عسکری اور جغرافیائی حالات سے آگاہی ہوسکے۔

اور تیسرا حصّہ قریش کے علاوہ اردگرد کی ریاستی طاقتوں اور منافقین کی ممکنہ سازشوں کی حوصلہ شکنی

Presented by Ziaraat.Com

کرنا تھا تا کہ وہ کسی بھی موقع پر مومنین کے خلاف اغیار کی حمایت میں کھڑے نہ ہوسکیں۔

ہمارے عقیدے کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہستی سب سے زیادہ محترم اور بزرگ و برتر تو ہے ہی مگر علمی، سیاسی اور عسکری نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت میں کمال کی حکمت وبصیرت اور سیاست ودوراندیشی نظر آتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری توانائی اور حکمت عملی سے میدانِ کارزار میں سرگرم عمل دکھائی دیتے ہیں۔

جہاد

(رمضان المبارک ۱ہجری/ مارچ ۶۲۳ء)

تاریخ کے طالب علم جانتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لے جانے اور اسلام کے تیزی سے پھیلنے کی خبر قریش پر بجلی بن کر گری۔ اُن کا جذبہء انتقام بھڑک اُٹھا اور اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کو کچلنے کے لیے وہ مزید سرگرم ہو گئے۔ چنانچہ دُنیا کے نقشے پر اُبھرتی ہوئی ایک نئی اسلامی مملکت اور نئے دین کو سخت خطرات درپیش تھے جن سے نپٹنے کے لئے ضروری تھا کہ اردگرد کی ریاستوں اور قبیلوں پر عموماً اور قریش پر خصوصاً نظر رکھی جائے، اور کسی دراندازی کی صورت میں دشمن پر ایسی کاری ضرب لگائی جائے کہ آئندہ اُنہیں مسلمانوں کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہ ہوسکے۔ شروع میں چونکہ خداوند متعال کی طرف سے اذن جنگ نہیں تھا اس لیے مسلمانوں کی مہمات محض دشمن کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے اور دفاعی منصوبہ بندی تک ہی محدود رہیں اور ہر طرح کی خونریزی سے اجتناب کیا گیا، پھر حکم الٰہی ہوا:[۱]

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ

---

[۱] سورۃ الحج آیت ۳۹ تا ۴۰

Presented by Ziaraat.Com

بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۴۰﴾

(اِن مظلوموں کو (دفاعی جہاد کی) اجازت دی جاتی ہے جن سے جنگ کی جارہی ہے اس بناء پر کہ اِن پر ظلم کیا گیا ہے۔ اور بیشک اللہ اِن کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ یہ وہ (مظلوم) ہیں جو ناحق اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے صرف اتنی بات پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اگر خدا بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ سے دفع نہ کرتا رہتا تو نصرانیوں کی خانقاہیں اور گرجے اور (یہود کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں جن میں بکثرت ذِکرِ خدا ہوتا ہے سب گرادی جاتیں، جوکوئی اللہ (کے دین) کی مدد کرے گا اللہ ضرور اُس کی مدد کرے گا۔ بیشک وہ طاقت والا (اور) غالب آنے والا ہے)

اس آیت کریمہ کی ابتدا لفظ ''اُذِنَ'' سے ہورہی ہے جس کا مطلب ''اجازت'' ہے، اوراس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت مبارکہ سے پہلے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت نہیں تھی۔

پس مندرجہ بالا آیتِ کریمہ کے نزول کے بعد باقاعدہ جہاد کا آغاز کیا گیا جو کہ غزوات اور سریات پر مشتمل تھا۔

غزوہ اور سریہ وغیرہ کی تعریف

ایسی مہمات کو جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود شرکت فرمائی، غزوہ کہا جاتا ہے اور جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہؓ میں سے کسی کو فوج کا سالار بنا کر بھیجا، سریہ کہا جاتا ہے۔ سریہ کو بعث بھی کہا جاتا ہے۔ بعث کے لفظی معانی پیغام بر بھیجنا اور سریہ کا مطلب رات میں سیر کرنا ہے۔ اہلِ سیر کی اصطلاح میں لشکر کا وہ ٹکڑا جسے دشمن پر حملہ کے لئے بھیجا جاتا ہے سریہ کہلاتا ہے، اس کی تعداد پانچ سوتک ہوتی ہے یہ لشکر سے جُدا ہوکر جاتا ہے اور پھر واپس اُسی لشکر میں لوٹ آتا ہے۔ پانچ سو سے زیادہ تعداد پر مشتمل لشکر کے ایسے ٹکڑے کو ''منسر'' کہتے ہیں، اگر اس کی تعداد آٹھ سو سے

Presented by Ziaraat.Com

زیادہ ہو تو ''جیش''، چار ہزار سے زیادہ ہو تو ''جحفل'' اور لشکرِ عظیم کو ''خمیس'' کہا جاتا ہے۔ خمیس مجتمع ہوتا ہے، اس میں پانچ ٹکڑے ہوتے ہیں، مقدمہ، قلب، میمنہ، میسرہ، ساقہ اور کتیبہ۔ [1]

واضح رہے کہ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رقم کیے گئے تمام سریات وغزوات میں، اور خصوصاً اُن مہمات میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ممانعتِ جنگ کے عرصہ میں رونما ہوئیں، دشمن پر حملہ کرنا یا اُسے لوٹنا مقصود نہیں تھا اور نہ ہی ایسا کیا گیا، یہ تمام مہمات دفاعی تھیں یعنی ان کا مقصد دین اسلام اور مسلمانوں کا دفاع کرنا تھا نہ کہ مخالفین کو بے جا نقصان پہنچانا یا اُن کا خون بہانا۔ یہ نظریہ اغیار کا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا، ہمارا ایمان یہ ہے کہ اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ کی بدولت پھیلا اور حقیقت بھی یہی ہے۔

مزید برآں اکثر مہمات جنہیں تاریخ میں سریات یا غزوات کا نام دیا گیا ہے، آج کل کی اصطلاح میں اُنہیں جنگ یا لڑائی کا نام نہیں دیا جا سکتا، ہاں البتہ اُنہیں تادیبی کاروایاں کہا جا سکتا ہے جو کہ کسی معاہدے کی خلاف ورزی کی صورت میں یا مجرموں کی سرکوبی کے لئے کی جاتی ہیں۔ زمانۂ قدیم میں چونکہ ایسی اصطلاحات موجود نہیں تھیں اور مہمات کی تفریق کے لئے ذخیرۂ الفاظ ناپید تھا چنانچہ مؤرخین نے جس طرح بدر واُحد اور خندق کو غزوات کے لفظ سے تعبیر کیا اسی طرح اُن مہمات کے لئے بھی ایسے ہی لفظ چُن لئے۔ اب کیونکہ غزوہ اور سریہ وغیرہ کے ناموں سے یہ اصطلاحات رائج ہو چکی ہیں لہٰذا ہم بھی اس کتاب میں یہی الفاظ استعمال کریں گے لیکن اس فرق کو جس پر یہاں بقدرِ ضرورت روشنی ڈالی گئی ہے، ان تمام مہمات میں پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے کہ سب غزوات وسریات کی نوعیت وہ نہیں ہے جو غزوۂ بدر واُحد وغیرہ کی ہے۔ غزوۂ اُحد وبدر میں مخالف قوم سے مقابلہ تھا اور یہ ثابت ہے کہ وہ مقابلے بھی مدافعانہ طور پر ہوئے تھے نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے کسی جارحانہ پیش قدمی کی بنا پر۔

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۲

Presented by Ziaraat.Com

غزوات کی مجموعی تعداد چھبیس ہے جن کے نام یہ ہیں: ابواء، بواط العشیر ہ، بدر اولیٰ، بدر کبریٰ، اُحد، نجران، بنوسلیم، بنونظیر، ذات المرقاع، بدرالاخوہ، دومتہ الجندل، خندق، بنوقریظہ، بنولحیان، بنو قرد، بنو مصطلق، الحدیبیہ، خیبر، الفتح، حنین، طائف، تبوک، بنوقینقاع، سویق اور بنو اسد۔ اِن میں سے اکثر میں جنگ نہیں ہوئی۔ صرف دس غزوات میں جنگیں ہوئیں جن کے نام یہ ہیں: بدر، اُحد، خندق، بنی قریظہ، بنی لحیان، خیبر، فتح (مکّہ)، حنین، بنوالمصطلق اور طائف۔ [1]

کتاب ''مدارج النبوت'' کے مطابق غزوات کی تعداد ستائیس ہے جیسا کہ ''مواہب'' میں بھی ہے۔ ''روضۃ الاحباب'' کے قول کے بموجب اکیس اور ایک اور قول کے مطابق چوبیس بھی منقول ہے، نو غزوات میں قتال واقع ہوا، اُن میں غزوۂ بنی لحیان کا نام شامل نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ اُنیس غزوات تھے اور سینتالیس سریات۔ بعض چھپن بھی کہتے ہیں۔ [2]

علامہ نجم الحسن صاحب نے سریوں کی تعداد چھتیس لکھی ہے جن میں سب سے مشہور ''موتہ'' ہے جس میں حضرت جعفر طیار شہید ہوئے۔ [3]

ابن اسحاق سے مروی ہے کہ سب سے پہلا غزوہ ''ابواء'' تھا پھر ''بواط'' اور پھر ''عشیرہ۔'' [4]

''ابواء'' جحفہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔ ابواء کی اصل ''اوبا'' سے تھی جو ''وبا'' سے ہے۔ اس کو بدل کر ابواء کہا جانے لگا۔ ابواء کو ''ودّان'' بھی کہتے ہیں، بعض کتابوں میں یہ نام بھی

---

[1] مولانا سید ظفر حسن، مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، ج ۱ ص ۹۰

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۲ بحوالہ احمد بن محمد قسطلانی (متوفی ۹۲۳ ہجری)، المواھبُ اللدنیۃ۔ جمال الدین محدث، روضۃ الاحباب

[3] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۶۵

[4] صحیح بخاری، باب غزوہ عشیرۃ، حدیث ۳۹۴۷

Presented by Ziaraat.Com

آیا ہے۔ صاحبِ مواہب کا کہنا ہے کہ ابواء اور ودّان دو مختلف جگہوں کے نام ہیں جو ایک دوسرے کے قریب واقع ہیں اور اُن میں تین میل کا فاصلہ ہے۔ ''بواط'' جہینہ کے پہاڑوں میں سے ایک کا نام ہے جو منع کے قریب ہے اور ''عشیرہ'' کو ''عسیرہ'' بھی کہتے ہیں جیسا کہ ''بخاری'' میں آیا ہے۔ غزوہ عسرۃ بمعنی دشواری غزوۂ تبوک کا نام ہے جو آخری غزوہ ہے، اس میں لوگوں کو بہت دشواریاں پیش آئیں اور بہت تکالیف اٹھائی گئیں۔ [1]

سریۂ حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ یا سریۂ سیف البحر یا سریۂ عیص

(رمضان ۱ ہجری/ مارچ ۶۲۳ء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سریہ کی کمان حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو سونپی اس لیے اس کو سریۂ حمزہ رضی اللہ عنہ یا سریۂ سیف البحر کہا جاتا ہے اور اس کے مقام ''عیص'' کی وجہ سے اسے ''سریۂ عیص'' بھی کہتے ہیں۔ یہ پہلا سریہ تھا جو رمضان ۱ ہجری (مارچ ۶۲۳ء) میں واقع ہوا۔

مروی ہے کہ مدینہ منورہ میں خبر پہنچی کہ قریش کی ایک جماعت مکّہ مکرمہ میں لُوٹ مار کر رہی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں اسّی مہاجرین کا ایک دستہ مرتب فرما کر اُس جماعت کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ دستہ انصار کے لوگوں پر مشتمل تھا لیکن محققین کے نزدیک انصار کو غزوۂ بدر سے پہلے کسی مہم پر روانہ نہیں کیا گیا چنانچہ یہ مہاجرین ہی کا دستہ تھا۔ روانگی سے پہلے ایک سفید جھنڈا تیار کیا گیا اور ابو مرشد غنوی کو لشکر کا علمدار بنایا گیا۔ بعض مؤرخین کے مطابق فوجِ اسلام میں تیار کیا جانے والا یہ سب سے پہلا علم تھا۔ [2]

اس سریہ سے متعلق یہ بھی روایت کیا گیا ہے (ہمیں اس روایت سے اتفاق نہیں۔ مؤلف) کہ ابو جہل تین سو اونٹوں پر مشتمل قریش کا ایک تجارتی کارواں لیے ''عیص'' کی طرف سے گذرنے

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۲

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۴

Presented by Ziaraat.Com

والا تھا جسے روکنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیس مجاہدین کا ایک دستہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی کمان میں روانہ کیا۔ اگرچہ مجاہدین کو جارحانہ کاروائی کا حکم نہیں تھا اور اُن کا مقصد محض قافلے کو روک کر اپنی جرأت وطاقت کا اظہار کرنا تھا مگر ابوجہل اُن کے تیور دیکھ کر گھبرا گیا اور اپنے تجارتی قافلے کے لٹ جانے کے خوف سے اُس علاقے کے سردار مجدی بن عمرو جہنی کو بیچ میں ڈالا۔ مجدی بن عمرو نے بیچ بچاؤ کروایا۔[1] ابوجہل اور اس کا قافلہ مکّہ کی طرف کوچ کر گیا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ یعنی اُس موقع پر جنگ نہیں ہوئی۔

قریش کے تجارتی قافلوں پر حملوں کی تردید

ماضی اور حال کے بعض مؤرخین اور مؤلفین نے سریہ حمزہ کی طرح دیگر سریات میں بھی مسلمانوں کی طرف سے قریش کے تجارتی قافلوں کو روکنے، اُن پر حملہ آور ہونے اور لوٹ مار کرنے کا ذِکر کیا ہے جو ہمارے نقطۂ نظر سے بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ اس کی توجیہہ مندرجہ ذیل حوالوں سے کی جاسکتی ہے:

۱) تجارتی قافلوں پر حملہ آور ہونا یا اُن کو لوٹنا راہزنی اور ڈکیتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں جنہیں اُس نے تمام عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے (وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ)[2] اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ طیبہ میں پیروی کے لئے اللہ نے بہترین نمونہ قرار دیا ہے (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ)[3] پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے کسی فعل کی اجازت کسی صورت میں نہیں دے سکتے تھے جو نوعِ انسانی کے ساتھ ظلم و زیادتی میں شمار ہوتا ہو۔

۲) مدینہ میں آکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد اہلِ مکّہ سے چھیڑ چھاڑ کرنا، اُن کو لوٹنا یا اُن سے جنگ کرنا

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۴۴۲

[2] سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۷

[3] سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۷

Presented by Ziaraat.Com

ہرگز نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اپنے مشنِ رسالت کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اللہ کے اذن سے مدینہ آئے تھے۔ اس کا اعتراف بعض غیر مسلم دانشور بھی کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن کی کامیابی کی وجہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہترین کردار تھا یعنی اسلام تلوار سے نہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کردار کی وجہ سے پھیلا۔ (اس کی تفصیل باب ''میثاقِ مدینہ غیر مسلم دانشوروں کی نظر میں''، میں گزر چکی ہے)

۳) تاریخ شاہد ہے کہ انصار غزوۂ بدر سے پہلے کسی سریہ میں نہیں گئے۔ مہاجرین تعداد میں قلیل اور بے سروسامان تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کی آبادکاری کے لئے متفکر اور کوشاں تھے۔ ایسے میں وہ لوگ جو طاقتور دشمن کے ظلم وستم سے تنگ آکر ہجرت پر مجبور ہو گئے ہوں بھلا اُن کے قافلوں پر کیسے حملہ آور ہو سکتے تھے؟

۴) اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ مسلمان دستے قریش کے تجارتی قافلوں پر حملہ آور ہوتے تھے تو اُن کے پاس لوٹ مار کا کثیر مال موجود ہونا چاہیے تھا، بہترین لباس، اسلحہ اور شاندار سواریاں وغیرہ۔ جبکہ اسلام کی سب سے پہلی اور بڑی جنگ، غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی حالتِ زار ایسی تھی کہ محدود وسائل کی وجہ سے اُن کے پاس اسلحہ، رسد اور سواری کا خاطر خواہ انتظام بھی نہیں تھا۔ اُن کے لشکر میں صرف دو یا تین گھوڑے اور ستر اُونٹ تھے جن پر مسلمان باری باری سواری کرتے تھے اور اسلحے میں صرف چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرما رہے تھے، ''اے ربِّ عالم! مسلمان پیادہ ہیں، اپنے فضل سے انہیں سوار کر، یہ بھوکے ہیں ان کو شکم سیری عطا فرما، یہ عریاں ہیں انہیں لباس دے، یہ فقیر ہیں انہیں تونگر کر۔''[1]

۵) گزشتہ صفحات پر ''دفاعی منصوبہ بندی'' اور ''جہاد'' کے ابواب میں آیتِ قرآنی کے حوالوں سے بیان کیا جا چکا ہے کہ مسلمانوں کو شروع شروع میں جنگ کی اجازت نہیں تھی۔ جب اللہ عزوجل جنگ سے منع فرما رہا تھا تو اُس کے کلمہ گو اُس کی حکم عدولی کی جسارت کیسے کر سکتے تھے؟ کیا تجارتی

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۹

Presented by Ziaraat.Com

قافلوں کو روکنا یا اُن پر حملہ آور ہونا جنگ کے لئے اُکسانے یا جنگ کے لئے پہل کرنے کے ضمن میں نہیں آتا؟

۶) قریشِ مکّہ کے لوگ دستوں کی صورت میں آ کر مدینہ کے گردونواح میں لُوٹ مار کیا کرتے تھے، ایسے دستوں کے ساتھ مسلمان مہاجرین کا ٹکراؤ البتہ ہوتا رہا ہے جن کا ذِکر اکثر مہمات میں ملتا ہے۔

پس ان مختصر دلائل کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ قریش کے تجارتی قافلوں کو روکنے یا اُن پر حملہ آور ہونے کی روایات درست نہیں ہیں ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لئے یا اُن قافلوں کے ساتھ سفر کرنے والے شر پسند عناصر کی ممکنہ سازشوں سے آگاہ رہنے کے لئے مختلف مواقع پر مسلمانوں کو روانہ کیا ہو۔ کیونکہ اُن کی طرف سے کسی بھی قسم کی تخریبی کاروائی اور حملے کا امکان تو بہر حال تھا۔

سریۂ رابغ یا سریۂ عبیدہ بن حارثؓ

(شوال ۱ ہجری/ اپریل ۶۲۳ء)

شوال ۱ ہجری/ اپریل ۶۲۳ء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبیدہ بن حارثؓ کو اسّی مہاجرین کے ایک دستے کے ساتھ ''رابغ'' روانہ کیا۔ اس لیے اس کو ''سریۂ رابغ'' اور حضرت عبیدہ بن حارثؓ کی وجہ سے ''سریۂ عبیدہ بن حارث'' کہا جاتا ہے۔ مؤرخین نے اسے دوسرا سریہ لکھا ہے۔

دوسو افراد پر مشتمل قریش کا ایک قافلہ ابو جہل اور ابو سفیان کی قیادت میں ''ثنیّۃ المرۃ'' سے گزر رہا تھا کہ اُس کا سامنا حضرت عبیدہؓ کے دستے سے ہوگیا۔ مسلمان مجاہدین نے قافلہ پر حملہ نہیں کیا اور لوٹ آئے۔ [1]

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۲۴۴

Presented by Ziaraat.Com

حضرت عائشہؓ کی رخصتی

(شوال ۱ ہجری، اپریل ۶۲۳ء)

حضرت عائشہؓ کی رخصتی شوال ۱ ہجری، اپریل ۶۲۳ء کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ [1] حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس انصار کے مرد و زن کی ایک جماعت حلقہ بنائے بیٹھی تھی کہ میری والدہ مجھے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ ہیں۔ [2] واضح رہے کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح شوال ۳ قبل ہجرت/ مارچ ۶۱۹ء میں ہو چکا تھا۔

سریۂ خرّار یا سریۂ سعد بن ابی وقاص

(ذیقعدہ ۱ ہجری/ مئی ۶۲۳ء)

ذیقعدہ ۱ ہجری/ مئی ۶۲۳ء میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد بن ابی وقاص کو بیس سواروں کا ایک دستہ دے کر مدینہ کے جنوب مغرب میں وادی خرّار کی طرف روانہ کیا۔ خرّار پتھروں کی ایک وادی ہے جو جحفہ کے قریب واقع ہے۔ اس سریہ میں بھی مسلمانوں کا دستہ بغیر لڑے واپس آ گیا۔ [3]

یہ مسلمانوں کی تیسری مہم تھی۔ اس لشکر کے لئے بھی سفید علم تیار کیا گیا تھا جو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے اُٹھا رکھا تھا۔

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۴۴۳

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۰۲

[3] محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۹۰۶
ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۶۵۰

Presented by Ziaraat.Com

سنہ ۲ ہجری

غزوۂ ودّان اور غزوۂ ابوا

(ماہِ صفر ۲ ہجری/ اگست ۶۲۳ء)

یہ پہلی مہم تھی جس کی قیادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمائی۔ [۱] ہجرت کے پہلے سال کے آخر میں یا دوسرے کے آغاز میں ماہِ صفر یعنی اگست ۶۲۳ء میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی ذمہ داری حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو سونپی اور ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ قریش کے ایک قبیلہ بنی ضمیرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے ''ودّان'' پہنچے پھر ''ابوا'' تشریف لے گئے۔ یہ دونوں مقام ضلع ''فرع'' میں ایک دوسرے سے تقریباً آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہیں اس لئے اس غزوہ کو تاریخ میں دونوں ناموں یعنی ''غزوۂ ودّان'' اور ''غزوۂ ابوا'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ''ابوا'' تجارتی شاہراہ پر واقع ایک اہم مقام تھا جہاں کارواں ٹھہرا کرتے تھے اس لیے یہ غزوہ ابوا کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ ابوا کی ایک وجہ شہرت یہ بھی ہے کہ اس مقام پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ سیّدہ آمنہ علیہا السلام نے وفات پائی اور مدفون ہوئیں۔ اس غزوہ میں حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ علمبردار تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوا پہنچے تو قبیلہ بنی ضمیرہ کا سردار مخشی بن عمرو ضمیری ایک معاہدہ کرنے پر آمادہ ہو گیا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی راضی ہو گئے، کوئی جنگ نہیں ہوئی اور صلح نامہ لکھا گیا۔ [۲] اُس صلح نامہ کا مضمون کچھ یوں تھا:

۱۔ اللہ رحمٰن الرحیم کے نام سے۔

---

[۱] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب العُشیرہ

[۲] محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد ۲:۲
محمد حمید اللہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی زندگی ص ۳۵۸

Presented by Ziaraat.Com

۲۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے بنی ضمرہ کے لیے یہ ایک تحریر ہے۔

۳۔بنی ضمرہ کو جان و مال کی امان ہے۔

۴۔اور جو کوئی اِن پر ظلم سے اچانک حملہ کرے گا تو اُسکے مقابلے میں اِن کی مدد کی جائے گی۔

۵۔اِن پر ضروری ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد اُس وقت تک کریں جب تک سمندر صدف کو گیلا کرتا رہے گا سوائے اس کے کہ اللہ کے دین کے بارے میں لڑیں (یا ان سے جنگ کی جائے)۔

۶۔اس بارے میں اِن پر اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذمہ ہے۔

۷۔اِنہیں مدد اِس شرط پر دے جائے گی کہ یہ وعدہ وفا کرتے رہیں اور عہد شکنی و بے وفائی وغیرہ سے بچتے رہیں۔

غزوۂ ابواء کے واقعہ سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش قدمی کا مقصد دشمن کا کشت وخون کرنا ہرگز نہیں ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کی ترویج و اشاعت کے لئے قدم اُٹھاتے تھے اور اگر کوئی دشمن قبیلہ قبول اسلام کی بجائے کسی معاہدے پر آمادہ ہو جاتا تھا تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا دامنِ رحمت وا کرتے ہوئے امن کو ترجیح دیتے تھے۔ زیادہ تر غزوات و سریات میں اِسی وجہ سے کوئی کشت وخون نہیں ہوا۔

غزوۂ بواط

(ربیع الاوّل یا ربیع الثانی ۲ ہجری/ اکتوبر ۶۲۳ء)

روایت ہے کہ ہجرت کے تیرہویں مہینے، ربیع الاوّل یا ربیع الثانی ۲ ہجری/ اکتوبر ۶۲۳ء میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سو یا دو سو اصحاب کے ساتھ ''بواط'' کی طرف دشمنِ اسلام اُمیّہ بن خلف کی سرکوبی کے لئے عازم سفر ہوئے۔ اُمیّہ بن خلف کے ساتھ اُس وقت قریش کے سو آدمی تھے۔ [۱] اُسے رسول

---

[۱] جمال الدین محدث، روضۃ الاحباب

Presented by Ziaraat.Com

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو فرار ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بواط تک اُس کا تعاقب کیا۔ اسی نسبت سے اس غزوہ کو غزوۂ بواط کہا جاتا ہے۔ بقولے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس غزوہ کے لئے تشریف لے جاتے ہوئے مدینہ کی ذمہ داریاں حضرت سائب بن عثمان بن مظعون کو سونپیں۔ [1]

غزوۂ سفوان یا غزوۂ بدر اُولیٰ

یا غزوۂ طلبِ کرز بن جابر فہری

(ربیع الثانی ۲ ہجری/ اکتوبر ۶۲۳ء)

ربیع الثانی ۲ ہجری/ اکتوبر ۶۲۳ء میں، یہ غزوہ وادی سفوان میں ہوا اس لئے اسے غزوۂ سفوان کہتے ہیں۔ وادی سفوان، بدر کے نواح میں واقع ہے اس حوالے سے اسے غزوۂ بدر اولیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ ''روضۃ الاحباب'' میں اس غزوہ کا نام ''طلبِ کرز بن جابر فہری'' بھی آیا ہے، ''مواھب'' میں اسے غزوۂ بدر اولیٰ کہا گیا ہے۔

روایت ہے کہ مکّہ کا ایک رئیس کرز بن جابر فہری ایک فوجی دستہ لے کر مدینہ کے مضافات میں مسلمانوں کی سرکاری چراگاہ پر حملہ آور ہوا اور کئی جانور ہانک کر لے گیا۔ اُن جانوروں میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُونٹ بھی تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہؓ کو مدینہ کا عامل مقرر کیا اور ستر صحابہؓ کی ایک جماعت لے کر کرز بن جابر فہری کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ اس مہم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ میں دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وادئ سفوان پہنچے تو معلوم ہُوا کہ کرز بن جابر فہری یہاں سے گزر چکا ہے چنانچہ وہ ہاتھ نہ آسکا [2] اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لے آئے۔

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی، (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۵

[2] ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۶

Presented by Ziaraat.Com

غزوۂ عُشیرہ

(جمادی الاوّل یا جمادی الثانی ۲ ہجری/نومبر، دسمبر ۶۲۳ء)

جمادی الاوّل یا جمادی الثانی ۲ ہجری/نومبر، دسمبر ۶۲۳ء میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا عامل بنا کر ڈیڑھ سو مہاجرین کے ساتھ اور بروایتے دوسو کے ساتھ مدینہ منورہ سے باہر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفید علم حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا اور ''عشیرہ'' کی طرف روانہ ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشیرہ کے قبیلوں کو دعوتِ اسلام دینے اور دفاعی معاہدے کرنے کے لیے وہاں چند روز قیام فرمایا اور پھر بنی مدلج سے جو کہ مسلمانوں کے حلیف قبیلے بنوضمرہ کے دوست تھے، ایک دفاعی معاہدہ کیا اور واپس تشریف لے آئے۔[1] یہ معاہدہ بھی اُنہی شرائط پر ہوا جن پر بنوضمرہ کے ساتھ ہوا تھا۔

حضرت علی علیہ السلام کی کنیت ابوتراب کی وجہ

''روضۃ الاحباب'' اور ''معارج النبوۃ'' میں مذکور ہے کہ غزوۂ عشیرہ کے سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کو ''ابوتراب'' کے نام سے نوازا۔ یہ نام بعد میں اُن کی کنیت کے طور پر مشہور ہوگیا۔ حضرت عمار یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اور حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام غزوۂ عشیرہ میں کھجور کے ایک درخت کے نیچے سو رہے تھے، زمین پر لیٹنے کی وجہ سے ہمارے جسموں پر مٹی لگ گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے سرہانے تشریف لائے اور ہمیں جگایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی المرتضیٰ علیہ السلام (کے بدن پر مٹی لگی دیکھ کر اُنہیں) ''یا ابو تراب!'' کہہ کر مخاطب کیا اور فرمایا، ''اے علی (علیہ السلام)! کیا میں تمہیں اس کی خبر نہ کروں کہ تمام

---

[1] جمال الدین محدث، روضۃ الاحباب۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۵

Presented by Ziaraat.Com

لوگوں میں بد بخت کون ہے؟'' حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ضرور خبر کیجئے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''تمام لوگوں میں دو شخص سب سے زیادہ بد بخت ہیں، ایک وہ جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اُونٹنی کی کونچیں کاٹیں اور دوسرا جو تمہارے محاسن (یعنی داڑھی) کو گلگوں کرے گا اور خون سے رنگے گا۔'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرماتے جاتے اور اپنے دست مبارک سے حضرت علی علیہ السلام کے سر اور چہرے سے گرد جھاڑتے جاتے تھے۔ اُن دونوں کتابوں میں اسی طرح مذکور ہے لیکن مشہور واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی کنیت ابوتراب ہونے کہ وجہ یہ ہے، جسے بخاری و مسلم نے حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے گھر سیّدہ فاطمہ علیہا السلام کے پاس تشریف لائے۔ علی علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے قبل گھر سے باہر تشریف لے جا کر مسجد میں سو گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیّدہ فاطمہ علیہا السلام سے فرمایا کہ تمہارے ابن عم (یعنی علی علیہ السلام) کہاں ہیں؟ (اہل عرب کی عادت ہے کہ وہ شوہر وغیرہ کہنے کی بجائے اسی طرح کہتے ہیں) سیّدہ فاطمہ علیہا السلام نے عرض کیا، ''...وہ باہر چلے گئے ہیں۔'' اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی سے فرمایا کہ دیکھو وہ کہاں ہیں؟ اُس شخص نے آکر بتایا کہ علی (علیہ السلام) مسجد میں آرام کر رہے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں اُن کے سرہانے تشریف لائے اور اُن کو پہلو کے بل سوتے ہوئے ملاحظہ فرمایا۔ اُن کے پہلو پر نشانات پڑے ہوئے تھے اور جسم اطہر پر مٹی لگی ہوئی تھی۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''قم ابا تراب!'' (ابوتراب اٹھو!)۔ اُس روز سے اُن کی کنیت ابوتراب ہوگئی۔ علی علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رکھی ہوئی یہ کنیت اپنی اصل کنیت ابوالحسن کے مقابلہ میں بہت محبوب اور گرامی جانتے تھے۔ اُن کے مخالفین و معاندین اس کنیت کو بغرض تنقیص و تحقیر بولتے تھے حالانکہ اس میں اُن کی کمال تعظیم و تکریم ہے۔[1]

---

[1] جمال الدین محدث، روضۃ الاحباب۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۵، ۱۱۶

Presented by Ziaraat.Com

سریہ دارِارقم

(سنہ ۲ ہجری)

روایت ہے کہ قریش کی ایک مسلح جماعت مسلمانوں کے خلاف کسی مہم پر مکّہ سے نکلی تھی۔ اُس کا سردار بقولے ابوسفیان بن حرب اور ایک قول کے مطابق عکرمہ بن ابوجہل تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہُوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساٹھ مہاجرین کا ایک دستہ حضرت عبید بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں اُس جماعت کی سرکوبی کے لیے ''دارِارقم'' کی جانب روانہ کیا۔ قریش کی اُس جماعت سے سامنا ہوا تو مسلمانوں نے اُن کو بھگانے کے لئے کچھ تیر ہوا میں چھوڑے چنانچہ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے اُن کا پیچھا نہیں کیا اور مدینہ لوٹ آئے۔ (۱)

عَلم

احادیث میں لواء یعنی علم کا ذِکر آیا ہے۔ علم اُس جھنڈے کو کہتے ہیں جو جنگوں میں کھڑا کیا جاتا ہے اور اس سے سپہ سالار کے مقام کا پتہ چلتا ہے۔ بسا اوقات علم کو مقدمۃ الجیش اُٹھاتا ہے۔ اہلِ لغت کی ایک جماعت نے صراحت کی ہے کہ ''لواء'' اور ''رایۃ'' ہم معنی ہیں۔ بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ''لواء'' چھوٹے جھنڈے کو اور ''رایۃ'' بڑے جھنڈے کو کہتے ہیں۔

مسند امام احمد اور ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ''رایۃ'' سیاہ اور ''لواء'' سفید تھا۔ طبرانی کے نزدیک بھی حضرت بریدہ سے ایسا ہی مروی ہے۔ ابن عدی کے نزدیک حضرت ابوہریرہ سے اتنا زیادہ مروی ہے کہ اُس پر لکھا ہُوا تھا ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ''۔ (۲)

---

(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۳

(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۴

Presented by Ziaraat.Com

سب سے پہلا علم

سریۂ دارِ ارقم کے لیے ایک سفید علم تیار کیا گیا تھا جسے مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مُطلب بن عبد مناف قرشی نے اُٹھایا تھا۔ بروایتے سب سے پہلا علم جو لشکرِ اسلام کے لئے تیار ہوا وہ یہی تھا۔[1]

مندرجہ بالا قول سے لگتا ہے کہ یہ سریہ غزوہ ابواء سے پہلے ہُوا کیونکہ غزوۂ ابوا میں بھی علم تھا جسے حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے اُٹھا رکھا تھا۔ ایک روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ پہلا علم سریۂ حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ میں تھا، اِس کا ذِکر اُوپر گذر چکا ہے۔ ایک اور روایت ابن اسحٰق اور ابوالاسود نے عروہ سے کی ہے جس کے مطابق سب سے پہلا علم غزوۂ خیبر میں تیار کیا گیا تھا۔[2]

سریۂ عبداللہ بن جحش یا سریۂ نخلہ

(رجب ۲ ہجری/ جنوری ۶۲۴ء)

مؤرخین لکھتے ہیں کہ سریۂ عبداللہ بن جحش جسے سریۂ نخلہ بھی کہتے ہیں، رجب ۲ ہجری/ جنوری ۶۲۴ء میں واقع ہوا۔ یہ سریہ حضرت عبداللہ بن جحشؓ سے منسوب ہے جو کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور اُم المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ کے بھائی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو آٹھ اور بقولے بارہ افراد کے ساتھ جن میں سعد بن ابی وقاص، عکاشہ بن محصن، عتبہ بن غزوان اور واقد بن عبداللہ تمیمی وغیرہ شامل تھے، نخلہ کی مہم پر روانہ فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش کو روانہ کرتے وقت ایک بند لفافہ دیا اور فرمایا کہ دو دن بعد اسے کھول کر پڑھنا اور اس میں دی گئی ہدایات پر عمل کرنا۔ دو دن بعد حضرت عبداللہ بن جحش نے اُس خط کو پڑھا، خط میں لکھا تھا کہ اے عبداللہ! خدائے عَزَّ اِسْمُہٗ کے نام اور اُس کی برکت

---

[1] سید امیر جمال الدین عطاء اللہ، روضۃ الاحباب

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۳، ۱۱۴

Presented by Ziaraat.Com

کے ساتھ اپنے ساتھیوں کو لے کر اُس جگہ تک جاؤ جس کا نام ''بطن نخلہ'' ہے اور وہاں قیام کرو، تم پر لازم ہے کہ کسی کو اپنے ساتھ جبراً نہ لے جانا، جو جانا چاہے جائے اور جو نہ جانا چاہے لوٹ آئے۔'' چنانچہ حضرت عبداللہ بن جحشؓ حسبِ فرمان بطن نخلہ کی جانب روانہ ہوئے۔ مروی ہے کہ اُن کے ساتھیوں میں سے سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان کہنے لگے کہ ہمارا اُونٹ جس پر ہم دونوں سوار ہوتے تھے گم ہوگیا ہے اور ہم اُسے تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ پس وہ دونوں اُونٹ کو تلاش کرنے نکل گئے اور پیچھے رہ گئے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط میں یہ واضح ہدایت کہ ''اور تم پر لازم ہے کہ کسی کو اپنے ساتھ جبراً نہ لے جانا، جو جانا چاہے جائے اور جو نہ جانا چاہے لوٹ آئے۔'' کیا اِنہی دو اصحاب سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان کے بارے میں تھی؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے سے یہ جانتے تھے کہ یہ دونوں اصحاب حضرت عبداللہ بن جحش کے ساتھ مہم پر نہیں جائیں گے؟) پس حضرت عبداللہؓ بطن نخلہ پہنچے جہاں اُن کا ٹکراؤ عمرو بن حضرمی، حکم بن کیسان، عثمان بن عبداللہ اور اس کے بھائی نوفل بن عبداللہ مخزومی سے ہوا۔ بروایتے اُس دن رجب کی پہلی تاریخ تھی مگر مسلمانوں کو یہ شبہ ہوا کہ یہ جمادی الآخر کی آخری تاریخ ہے۔[1]

پس اُنہوں نے جلدی کی کہ مبادا ماہ رجب شروع ہوجائے اور اُس ماہِ حرام کی بے حرمتی ہو چنانچہ اُنہوں نے فوراً اُن پر حملہ کردیا۔ (حرمت والے مہینے یعنی جن میں جنگ وجدال حرام تھا چار تھے، محرم، رَجب، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ)[2]

واقد بن تمیمی نے عمرو بن حضرمی پر ایک تیر چلایا جس سے وہ ہلاک ہوگیا۔ حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ کو گرفتار کرلیا گیا۔ باقی کفار بھاگ کھڑے ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن جحش اُن قیدیوں کو بارگاہِ رسالت میں لائے۔ جب مشرکین اور یہود کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اُنہوں نے طعنہ زنی شروع کردی اور کہنے لگے کہ مسلمانوں نے ماہِ حرام کی بے

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۶، ۱۱۷

[2] محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع۔ حدیث ۴۴۰۶

Presented by Ziaraat.Com

حرمتی کی اور خون بہایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش سے فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں خبردار نہیں کیا تھا کہ ماہِ حرام میں قتال نہ کرنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی اور اُن کے ساتھیوں پر بھی ناراضگی کا اظہار فرمایا چنانچہ حضرت عبداللہ اور اُن کے ساتھی پریشان و غمزدہ ہوگئے اور اپنے کیے پر پشیمان ہوئے۔ ہر چند کہ اُنہیں اس میں اشتباہ لاحق ہوا تھا پھر بھی وہ ڈر رہے تھے کہ اللہ کی طرف سے اُن پر کہیں غضب نازل نہ ہو مگر ساتھ ہی یہ اُمید بھی تھی کہ حق تعالیٰ اُن کی توبہ کو قبول فرما کر شاید درگذر فرما دے۔ بروایتے اس موقع پر سورۃ البقرہ کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِیْهِ كَبِیْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ [1]

(اے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! (مشرک) لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے حُرمت والے مہینے میں جنگ کرنے سے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہہ دیجیے اس میں جنگ کرنا بڑا جرم ہے (مگر) خدا کی راہ سے روکنا، اور اُس کا انکار کرنا اور مسجد (کی حرمت) کا انکار کرنا (اور لوگوں کو اس سے روکنا) اور اُس کے باشندوں کو وہاں سے نکالنا۔ خدا کے نزدیک اِس (جنگ) سے بھی بڑا جرم ہے۔ اور فتنہ گری قتل سے بھی زیادہ سنگین گناہ ہے)

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن جحش کے دل سے غم کا بوجھ اُتر گیا اور اُن کے ساتھیوں نے خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ○

---

[1] سورۃ البقرہ، آیت ۲۱۷

Presented by Ziaraat.Com

تحویل خانہ کعبہ

(شعبان سنہ ۲ ہجری/ جنوری، فروری ۶۲۴ء)

شعبان سنہ ۲ ہجری (جنوری، فروری ۶۲۴ء) میں قبلہ کا رُخ تبدیل کر کے بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف کر دیا گیا۔ یہ تبدیلی دورانِ نماز ہوئی تھی اور صرف حضرت علی علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے اپنا رُخ خانہ کعبہ کی طرف تبدیل کیا۔ حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے، ''انا مُصلی القِبلتین'' یعنی میں وہ ہوں جس نے (بیک وقت) دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔ [۱]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی جاتی رہی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ خانہ کعبہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش تھی کہ خانہ کعبہ ہی مسلمانوں کا قبلہ ہو اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِس کے لیے وحی کے منتظر رہتے تھے۔ [۲] چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمنا پوری فرمائی اور بقولے نمازِ ظہر کے دوران یا بروایتے نمازِ عصر کے دوران، [۳] یعنی عین حالتِ نماز میں جبرائیل علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے، ''قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ'' [۴]

(اے محبوب! بے شک ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو آسمان کی جانب اپنا چہرہ بار بار کرتے دیکھا تو ضرور ہم اُسی قبلہ کی طرف آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پھیر دیں گے جس سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) راضی ہیں، تو اے محبوب! اپنا رخ مسجد حرام کی جانب پھیر لو)

---

[۱] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۶۵

[۲] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۰۷

[۳] صحیح بخاری حدیث ۴۴۸۶، ۷۲۵۲، جمال الدین محدث، روضۃ الاحباب

[۴] سورۃ البقرہ، آیت ۱۴۴

Presented by Ziaraat.Com

اِدھر حکم الٰہی ہوا اُدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حالتِ نماز میں ہی اپنا رُخ بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف موڑ لیا، اِس طرح خانہ کعبہ مسلمانوں کا قبلہ قرار پایا، چنانچہ ہر مسلمان، چاہے وہ کسی بھی خطہ ارض پر موجود ہو اُسی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا ہے۔ یہاں یہ سوال اہم اور دلچسپ ہوگا کہ اگر کوئی مسلمان چاند یا کسی اور سیارے پر موجود ہو تو وہ کس طرف رُخ کر کے نماز پڑھے گا؟ علماء کرام کا کہنا ہے کہ وہ زمین کی طرف رُخ کریگا کیونکہ خانہ کعبہ زمین پر موجود ہے۔ واضح ہو کہ چاند اور دیگر سیاروں سے زمین اُسی طرح دکھائی دیتی ہے جس طرح زمین سے وہ نظر آتے ہیں۔

تحویل کعبہ کا واقعہ جس مسجد میں پیش آیا اُسے ''مَسْجِدِ قِبْلَتَیْن'' یعنی دو قبلوں والی مسجد کہتے ہیں۔ یہ مسجد بئر رومہ کے قریب مدینہ منورہ کے محلہ بنو سلمہ میں واقع ہے۔ مسجد کی نئی عمارت کی دو منزلیں ہیں جبکہ میناروں اور گنبدوں کی تعداد بھی دو، دو ہے۔ مسجد کا مجموعی رقبہ ۳۹۲۰ مربع میٹر ہے۔ اس مسجد میں دو محراب ہیں۔ ایک حقیقی محراب ہے جس کا رُخ خانہ کعبہ کی طرف ہے جبکہ بیت المقدس کی سمت والے محراب کی علامت بنائی گئی ہے جو مسجد کے داخلی دروازے کے اُوپر واقع ہے۔

روزہ

(شعبان دو ہجری/فروری ۶۲۴ء)

جنگ بدر سے پہلے، شعبان دو ہجری (فروری ۶۲۴ء) میں روزہ فرض کیا گیا۔ پس ارشادِ پروردگار ہوا، ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾'' (اے ایمان والو! روزہ اس طرح تم پر لکھ دیا گیا ہے (فرض کر دیا گیا ہے) جس طرح تم سے پہلے والوں پر لکھ دیا گیا تھا۔ تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ)۔ [۱]

---

[۱] سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۱۸۳

Presented by Ziaraat.Com

غزوۂ بدر

(۱۷ یا ۱۹ رمضان المبارک / ۱۳ یا ۱۵ مارچ ۶۲۴ء)

یہ غزوہ، بدر کے مقام پر ہجرتِ نبوی کے اُنیس ماہ بعد ۱۷ یا ۱۹ رمضان المبارک بمطابق ۱۳ یا ۱۵ مارچ سنہ ۶۲۴ء کو [۱] اور ایک قول کے مطابق ۱۲ تا ۱۷ رمضان المبارک بمطابق ۸ مارچ تا ۱۳ مارچ سنہ ۶۲۴ء میں وقوع میں آیا۔ [۲]

اس کو ''غزوۂ بدر کبریٰ'' اور ''غزوۂ بدر عظمیٰ'' بھی کہتے ہیں۔ یہ غزوہ چونکہ رمضان المبارک میں ہوا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس سال ''اعتکاف'' نہ فرما سکے جس کے بدلے اگلے سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا، دس دن اِس سال کے اور دس گزشتہ سال کی قضا کے طور پر۔ [۳]

بروایتے ''بدر'' کا نام، بدر بن مخلد نضر بن کنانہ کے نام پر رکھا گیا تھا کیونکہ اُس نے وہاں قیام کیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق وہاں پر ایک بوڑھا شخص عرصۂ دراز سے مقیم تھا جس کا نام بدر تھا اور یہ بستی اُسی کے نام سے موسوم ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس بستی کا نام بدر بن حارث کے نام پر مشہور ہوا جس نے وہاں ایک کنواں کھودا تھا۔ [۴]

غزوۂ بدر کا پس منظر

غزواتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے یہ غزوہ بہت اہم اور عظیم تھا۔ کیوں کہ اس میں پہلی مرتبہ باقاعدہ اور منظم طریقے سے کفار کی فوج اور چند مسلمان مجاہدین، جنگ کے لئے ایک دوسرے کے آمنے سامنے صف آرا ہو رہے تھے۔ کفار عرصۂ دراز سے اس جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

---

[۱] علامہ علی نقی، تاریخ اسلام، ص ۱۷۲ بحوالہ سید محسن امین عاملی (متوفی ۱۹۵۳ء)، اعیان الشیعہ، ج ۲ ص ۱۵۲

[۲] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۴۶۱

[۳] فقہ الرضا علیہ السلام، مطبوعہ طہران ص ۲۱

[۴] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۸

Presented by Ziaraat.Com

اُنہوں نے اپنے سارے وسائل اس میں جھونک دیے تھے اور وہ مسلمانوں کا قلع قمع کرنے کے لئے پوری طرح کمربستہ تھے۔ یہ جنگ مسلمانوں کی ہلاکت و بربادی اور تحریکِ اسلام کے استیصال (جڑ سے اکھاڑنا) کا سبب بھی بن سکتی تھی اس لئے اس میں فتح یاب ہونا ازبس ضروری تھا۔ چنانچہ گھمسان کا رَن پڑا اور ربُّ الافواج نے اپنے جسمانی طور پر کمزور اور ایمانی طور پر مضبوط بندوں کو طاقتور مشرکوں پر فتح و نصرت عطا فرمائی، عزت و بزرگی سے سرفراز کیا اور فرمایا:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ [۱]

(بے شک بدر میں اللہ تمہاری مدد کر چکا تھا حالانکہ تم (اُس وقت) بہت کمزور تھے)

اس غزوہ کے دن کو ''یوم الفرقان'' بھی کہتے ہیں کیونکہ اس دن حق و باطل کے درمیان فرق و امتیاز واضح ہوا تھا۔

مسلمان اگرچہ مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے تھے لیکن کفارِ مکّہ ابھی تک اُنہیں اپنا مجرم سمجھتے ہوئے اُن کے تعاقب میں تھے۔ وہ اس تاک میں تھے کہ کب موقع ملے تو مسلمانوں پر ایک کاری ضرب لگائیں، ایسی ضرب جس سے مسلمان اور اُن کا دِین دونوں نابود ہوجائیں۔ اس مقصد کے لئے اُنہوں نے متحد ہو کر ایک بہت بڑی جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں اور جنگ کے لئے اسلحہ اور دیگر ساز و سامان حاصل کرنے کے لئے کثیر سرمایہ بھی جمع کیا۔

قافلہ

مؤرخین لکھتے ہیں تمام کافروں نے سرمایہ جمع کرنے کی مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا حتیٰ کہ خواتین نے اپنے طلائی زیورات تک جنگ کے فنڈ میں جمع کرا دیے۔ جمع شدہ مال میں خوب اضافہ کرنے کی خاطر اُسے تجارت میں لگانے کا منصوبہ بنایا گیا چنانچہ ابوسفیان اُس جمع شدہ مال سے تیار کیا گیا

---

[۱] سورۃ آل عمران، آیت ۱۲۳

Presented by Ziaraat.Com

ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ لے کر شام روانہ ہوا۔ مؤرخین کے اندازے کے مطابق قافلے میں پچاس ہزار سُرخ دینار (سونے کی اشرفیاں) کی مالیّت کا تجارتی سامان تھا۔ اتنی بڑی مالیت کے تجارتی سامان کے ساتھ سفر کرتے ہوئے ابوسفیان خوفزدہ تھا کہ میرے ساتھ تو محافظ بھی صرف تیس چالیس ہیں، کہیں راہزنی کی کوئی واردات ہی نہ ہوجائے۔ چنانچہ وہ پھونک پھونک کر آگے بڑھ رہا تھا۔ واپسی پر بدر کے ایک کنویں پر اُس کی ملاقات اپنے ایک دوست مجدی بن عمرو جہنی سے ہوئی۔ مجدی علاقے کا سردار تھا، ابوسفیان نے اُس سے معلومات حاصل کرتے ہوئے پوچھا کہ تم نے آس پاس اجنبی یا مشکوک لوگ تو نہیں دیکھے؟ مجدی نے بتایا کہ ابھی کچھ دیر پہلے اس کنویں پر دو اجنبی آئے تو تھے۔ ابوسفیان نے کنویں کی طرف نگاہ دوڑائی تو اُسے اُونٹ کی تازہ مینگنیاں نظر آئیں۔ وہ فوراً اُن کی طرف لپکا اور اُنہیں توڑ کر اُن کا جائزہ لینے لگا۔ عرب کے لوگ قیافہ شناسی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، سواری کے پاؤں کے نشان اور مینگنیوں کو دیکھ کر سواری اور اُس کے سوار کے متعلق قیاس کرنا اُن کے لئے ایک عام سی بات تھی۔ اس لئے ابوسفیان بھانپ گیا کہ آنے والوں کا تعلق مدینہ سے تھا۔ وہ اِس وہم میں مبتلا ہوگیا کہ مسلمان اُس کی جاسوسی کررہے ہیں اور کسی وقت بھی قافلہ پر حملہ آور ہوسکتے ہیں، پس وہ تیزی سے لوٹا اور قافلے کا رُخ بدر سے موڑ کر ساحلی راستے سے مکّہ کی طرف روانہ ہوگیا، ساتھ ہی اُس نے ایک تیز رفتار سوار جس کا نام ضمضم بن عمرو غفاری تھا مکّہ روانہ کردیا تاکہ وہ مکّہ والوں کو مسلمانوں کے ممکنہ حملے کی خبر کرے اور وہاں سے قافلے کی حفاظت کے لئے کمک روانہ کرے۔

ضمضم نے مکّہ پہنچ کر کفارِ قریش کو ابوسفیان کا پیغام خوب بڑھا چڑھا کر سنایا۔ بروایتے، اُس نے دہشت پھیلانے کے لئے مکّہ میں داخل ہونے سے پہلے اپنے اُونٹ کی نکیل کاٹ ڈالی، پالانِ شتر اُلٹ دیا، اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور چیخنا شروع کردیا کہ اے قریش والو! تمہارے تمام اموال جو ابوسفیان کے ساتھ ہیں، اُن پر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور اُن کے اصحاب نے حملہ کردیا ہے، جلدی خبر لو، الغوث! الغوث! (فریاد ہے! فریاد ہے!)۔ اُس کی حالت زار کو دیکھ کر اور چیخ و پکار سُن کر قریش

Presented by Ziaraat.Com

بدحواس ہو گئے اور فوراً قافلے کی طرف جانے پر تیار ہو گئے۔[1] حالانکہ حقیقت یہ تھی مسلمانوں نے کبھی کسی قافلے کو نہیں لوٹا تھا اور نہ ہی اُن کا کوئی ارادہ اُس قافلے پر حملہ آور ہونے کا تھا۔

ابو جہل کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اُن کے ساتھی اس غلط فہمی میں ہیں کہ یہ قافلہ عمرو بن الحضرمی کی جماعت جیسا ہے، خدا کی قسم! ایسا نہیں ہے۔ (اُس کا اشارہ اِسی سال رجب میں ہونے والے سریہ عبداللہ بن جحش جسے سریہ نخلہ بھی کہتے ہیں، کی طرف تھا۔ اُس سریہ میں عمرو بن حضرمی مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اِس کی تفصیل اُوپر گذر چکی ہے۔ مؤلف)

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ابوسفیان کے ایلچی نے مکّہ والوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں قافلے کی متوقع غارت گری کی خبر اس انداز میں دی کہ مکّہ میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا اور قریش غضبناک ہو کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

میرے خیال میں یوں کہنا زیادہ مناسب ہے کہ قریش تو پہلے ہی مسلمانوں کے ساتھ ایک بڑی جنگ کے لئے کمر بستہ تھے، ابوسفیان کا بلاوا آیا تو فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔

سچا خواب

مروی ہے کہ ضمضم کے مکّہ پہنچنے سے پہلے ہی حضرت عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ایک خواب دیکھا کہ کچھ شتر سوار آئے ہیں اور مقام ابطح پر کھڑے بآوازِ بلند کہہ رہے ہیں کہ اے قریش کے لوگو! جلدی کرو اور اپنی قتل گاہ کی طرف آؤ۔ ابو جہل نے یہ خواب سنا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا کہ تم میں یہ عورت کب سے ''نبی'' بنی ہے؟ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہارے مرد ہی نبوّت کا دعویٰ کریں جو اَب یہ عورت بھی مدعی بن گئی ہے؟ میں تین دن تک انتظار کروں گا، اگر اس خواب کی کوئی تعبیر رونما نہ ہوئی تو میں عرب کے تمام قبیلوں کو لکھ بھیجوں گا کہ بنی ہاشم عرب میں سب سے زیادہ دروغ گو ہیں۔[2]

---

[1] ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ ہجری)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۷۲

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی، (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۲۰

Presented by Ziaraat.Com

ایک اور روایت کے مطابق حضرت عاتکہ نے جنگِ بدر سے کچھ دن پہلے خواب میں دیکھا کہ ایک سوار نے کوہ ابوقبیس سے ایک پتھر اُٹھا کر رکنِ کعبہ پر کھینچ مارا، وہ پتھر ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا اور اُس کے ریزے بنوزہرہ کے سوا قریش کے ہر گھر میں جا گرے۔ یہ خواب سن کر کافروں نے خوب ہنسی اڑائی اور کہنے لگے کہ اب تو بنی ہاشم کی عورتیں بھی نبوّت کرنے لگیں۔ لیکن اس خواب کا نتیجہ وہی نکلا جو خواب میں دکھایا گیا تھا۔[1]

تاریخ میں ایک خواب ضمضم سے بھی نقل کیا گیا ہے۔ اُس نے کہا کہ جس وقت میں قافلہ سے الگ ہو کر مکّہ کی طرف چلا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک اُونٹ پر سوار ہوں اور ایک ایسی گھاٹی سے گزر رہا ہوں جو خون سے لبریز ہے۔ چنانچہ بیدار ہوا تو میں سمجھ گیا کہ قریش کو کسی بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ ضمضم کے اس خواب سے بنی ہاشم بہت خوش ہوئے کیونکہ یہ خواب حضرت عاتکہ کے خواب کی شہادت دے رہا تھا۔[2]

ایسی ایک اور روایت بھی ملتی ہے جس کے مطابق جب قریش کا لشکر جحفہ پہنچا تو جہم بن صلت بن مخزوم بن مطلب بن عبد مناف نے خواب میں دیکھا کہ ایک گھڑسوار آرہا ہے جس کے ساتھ ایک اُونٹ بھی ہے اور وہ کہہ رہا ہے کہ عقبہ، شیبہ، ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) اُمیّہ اور فلاں فلاں مارے گئے ہیں۔ پھر اُس نے اپنے اُونٹ کی گردن پر چھری چلائی تو خون کے چھینٹے لشکر کے تمام خیموں پر پڑے۔ اُونٹ ذبح کر کے وہ شخص چلا گیا۔ یہ خواب ابوجہل نے سنا تو کہنے لگا کہ بنی مُطلب میں یہ ایک اور نبی پیدا ہو گیا ہے۔ جو قوت واتحاد ہمیں حاصل ہے اُس کی وجہ سے عنقریب سب کو معلوم ہو جائے گا کہ خون کس کا بہتا ہے؟[3]

---

[1] قاضی محمد سلمان منصور پوری، کتاب: رحمۃً للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۲ ص ۳۴۸

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۲۰

[3] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۲۲

Presented by Ziaraat.Com

لشکرِ کفار کی جنگ کے لئے روانگی

کفار نے بہت زور وشور سے جنگ کی تیاریاں کیں جو مکمل ہوئیں تو منادی کرادی گئی کہ ہر پیرو جواں جنگ کے لئے مکّہ سے باہر آجائے اور جو کسی مجبوری کی بنا پر خود نہیں آسکتا وہ اپنی جگہ کسی دوسرے کو بھیجے۔ قریش کے سرداروں میں سے ابولہب کے سوا کسی نے توقف نہ کیا، اُس نے اپنی جگہ ابوالبختری عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بھیجا۔[1] اُمیّہ بن خلف نے بھی بہت چاہا کہ مکّہ سے باہر نہ جائے مگر ابوجہل نے، جو اس جنگ کے لئے پیش پیش تھا، اُس کی ایک نہ چلنے دی۔ دراصل اُمیّہ بن خلف موت سے خوف زدہ تھا، اُس نے سُن رکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی موقع پر حضرت سعد بن معاذؓ سے فرمایا تھا کہ اُمیّہ بن خلف میرے صحابہ کے ہاتھوں مارا جائے گا۔ چونکہ قریش نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو 'صادق' مانتے تھے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی اُس کے نزدیک بلاشک وتردد سچی تھی۔ ابوجہل کو اُس کے انکار کی خبر ہوئی تو اُس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے ابوصفوان! تُو مکّہ والوں کا سردار ہے جب اُنہیں معلوم ہوگا کہ تُو پیٹھ دکھا رہا ہے تو سب ہمت ہار بیٹھیں گے اور یہ مہم ناکام ہوجائے گی۔ اُس نے اتنا اصرار کیا کہ آخر کار اُمیّہ بن خلف کو بادلِ ناخواستہ آمادہ ہونا ہی پڑا۔

روایت ہے کہ ابوجہل خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ گیا اور چیخ چیخ کر کہنے لگا ''اے مکّہ والو! جلدی کرو، باہر نکلو اور اپنے اموال اور قافلے کے پاس پہنچو۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھی تم سے پہلے پہنچ گئے تو پھر تمہاری خیر نہیں ہے۔'' اُس کی آواز پر ایک ہزار جنگجو بصد کرّ وفر اور غرور وتکبر نکل آئے۔ وہ لڑنے کے لئے سامانِ حرب سے پور طرح لیس تھے اور اپنی متوقع فتح کا جشن منانے کے لئے آلاتِ موسیقی بھی اُٹھائے ہوئے تھے۔

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۷۱

Presented by Ziaraat.Com

بعض لوگ لکھتے ہیں کہ جب ابوسفیان اپنے قافلے کو نکال لے گیا تو ایک فرستادہ قریش کے پاس بھیجا کہ قافلہ اب خطرے سے باہر نکل آیا ہے لہٰذا تم لوگ لوٹ جاؤ۔ قریش کے کچھ اور لوگوں کی بھی یہی رائے تھی لیکن جہلاء کے سر پر جہالت کا بھوت سوار تھا اور وہ جنگ کے لئے بیتاب تھے۔ ابوجہل خون گرفتہ، جو کبھی بھی فتنہ وفساد سے باز نہ آتا تھا، کہتا تھا، ''ہم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ضرور جنگ کریں گے، خدا کی قسم! ہم بدر پہنچے بنا لوٹ نہیں سکتے۔ [1]

بروایتے اُس نے کہا، ''ہم وہاں تین دن قیام کریں گے، اُونٹوں کو ذبح کر کے کھائیں گے، شراب پیئیں گے، گانے سنیں گے، جشن منائیں گے اور خوب لطف اندوز ہوں گے تاکہ ہماری شان وشوکت کا چرچا چہار سُو ہو جائے، پھر سبھی ہم سے خوف کھائیں گے۔'' بقولے ابوسفیان نے ایلچی تو روانہ کر دیا لیکن جب اُس کا قافلہ مکّہ پہنچ گیا تو اُس کا ارادہ بدل گیا اور وہ بھی بدر جانے کے لئے قریش کے لشکر میں شامل ہو گیا۔

اکثر محققین یہ بھی لکھتے ہیں کہ قریش کا لشکر قافلے کے مکّہ پہنچنے سے پہلے ہی بدر کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ ایک طرف سے قافلہ آ رہا تھا اور دوسری طرف سے قریش کی فوج پیش قدمی کر رہی تھی، جس کی روانگی مسلمانوں کی طرف سے کسی حملے کے امکان پر مبنی نہ تھی۔ اس کے برعکس مسلمانوں کو جنگ کے لئے روانگی کا حکم فوجِ کفار کے مدینہ کے قریب پہنچ جانے کے بعد ہوا۔ [2]

اس کی تاویل قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ سے کی جاتی ہے:

''اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ط''

(جس وقت تم قریب کے ناکہ پر تھے اور وہ دور کے ناکہ پر اور قافلہ تم سے ادھر نیچے تھا) [3]

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ ہجری)، تاریخ طبری، ج ۲ ص ۲۷۸

[2] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، حصہ دوم ص ۱۷۶

[3] سورۃ الانفال، آیت ۴۲

Presented by Ziaraat.Com

لشکرِ کفار کی تعداد

مشرکین کے لشکر میں ایک ہزار نو سو پچاس (۱۹۵۰) اور بقولے ایک ہزار (۱۰۰۰) جنگجو تھے۔[۱]

لشکرِ کفار کا سامانِ حرب

لشکرِ قریش کے ساتھ تین سو (۳۰۰) گھوڑے اور سات سو (۷۰۰) اُونٹ تھے جو مکمل سازوسامان سے آراستہ تھے۔[۲] سوار اور پیادہ سبھی زرہ پوش تھے۔ اُن کے ہمراہ گانے والی عورتیں اور آلاتِ موسیقی بھی تھے۔ دورانِ سفر وہ جہاں ٹھہرتے، وہ عورتیں گانا بجانا شروع کر دیتیں اور اپنے گیتوں کے ذریعے اہلِ اسلام پر زبانِ طعن دراز کرتیں۔ قریش کے سرداروں میں سے کوئی نہ کوئی سب کے لئے کھانا تیار کرواتا جس میں روزانہ دس اُونٹ ذبح کئے جاتے تھے۔[۳]

جبرائیل علیہ السلام کی اطلاع اور مجلسِ مشاورت

لشکرِ کفار کے پیش قدمی کرتے ہی جبرائیل علیہ السلام بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسی وقت مجلسِ مشاورت منعقد کی، لوگوں کو صورتِ حال سے آگاہ کیا اور فرمایا، ''اَشِیْرُوْا عَلَیَّ اَیُّهَا النَّاسُ!'' اے لوگو! تمہاری کیا رائے ہے؟ کچھ لوگ پریشان ہو گئے اور کہنے لگے کہ یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمیں پہلے کیوں نہیں بتایا؟ اگر پہلے خبر کر دی ہوتی تو ہم سامانِ حرب کا انتظام کر کے جنگ کے لئے تیار ہو جاتے، اور اب ہم تیار نہیں ہے اس لئے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جنگ سے اجتناب ہی کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سُن کر غضبناک ہو گئے اور چہرۂ انور سرخ ہو گیا۔

---

[۱] مسٹر کے اے حمید، مسلمانانِ عالم حصہ اوّل ص ۴۷
ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۲۸

[۲] مسٹر کے اے حمید، مسلمانانِ عالم حصہ اوّل ص ۴۷

[۳] ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۷۰

Presented by Ziaraat.Com

مہاجرین میں سے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی وفاداری وجاں نثاری کا یقین دلایا، اُن میں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ابن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ مقداد رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی، ''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں چاہیں ہمیں لے جائیں، ہم کبھی بھی وہ بات منہ سے نہ نکالیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی یعنی آپ اور آپ کا خدا دونوں چلے جائیں اور جا کر لڑیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، جہاں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جائیں گے ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ جائیں گے، چاہے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ''برگ الغماد'' (حبشہ کے شہروں میں سے ایک شہر) تک ہی کیوں نہ جائیں اور ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ مل کر مردانہ وار لڑیں گے۔'' حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی بات سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا اور اُن کے لئے دعائے خیر کی۔ [۱]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے مقداد (رضی اللہ عنہ) کا جو موقف دیکھا وہ اگر مجھے حاصل ہوتا تو میرے لئے دُنیا کی ہر چیز سے زیادہ پسندیدہ ہوتا۔ وہ ایک شہسوار شخص تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب غضبناک تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں رخسار سرخ ہو گئے تھے تو اُس حالت میں وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بخدا ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ تم اور تمہارا پروردگار جاؤ، ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے۔ بلکہ قسم اُس کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں رہیں گے یہاں تک کہ اللہ عزوجل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتح ونصرت سے ہمکنار کرے گا۔ [۲]

---

[۱] ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۷۳

[۲] ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۷۴

Presented by Ziaraat.Com

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، ''تم کیا مشورہ دیتے ہو؟''

یاد رہے کہ بیعتِ عقبہ کے موقع پر انصار نے کہا تھا کہ ہم اُس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر (مدینہ) نہیں تشریف لاتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لے آئیں گے تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت ایسے کریں گے جیسے اپنے بیوی بچوں کی کرتے ہیں۔ عہد و پیمان کے اس انداز میں یہ پہلو نکلتا ہے کہ اُس وقت انصار مدینہ کے اندر تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کر رہے تھے لیکن مدینہ سے باہر نہیں۔

پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی نقطۂ نظر سے دریافت فرمایا کہ تم اس سلسلہ میں کیا رائے دیتے ہو؟

انصار میں سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا یہ سوال ہم سے ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''ہاں!'' ابنِ معاذ نے عرض کیا، ''یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لائے ہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تصدیق کی ہے اور ہر اُس امر کی گواہی دی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی طرف سے لائے ہیں۔ ہم نے اپنے عہد و پیمان کے ذریعہ اطاعت اور فرمانبرداری کا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یقین دلایا ہے لہٰذا چلیے جہاں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مرضی ہو، قسم ہے اُس ذاتِ کریم کی جس نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حق کے ساتھ بھیجا، ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے دریا میں بھی اُتر جائیں گے اور ہم میں سے کوئی پیچھے نہ رہے گا، ہمیں اپنے دشمن کے ساتھ ٹکرانے میں کوئی عذر نہیں ہے، دشمن سے لڑائی کے وقت آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیں صابروں اور صادقوں میں سے پائیں گے اور اُمید ہے کہ اُس وقت اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قلب و نظر کو ٹھنڈک اور روشنی عطا کرے گا، لہٰذا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جہاں چاہیں ہمیں لے جائیں۔''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی پرخلوص اور جذبۂ ایمانی سے لبریز گفتگو سماعت فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہوئے اور فرمایا، ''اللہ تعالیٰ اپنی برکت کے ساتھ تمہیں خوش رکھے، تمہیں نوید ہو کہ فتح تمہاری ہی ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

بلا شبہ حق تعالیٰ نے مجھ سے نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔[1] روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ خدا کی قسم! (گویا کہ) میں اُن (کافروں) کا مقتل دیکھ رہا ہوں۔" چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کے بدر میں مارے جانے کے مقامات کی طرف اشارہ فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، "رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) زمین پر اپنا دستِ مبارک رکھ کر فرماتے تھے کہ یہ فلاں کے مرکر گرنے کی جگہ ہے، یہ فلاں کے ہلاک ہونے کی جگہ ہے، یہ فلاں کا مقتل ہے اور یہ فلاں کی قتل گاہ ہے، پس قتل ہونے والے ایک ایک کافر کا نام اور اس کے مقتل کا نشان بتایا اور اُن میں سے کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتائی ہوئی جگہ کی بجائے کہیں اور نہ مارا گیا۔"[2]

لشکر اسلام کی روانگی

روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ انصاری کو مدینہ میں عامل مقرر کیا اور مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ لشکرِ قریش کی سرکوبی کے لئے بدر کی طرف روانہ ہوئے۔[3] یہ ۸ مارچ ۶۲۴ء یعنی ہجرت کا اُنیسواں مہینہ اور رمضان المبارک کی ۸ یا ۱۲ تاریخ تھی۔ بروایتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرو بن اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا عامل مقرر فرمایا تھا لیکن روحاء کے مقام پر پہنچ کر حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو قائم مقام حاکم بنا کر واپس بھیج دیا۔[4]

اس مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ انصار بھی تھے حالانکہ اس سے پہلے اُنہوں نے کسی غزوہ یا سریہ میں شرکت نہیں کی تھی۔ مؤرخین نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ بیعتِ عقبہ میں اُنہوں نے یہ پیمان کیا تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت اور دشمنانِ دین سے مدافعت اپنے گھروں میں یعنی

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۴۷۲

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۲۲

[3] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۸

[4] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۴۶۳

Presented by Ziaraat.Com

مدینہ میں کریں گے چنانچہ اُنہوں نے ہمیشہ ایسا ہی کیا، یا اُس پیمان کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہی اُنہیں کبھی کسی مہم پر روانہ نہ کیا۔

اسلامی لشکر کی تعداد

اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ (۳۱۳) تھی۔ بقول ابنِ عباسؓ ان میں ستتر (۷۷) مہاجرین اور دوسو چھتیس (۲۳۶) انصار تھے۔[۱] تمام مسلمان روزے سے تھے۔

بروایتے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ صرف تین سو پانچ (۳۰۵) اصحاب تھے جن میں سے اسّی (۸۰) مہاجرین اور دوسو پچیس (۲۲۵) انصار تھے۔ باقی آٹھ (۸) اصحاب وہ تھے جو کسی عذر کی وجہ سے نہیں آئے تھے اور چونکہ اموالِ غنیمت میں سے اُن کو بھی حصّہ عطا کیا گیا تھا چنانچہ اہل سیر اُن کو بھی اہل بدر میں شمار کرتے ہیں، اُن میں سے تین (۳) مہاجرین تھے جن میں سے ایک حضرت عثمان بن عفانؓ تھے، دوسرے طلحہ اور تیسرے سعید بن زید اور باقی پانچ (۵) انصار تھے۔[۲]

لشکرِ اسلام کے عَلم اور علمبردار

اعلانِ بعثت کے وقت حضرت علی علیہ السلام کی عمر صرف دس سال تھی۔ اس کے بعد تیرہ سال جو مکّہ میں گذرے وہ تمام زحمتوں، مشقتوں اور قریش کی سازشوں کا سامنا کرتے ہوئے بسر ہوئے جن میں جنگ کی نوبت کبھی نہیں آئی جو آپ تیغ آزمائی کرتے۔ جنگ بدر اس لحاظ سے پہلا موقع تھا اور یہ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نگاہِ انتخاب تھی جو علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی صلاحیتوں کو بغیر کسی آزمائش کے خوب دیکھ رہی تھی جبھی جناب حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے مردِ میدان کے موجود ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مہاجرین کا عَلم جناب علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے سپرد کیا جبکہ انصار کا علم

---

[۱] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۷۲

[۲] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۹

Presented by Ziaraat.Com

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو دیا۔[1] بروایتے اس غزوہ میں لشکرِ اسلام کے تین علم تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیسرا علم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دیا جس کا رنگ سفید تھا۔[2]

اسلامی لشکر کا سامانِ حرب

اس غزوہ کی تیاری میں مسلمانوں نے حتی المقدور حصہ لیا تھا لیکن محدود وسائل کی بنا پر اسلحہ، رسد اور سواری کا خاطر خواہ انتظام نہ ہو سکا جس کی وجہ سے اُن کے پاس صرف دو یا تین (۲ یا ۳) گھوڑے، ستر (۷۰) اُونٹ، چھ (۶) زرہیں اور آٹھ (۸) تلواریں تھیں۔ ایک اُونٹ پر چار یا پانچ مسلمان باری باری سواری کرتے تھے۔[3] رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری میں حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام اور حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیدل چلنے کی باری آتی تو یہ دونوں جاں نثار عرض کرتے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سوار ہی رہیے ہمیں اپنی رکاب میں پیدل چلنے کی سعادت حاصل کرنے دیجئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے کہ تم مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور میں اجر کے معاملے میں تم سے زیادہ بے نیاز نہیں ہوں۔[4]

اسلامی لشکر کا بدر میں پڑاؤ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رکاب میں مختصر سا اسلامی لشکر بدر کے قریب اُترا۔ لشکرِ کفار کا پڑاؤ وادی کی دوسری جانب تھا۔ قرآن کریم میں اس کا ذِکر یوں آیا ہے، ''اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ط'' (جس وقت تم قریب کے ناکہ پر تھے اور

---

[1] ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۷۲

[2] ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۷۲

[3] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۹

[4] مسٹر کے اے حمید، مسلمانانِ عالم حصہ اوّل ص ۷۴

Presented by Ziaraat.Com

وہ دور کے نا کہ پر اور قافلہ تم سے ادھر نیچے تھا)[۱]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں پہنچتے ہی ایک مستعد و ماہر حربیات اور عبقری (ذہین وفطین اور اعلیٰ پائے کا سردار) کی طرح اپنے دستِ راست حضرت علی علیہ السلام کو دو ساتھیوں کے ہمراہ میدانِ جنگ کا نقشہ، لشکرِ قریش کی قوت ونقل وحرکت اور دیگر جنگی معلومات حاصل کرنے کے لیے آگے روانہ کیا۔ پس معلوم ہوا کہ دشمن کی تعداد نوسو (۹۰۰) سے ایک ہزار (۱۰۰۰) تک ہے اور اُس کا پڑاؤ پہاڑ کی دوسری جانب ہے۔[۲]

مسلمان جہاں اُترے تھے وہ علاقہ ریتلا تھا اس لئے اُن کے پاؤں اور گھوڑوں کے سُم ریت میں دھنس جاتے تھے اور اُنہیں چلنے پھرنے میں سخت مشکل درپیش تھی۔ اس پر ستم یہ کے وہاں پانی بھی نہیں تھا اور وہ پیاس سے نڈھال تھے۔ دوسری طرف کافروں نے جہاں پڑاؤ ڈالا وہ عام مٹیالی زمین تھی اور وہاں پانی بھی موجود تھا۔ اُس وقت شیطان مردود نے کچھ مسلمانوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ تم سمجھتے ہو کہ تمہارے ساتھ نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں، تم حق پر ہو اور خدا کے پسندیدہ بندے ہو جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ تم پیاس سے مغلوب ہو، پانی پر مشرکوں کا قبضہ ہے اور وہ منتظر ہیں کہ تم جان بلب ہو جاؤ تو وہ تمہیں نیست و نابود کر دیں۔ اِدھر شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا اُدھر رحمٰن کی رحمت جوش میں آئی اور ابرِ کرم ایسا برسا کہ پوری وادی میں جل تھل ایک ہو گیا۔ پیاسے مسلمان پانی سے سیراب ہوئے، کسی نے غسل کیا، کسی نے وضو، اُونٹوں کو پانی پلایا اور مشکیزے بھر لیے۔ بارش کی وجہ سے مسلمانوں کی ریتلی اقامت گاہ گیلی ہو کر آرام دہ اور چلنے پھرنے کے لئے سہل ہو گئی اور کفار کی مٹیالی زمین کیچڑ زدہ ہو کر اُن کے لئے دشوار گذار ہو گئی۔ شیطان کا وسوسہ جاتا رہا اور مسلمانوں کو اطمینان وسکون میسّر آیا۔

---

[۱] سورۃ الانفال، آیت ۴۲

[۲] ابو جعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۲۸

Presented by Ziaraat.Com

پس ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

''وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿١١﴾'' (اے لوگو! اللہ آسمان سے تم پر پانی برسا رہا تھا تاکہ تمہیں پاک صاف کرے اور تم سے شیطان کی نجاست و ناپاکی دور کرے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کرے اور تمہارے قدموں کو جمائے۔) [1]

قریش وادی میں نچلی طرف تھے، پانی کا بہاؤ بھی ہمیشہ نیچے کی طرف ہوتا ہے اس لئے بارش کے پانی سے اُن کی کچی زمین کیچڑ زدہ اور دلدلی ہوگئی تھی اور اُنہیں میدان جنگ تک پہنچنے میں دشواری ہونے لگی۔ مسلمان وادی میں بلندی کی طرف تھے جہاں کی زمین ریتلی تھی جو بارش کے بعد چلنے پھرنے کے لیے سہل ہوگئی تھی چنانچہ مسلمان، کفار سے پہلے میدانِ جنگ میں پہنچ گئے۔

عسکری ماہرین کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ماہر سپہ سالار کی طرح پوری طرح مستعد اور چاک و چوبند تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدانِ جنگ میں قریش کے تاخیر سے پہنچنے کا بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر کے وسط میں میٹھے پانی کے چشموں پر اُترے اور سورج اور ہوا کا رُخ معلوم کر کے صف بندی کے لیے اپنے لیے بہترین جگہ کا انتخاب کیا، یعنی اپنے دستوں کو اس طرح ترتیب دیا کہ سورج لشکرِ اسلام کے عقب یا پہلو میں جبکہ لشکرِ کفار کے مقابل تھا اور ہوا کا رُخ بھی قریش کی طرف تھا۔ اس حکمت عملی سے لشکرِ کفار کو بیک وقت تین دشمنوں سے لڑنا پڑتا، لشکرِ اسلام، آنکھوں کو چندھیا دینے والا سورج اور ریتلی ہوا۔ مزید برآں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمن کی قوت کے پیشِ نظر اپنی قلیل فوج کو اس طرح ترتیب دیا کہ حملے کے وقت دشمن اپنی ساری فوج کو بیک وقت نہ لڑا سکے۔ لشکر کے قلب کی حفاظت کے لیے میمنہ اور میسرہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیر اندازوں کو متعین فرمایا اور عقب میں مجاہدین کا ایک طاقتور دستہ ہنگامی حالات کے لئے محفوظ رکھا جسے فوجی اصطلاح میں ''ملٹری ریزرو فورس (Miltary Reserve Force)'' یعنی محفوظ فوج کہا جاتا ہے۔

---

[1] سورۃ الانفال، آیت ۱۱

Presented by Ziaraat.Com

عریش

بقولے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام کے لئے بدر میں ایک ''عریش'' (شاخوں اور پتوں سے بنائی گئی جھونپڑی) بھی بنائی گئی جس کے باہر انصار کی ایک جماعت پہرے پر ایستادہ ہوگئی۔ (۱)

''عریش'' کے معاملے پر علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے، مندرجہ بالا قول کے مطابق ایک مکتبِ فکر کے علماء کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے عریش بنائی گئی جبکہ دوسری جماعت کے علماء کا کہنا ہے کہ کوئی عریش نہیں بنائی گئی تھی۔ (۲)

عریش کی نفی کرنے والوں کا موقف یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھیوں سے الگ ہوکر کسی محفوظ مقام پر کوئی قیام نہیں فرمایا بلکہ اُن کے ساتھ بنفسِ نفیس میدانِ جنگ میں موجود رہے۔ اس ضمن میں حضرت علی علیہ السلام کی اس روایت سے استدلال پیش کیا گیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا، ''جب بدر کا موقع تھا اور مقابلہ آن پڑا تو تمام فوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ میں تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جرأت و ہمت سب سے نمایاں تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سب سے زیادہ دشمن کے قریب تھے۔'' (۳)

ہم اس استدلال کی نفی کرنے کی جسارت بالکل نہیں کر سکتے کیونکہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جرأت و ہمت اور شجاعت و استقامت پر مکمل ایمان رکھتے ہیں اور ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ میدانِ کارزار میں بنفسِ نفیس موجود رہے، اُن کا حوصلہ بڑھاتے رہے اور اُن کو ہدایات جاری فرماتے رہے۔

---

(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۲۳

(۲) علامہ سید جعفر مرتضیٰ عاملی، الصحیح من سیرۃ النبی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۳ ص ۲۶۸

(۳) علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۱۹۶۔ ابوجعفر محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۷۰

Presented by Ziaraat.Com

حق وباطل کا ٹکراؤ

مؤرخین لکھتے ہیں کہ قریش نے ایک لشکری کو مسلمانوں کی تعداد معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ اُس نے اسلامی لشکر کا ایک چکر لگایا اور خدا جانے کیا محسوس کیا کہ واپس جا کر بتایا، ''مسلمان کم وبیش تین سو ہیں مگر اے گروہِ قریش! میں نے اموات بر دوش بلاؤں کو دیکھا ہے اور یثرب کے اُن اُونٹوں کا نظارہ کیا ہے جو زہرِ قاتل کا بوجھ اُٹھائے ہوئے ہیں، پس خیریت چاہتے ہو تو لوٹ جاؤ۔'' مطلب یہ کہ مسلمانوں سے جنگ کرنا تمہاری ہلاکت کا باعث ہوگا اور تمہاری سلامتی اِسی میں ہے کہ تم جنگ سے باز رہو اور واپس چلے جاؤ۔

حکیم بن حزام نے یہ سنا تو عتبہ سے کہا کہ اے ابو ولید! تُو قریش کا بزرگ اور سردار ہے، کیا تُو چاہتا ہے کہ تیرا ذکر آخری زمانے تک رہے؟ عتبہ بولا، تم کہنا کیا چاہتے ہو اے حکیم؟ حکیم کہنے لگا، میں چاہتا ہوں کہ ہم لوگ واپس چلے جائیں۔ عتبہ بولا مجھے تمہاری بات منظور ہے لیکن تم ابنِ حنظلہ (ابوجہل) کے پاس جاؤ اور اُسے واپسی کے لئے کہو، ممکن ہے وہ آمادہ ہو جائے اور لوگوں کو واپس لے چلے۔ چنانچہ حکیم بن حزام ابوجہل کے پاس گیا اور عتبہ کے ساتھ ہونے والی بات چیت بیان کی۔ ابوجہل سیخ پا ہو گیا، فوراً عتبہ کے پاس گیا اور طعنہ زنی کرتے ہوئے بولا ''انتفخ منحرك'' (تیرے پھیپھڑے میں ہوا بھر گئی ہے)۔ عرب میں یہ محاورہ بزدلی ونامردی کا طعنہ دینے کیلئے بولا جاتا ہے یعنی اُس نے عتبہ سے کہا کہ تُو نامرد اور بزدل ہو گیا ہے۔ عتبہ نے کہا کہ عنقریب پتہ چل جائے گا کہ کس کا پھیپھڑا پھولا ہوا ہے اور کون بزدل بنا ہے۔

الغرض، لشکرِ باطل ٹڈی دل کی طرح بدر کے میدان میں نمودار ہوا۔ اُس وقت لشکرِ حق بھی میدان میں اُترا۔ نبی معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صفوں کو ترتیب دی اور فرمایا کہ جب تک میں نہ کہوں دشمن پر حملہ نہ کرنا اور اگر وہ تمہارے قریب آجائیں تو صرف تیر اندازی شروع کر دینا لیکن اتنی احتیاط سے کہ تیر ضائع نہ ہوں۔

Presented by Ziaraat.Com

اس جگہ اربابِ سیر ایک عجیب وغریب روایت بیان کرتے ہیں کہ جب جناب سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکرِ اسلام کی صفیں سیدھی فرمارہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک میں ایک چھڑی تھی۔سواد بن عزیہ ایک پرجوش اور خوش طبع صحابی تھے جو صفوں سے آگے نکل کر کھڑے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھڑی سے اُن کے سینے کو چھوتے ہوئے فرمایا،''استو یا سواد'' یعنی اے سواد صف کو برابر کرو۔سواد نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ضرب لگائی اور تکلیف پہنچائی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا اور عدل وانصاف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ اقدس میں دیا پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا قصاص دیجیے۔رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سینۂ اقدس سے لباس کو ہٹا کر فرمایا،''اے سواد! اِسی وقت اپنا قصاص لے لو۔''سواد نے فی الفور اپنا مُنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینۂ اقدس پر رکھ کر بوسہ لے لیا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،''سواد! یہ کیا کررہے ہو؟''سواد نے عرض کیا،''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہوسکتا ہے کہ میں اس معرکہ میں شہید ہوجاؤں، میری آرزو ہے کہ آخری وقت آنے سے پہلے میرا بدن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک جسم سے مَس ہوجائے۔''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سوادؓ کا جذبۂ عقیدت دیکھ کر اُن کے لیے دعائے خیر فرمائی۔[1]

یہ ۱۷ رمضان المبارک ۲ ہجری یعنی ۱۳ مارچ ۶۲۴ء کا دن تھا۔عرب کے رواج کے مطابق سب سے پہلے دُوبدو لڑائی کا آغاز ہوا۔لشکرِ کفار کی طرف سے سے عتبہ بن ربیعہ، اُس کا بھائی شیبہ بن ربیعہ اور بیٹا ولید بن عتبہ میدان میں آئے اور مُبارزت طلب کی۔اُن کے مقابلہ کیلئے تین انصار میدان میں اُترے، عوف بن حارثؓ، معاذ بن حارثؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ [2] یا بروایتے معاذ بن عفراءؓ، معوذ بن عفراءؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ۔[3] کافروں نے کہا تم انصاری ہو تمہارے ساتھ

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی، (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۲۴

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی، (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۲۵

[3] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۴۷۱

Presented by Ziaraat.Com

ہمیں کوئی سروکار نہیں، ہم تو اپنے چچاؤں کے بیٹوں (قریشیوں) کو بلاتے ہیں۔ پھر اُن میں سے ایک نے آواز لگائی، اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہماری قوم میں سے ہمارے ہم پلہ لوگ بھیجو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جاؤ ان کا مقابلہ کرو۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''یا علی قم یا حمزۃ قم یا عبیدۃ بن الحارث قم'' (اے علی! آپ اُٹھیے، اے حمزہ! آپ اُٹھیے، اے عبیدہ بن حارث! آپ اُٹھیے)۔[1] حیدرِ کرار جناب علی ابن ابی طالب علیہ السلام شاید اسی حکم کے منتظر تھے، میدان میں ایسے کود پڑے جیسے شیر اپنے شکار کی طرف جست لگاتا ہے، اُن کے ساتھ ہی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور جناب عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ بھی لپکے۔ یہ تینوں مردانِ حق میدان میں آئے تو کافروں نے کہا کہ ہاں! یہ ہماری ٹکر کے ہیں۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اسّی سالہ ضعیف آدمی تھے، وہ عتبہ کے مقابلے پر آئے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جو اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم عمر تھے، وہ شیبہ سے ٹکرائے۔ ایک روایت میں اس کے برعکس یوں آیا ہے کہ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ شیبہ کے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ عتبہ کے مقابل آئے۔ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام نوجوان تھے، آپ نے قریش کے جوان ولید بن عتبہ کو واصل جہنم کیا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مقابل کو ہلاک کیا لیکن حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے حریف کے درمیان مقابلہ ہوتا رہا، پھر ایک ضرب اُن کے زانو پر پڑی اور وہ شدید زخمی ہو گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی علیہ السلام اُن کی نصرت کے لئے پہنچے اور دشمن کو قتل کرنے میں اُن کی مدد کی۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ شدید زخمی تھے اُن کی پنڈلیوں سے خون اور گودہ بہہ رہا تھا، اُنہیں اُٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو اُنہوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا میں شہید نہیں ہوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! تم شہید ہو۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کا یہ سوال اس بنا پر تھا کہ وہ زخمی حالت میں میدانِ جنگ سے زندہ لوٹے تھے اور محسوس کر رہے تھے کہ شہادت میں ابھی کچھ دیر ہے، اس لئے پریشان تھے کہ میدان جنگ سے باہر موت آجانے پر کہیں شہادت کے

[1] ابو جعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۷۰

Presented by Ziaraat.Com

درجہ پر فائز ہونے سے رہ نہ جائیں۔ مذکور ہے کہ اُن کا انتقال بدر سے واپسی پر وادیٔ صفراء یا وادیٔ روحا میں ہوا اور اُنہیں وہیں دفن کیا گیا۔ دست بدست لڑائی کے بعد قریش کی طرف سے عام حملہ شروع ہوا، مسلمان بھی سر پر کفن باندھ کر میدانِ جنگ میں اُترے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قلیل لشکرِ اسلام اور کثیر لشکرِ کفار کے باہم ٹکرانے کا مشاہدہ فرمایا تو بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا، ''یا ربّ! جو وعدہ تُو نے مجھ سے کیا تھا اُسے پورا فرما۔''[1] ایک روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں دُعا فرمائی، ''یا اللہ! یہ قریش اپنے فخر وغرور کے ساتھ آئے ہیں، یہ تیری مخالفت کرتے ہیں اور تیرے رسول کو جھٹلاتے ہیں۔ یا اللہ! میں تیری مدد کا طلبگار ہوں جس کا تُو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔ یا اللہ! انہیں ہلاک کر دے۔[2] بقولے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دُعا بھی مانگی ''اَللّٰھم ان تھلك ھذہ العصابۃ فلا تعبد فی الارض''[3] (الٰہی! اگر تیرے بندوں کی یہ چھوٹی سی جماعت آج ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر تیرا سچا عبادت گذار کوئی نہیں رہے گا)۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ روزِ بدر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز تھے اور یہ دُعا مانگ رہے تھے، ''یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ'' (اے زندہ وجاوید! اے ساری کائنات کا نظام چلانے والے! اپنی رحمت سے مدد فرما) پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''لوگو! سنو! قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، جو حق تعالیٰ کی رضا اور ثواب کی طلب میں اِن کافروں سے جنگ کرے گا اور خدا کی راہ میں شہید ہو جائے گا، اُس کے لئے بہشتِ جاوداں ہے۔'' روایت ہے کہ اُس وقت حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ کھجوریں کھا رہے تھے، اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ کلام سُنا تو بولے، ''میرے لئے نوید ہے کہ میرے اور بہشت جاوداں کے درمیان اب کوئی فاصلہ نہیں تاوقتیکہ میں (لڑتا ہوا) اِن کافروں

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۲۴ تا ۱۲۶

[2] ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، سیرت ابن ہشام ص ۲۷۵

[3] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۴۶۸ بحوالہ ابوالکلام احمد، ترجمان القرآن ۲:۵۲، ۵۷

Presented by Ziaraat.Com

کے ہاتھوں شہید ہو جاؤں۔ یہ کہہ کر ہاتھ سے کھجوریں پھینک دیں اور تلوار سونت کر میدانِ جنگ میں کود پڑے اور بالآخر شہید ہو کر عازم بہشتِ جاوداں ہو گئے۔ [1]

ایک مجاہد حضرت عوف بن حارث بن الحضراء رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ بندے کا کون سا عمل ہے جو پروردگار کو ہنسا دے (یعنی بہت خوش کر دے)؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جہاد کے وقت دشمن کے سامنے اپنی زرہ کو جسم سے اُتار پھینکے (یعنی اپنی حفاظت کا خوف دل سے نکال دے)۔ یہ سننا تھا کہ اُنھوں نے اپنی زرہ اتار کر پھینک دی اور تلوار سونت کر جنگ کرنے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ [2]

قریش کا لشکر سیلابی ریلے کی طرح اُمڈ رہا تھا، وہ مسلمان تیر اندازوں کے نشانے پر آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت پر تیر اندازوں نے اُسے اس طرح تیروں پر لیا کہ وہ اسلامی لشکر کے بازوؤں پر یا عقب میں وار د نہ ہو سکا۔

مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مٹھی بھر ریت فوجِ کفار کی طرف پھینکی اور فرمایا ''شاھت الوجوہ''، یعنی اِن کے چہرے مسخ ہوں۔ اُسی وقت تیز ہوا چلی جس کا رُخ کافروں کی طرف تھا۔ وہ ریت تمام کافروں کے چہروں پر پڑی اور اُس کے زرے اُن کی آنکھوں اور نتھنوں میں گھس گئے۔ بعض مؤرخین اس واقعے کو ایک اور زاویے سے دیکھتے ہیں، اُن کے نزدیک ہوا کا رُخ فوجِ کفار کی طرف بدلا پھر ریگ بدوش ہوائیں چلنے لگیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسی موقع کے منتظر تھے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مٹھی بھر ریت اُٹھائی اور دشمن کی طرف پھینکی جو کہ اشارہ تھا اپنی عقب کی محفوظ فوج کو آگے بڑھ کر دشمن پر بھرپور حملہ کرنے گا۔ [3]

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۲۷

[2] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۴۳

[3] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۴۷۲

Presented by Ziaraat.Com

جنگ میں ملائکہ کی مدد

اُسی وقت لشکرِ اسلام کی نصرت کے لئے اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ نے فرشتے نازل فرمائے جو کافروں پر بلائے ناگہانی کی طرح وارد ہوئے۔اُن کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔اللہ جلّ جلالہٗ نے کسی کافر کو ہلاک کرایا اور کسی کو اپنے بندوں کا اسیر بنایا، جو ہلاک ہوئے اور قیدی بنے اُن میں اکثر مشرکوں کے سردار اور اشراف تھے۔

پس ارشادِ پروردگار ہے: ''اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ﴿۹﴾'' (اے حبیب صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم! اُس وقت کو یاد کرو) جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے اور اُس نے تمہاری فریاد سن لی (اور فرمایا) کہ تمہاری مدد کے لیے یکے بعد دیگرے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں)۔[۱]

اور دوسری جگہ ارشادِ الٰہی ہوتا ہے: ''اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ﴿۱۲۵﴾''

(کیا یہ بات تمہارے کے لئے کافی نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے جو (آسمان سے) اُتارے گئے ہوں۔ ہاں کیوں نہیں! اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو۔ اور وہ (دشمن) اُس وقت فوری طور پر تم پر چڑھ آئے تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا)[۲]

علماءِ کرام اِن آیاتِ کریمہ کے درمیان موافقت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ پہلی آیت میں جن ایک ہزار فرشتوں کا ذکر ہے وہ پہلے آئے تھے اور دوسری آیت والے تین ہزار فرشتے بعد میں

---

[۱] سورۃ الانفال، آیت ۹

[۲] سورۃ آل عمران، آیت ۱۲۴ تا ۱۲۵

Presented by Ziaraat.Com

نازل ہوئے تھے اور پانچ ہزار آخر میں آئے۔ ایسی ہی ایک روایت حضرت ربیع بن انس بھی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد پہلے ایک ہزار فرشتوں سے فرمائی پھر تین ہزار سے اور اس کے بعد پانچ ہزار سے۔ [1]

حضرت ابوقتادہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے روز بدر پانچ ہزار ملائکہ سے مدد فرمائی۔ امیر المومنین سیّدنا علی مرتضیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ روز بدر ایسی تند و تیز ہوا چلی جو پہلے کبھی نہ دیکھی تھی، وہ ہوا تین بار چلی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی مرتبہ جبرائیل علیہ السلام ہزار فرشتوں کے ساتھ آئے دوسری مرتبہ میکائیل علیہ السلام ہزار فرشتوں کے ساتھ آئے اور تیسری مرتبہ اسرافیل علیہ السلام ہزار فرشتوں کے ساتھ آئے۔ [2]

جناب امیر المومنین علیہ السلام کی یہ روایت اس آیت مبارکہ سے متعلق معلوم ہوتی ہے:

''اَلَنْ یَّکْفِیَکُمْ اَنْ یُّمِدَّکُمْ رَبُّکُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُنْزَلِیْنَ ﴿۱۲۴﴾''

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یاد کرو جب تم مؤمنوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا یہ بات تمہارے (اطمینان) کے لئے کافی نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے جو (آسمان سے) اتارے گئے ہوں) [3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ بنی غفار کے ایک شخص نے مجھے بتایا، ''میں اور میرا چچا زاد بھائی بدر کی جنگ میں مشرکوں کے ساتھ تھے۔ ہم دونوں ایک بلند پہاڑی پر چڑھ گئے اور انتظار کرنے لگے کہ جو لشکر بھی شکست کھا کر بھاگے گا ہم اُسے لُوٹیں گے۔ اچانک ہم نے اپنے قریب سے ایک بادل کو گذرتے دیکھا جس میں سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں آرہی

---

[1] محمد الزرقانی (متوفی ۱۱۲۲ھ)، شرح المواھب اللدنیۃ

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۳۲

[3] سورۃ آل عمران، آیت ۱۲۴

Presented by Ziaraat.Com

تھیں۔ اُس وقت ہم نے سُنا کہ کوئی کہہ رہا تھا ''اقدم حیزوم '' (اے حیزوم! آگے بڑھو)، میرا چچازاد بھائی خوفزدہ ہو کر مجھ پر آگرا۔ اُس کا دل پھٹ گیا اور وہیں مر گیا۔ اُس وقت مارے خوف کے میں بھی قریبُ المرگ تھا لیکن میں نے ہمت سے کام لیا اور بچ گیا۔'' (1) محققین کہتے ہیں کہ ''حیزوم'' حضرت جبریل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھوڑے کا نام ہے۔ (2)

روایت ہے کہ دورانِ جنگ جب کوئی مسلمان کسی کافر کے پیچھے لپکتا تو اِس سے پہلے کہ وہ اُس تک پہنچتا اُس کافر کا سر کٹ کر زمین پر جا گرتا۔ ایک مجاہد ابوداوٗد مازنی کا بیان ہے کہ میں ایک مشرک کو قتل کرنے کے لئے اُس کا پیچھا کر رہا تھا، میری تلوار ابھی اُس سے دُور تھی کہ اُس کا سر کٹ کر زمین پر آرہا اور میں سمجھا کہ اُسے کسی اور نے قتل کر دیا ہے جو نظروں سے اوجھل تھا۔ (3)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک انصاری مجاہد کسی کافر کے تعاقب میں تھا کہ اُسے کوڑے کی آواز آئی اور اُس نے ایک سوار کو یہ کہتے سنا ''اقدم حیزوم'' اچانک اُس انصاری نے دیکھا کہ اُس کے سامنے وہ کافر، جس کا وہ تعاقب کر رہا تھا، گرا پڑا ہے۔ اُس کا منہ پھٹا ہوا اور گردن ٹوٹی ہوئی تھی۔ وہ انصاری حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام واقعہ عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ آسمانی مدد تھی۔ (4)

روایت ہے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد ایک انصاری حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعویٰ کیا کہ میں نے عباس کو اسیر کیا ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اِس نے مجھے اسیر نہیں کیا، مجھے گرفتار کرنے والا تو ایک نہایت خوبصورت شخص تھا جو ابلق گھوڑے پر سوار تھا، مگر اب وہ کہیں نظر نہیں آرہا۔ انصاری کہنے لگا کہ عباس غلط کہہ رہے ہیں،

---

(1) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۳۲
(2) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۳۲
(3) ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۸۳
(4) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۳۲

Presented by Ziaraat.Com

اِنہیں کسی اور نے نہیں بلکہ میں نے گرفتار کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انصاری سے فرمایا کہ تم دونوں اپنی جگہ صحیح ہو، دراصل ایک بزرگ فرشتے نے اس کام میں تمہاری اعانت کی ہے۔[۱]

اس جنگ میں ستر کافر مارے گئے تھے جن میں قریش کے مختلف قبائل کے سردار اور اسلام دشمنی میں مشہور ومعروف کئی اہم لوگ شامل تھے۔ اُن کی موت نے قریش کی کمر توڑ دی اور تحریکِ اسلام کی جڑیں اور مضبوط ہوگئیں۔ دورونزدیک کے علاقوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی اور مدینہ میں موجود یہود اور منافقین کی سرگرمیاں بھی ڈھیلی پڑ گئیں۔[۲]

حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شجاعت

مؤرخین لکھتے ہیں کہ مشرکین کے ستر (۷۰) مقتولین میں سے پینتیس (۳۵) شیرِ خدا حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں لقمۂ اجل بنے تھے جبکہ باقی نصف دوسرے مجاہدین کے ہاتھوں قتل ہوئے۔[۳]

اسی بنا پر مولانا شبلی صاحب نے لکھا ہے، ''غزوۂ بدر کے ہیرو اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔''[۴]

امیر المومنین جناب علی علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہونے والے زیادہ تر افراد بنواُمیّہ کے تھے اور یہ وہ لوگ تھے جن سے آل ابوسفیان کا گہرا تعلق تھا۔ چنانچہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ جنگ جمل، جنگ صفین (جو حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ لڑی گئیں) اور سانحۂ کربلا (جس میں نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، حسین ابنِ علی علیہ السلام، آلِ رسول علیہم السلام اور اُن کے ساتھیوں کو شہید کیا گیا اور بچ رہنے والے بچوں اور مستورات کو اسیر کر کے دربارِ یزید بن معاویہ بن ابوسفیان میں پیش کیا گیا) اُنہی مقتولین کا انتقام لینے کے لئے کی جانے والی کارروائیاں تھیں۔

---

[۱] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ حصہ اوّل ص ۱۵۱

[۲] دعوت دہلی، سیرت طیبہ، ۱۶ ستمبر ۱۹۵۹ء، ص ۱۹۸۔ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۱۰

[۳] خواجہ محمد لطیف، اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ ج ا ص ۸۷۔ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۰۷

[۴] شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۴ء)، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ج اوّل ص ۲۵۷۔ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۰۸

Presented by Ziaraat.Com

علی علیہ السلام کے ہاتھوں تہِ تیغ ہونے والے چند مشہور کافروں کے نام

۱) ولید بن عتبہ بن ربیعہ

۲) عاص بن سعید بن عاص بن اُمیّہ

۳) طعیمہ بن عدی بن نوفل

۴) نوفل بن خویلد: یہ جنگ جمل کے مشہور سردار زبیر کا چچا تھا اور مسلمانوں پر تشدد کرنے میں بہت مشہور تھا، چنانچہ جنگ ختم ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس سے متعلق خاص طور پر دریافت فرمایا تو جناب علی علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں نے اُسے قتل کر دیا ہے۔ یہ سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدائے تکبیر بلند فرمائی۔

۵) حنظلہ بن ابوسفیان: شیرِ خدا حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ولید بن عتبہ کے مارے جانے کے بعد اُس کا بھانجا (حنظلہ بن ابوسفیان) میدان میں آیا۔ میں نے اُس کے سر پر وار کیا، میری تلوار اُس کا سر چیرتی ہوئی آنکھوں تک اُتر گئی اور وہ قتل ہو کر زمین پر گر پڑا۔

۶) زمعہ بن اسود

۷) حارث بن زمعہ

۸) عمیر بن عثمان بن کعب بن تیم: یہ جنگ جمل کے دوسرے سردار طلحہ کا چچا تھا۔

۹) نضر بن حارث کلدہ: اسے حضرت علی علیہ السلام نے بدر سے واپسی پر صفراء میں قتل کیا۔

دیگر مجاہدین کے ہاتھوں قتل ہونے والے چند مشہور کافروں کے نام

دیگر مجاہدین کے ہاتھوں واصلِ جہنم ہونے والے چند معروف کافروں کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

۱) عتبہ بن ربیعہ: قریش میں سب سے پہلے یہ شخص اپنے بیٹے ولید اور بھائی شیبہ کے ساتھ میدان میں آیا تھا۔ اِس کے قتل کی تفصیل اُوپر گزر چکی ہے۔

۲) اسود بن عبد الاسد مخزومی: یہ حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

Presented by Ziaraat.Com

۳)شیبہ بن ربیعہ بن عبد شمس: یہ بھی حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مرا۔

۴)عقبہ بن ابی معیط: اس کے قتل کی تفصیل آگے آئے گی۔

۵)ابو جہل بن ہشام: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا سر قلم کیا۔

۶)ابو البختری عاص بن ہشام: اس کے قتل کی تفصیل اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

۷)اُمیّہ بن خلف: اسے حضرت عمار یاسر رضی اللہ عنہ نے قتل کیا، تفصیل اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

۸)نبیہ بن حجاج

۹)منبہ بن حجاج

۱۰)عقیل بن اسود بن عبد یغوث

۱۱)زمعۃ بن اسود بن عبد یغوث

۱۲)حارث بن اسود بن عبد یغوث

اُس دور میں عموماً اور عرب میں خصوصاً یہ رواج تھا کہ جنگ میں قتل ہونے والے کی نعشوں کا مُثلہ (نعشوں کی بے حرمتی کرنا، حلیہ بگاڑنا اور اعضاء و جوارح مثلاً ناک اور کان وغیرہ کاٹنا) کیا جاتا تھا لیکن جناب رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجسم خلق عظیم تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ گوارا نہ کیا کہ کسی انسان، چاہے وہ مشرک اور دشمن ہی کیوں نہ ہو، کے میدان میں پڑے بے گور و کفن لاشے کو چیل کوّے وغیرہ کھاتے رہیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر مقتولین کی نعشوں کو بدر کے ایک متروک کنویں میں ڈال کر دفن کر دیا گیا۔

ابو جہل بن ہشام کا انجام

ابو جہل بہت بڑا دشمنِ اسلام تھا۔ اُس کے سینۂ پُر کینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف بغض و عناد کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا تھا اور وہ اسلام اور اہلِ اسلام کی مخالفت اور مخاصمت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ قریش کو مسلمانوں کے خلاف اُکسانے اور اس جنگ کے لئے تیار کرنے میں اُس کا بہت اہم کردار تھا۔

Presented by Ziaraat.Com

دورانِ جنگ، دو بھائی معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ اور معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ بڑی بیتابی سے اُسے تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ وہ اپنے بیٹے عکرمہ کے ساتھ ایک جگہ کھڑا تھا کہ اُنہیں نظر آ گیا۔ دونوں بھائی عقاب کی طرح اُس پر جھپٹے۔ معاذ رضی اللہ عنہ کی تلوار بلند ہوئی، ابوجہل نے بچنا چاہا، معاذ کا ہاتھ اوچھا پڑا اور تلوار سر یا گردن کی بجائے اُس کی ٹانگ پر لگی اور اُسے جسم سے الگ کر ڈالا۔ عکرمہ باپ کی مدد کو آگے بڑھا اور معاذ رضی اللہ عنہ پر حملہ آور ہوا، اُس کے ایک کاری وار نے باپ کا حساب چکتا کیا اور معاذ رضی اللہ عنہ کا ایک بازو کاندھے سے کٹ کر ایک جانب لٹک گیا۔ شیر زخمی ہوکر بپھر گیا، کٹ کر جسم کے ساتھ لٹکتا ہوا ہاتھ لڑائی میں رکاوٹ بننے لگا تو معاذ رضی اللہ عنہ نے اُس پر پاؤں رکھ کر اُسے کھینچا اور جسم سے الگ کر دیا اور اپنے شکار پر پھر حملہ آور ہوئے۔ [1]

اس کے برعکس قاضی عیاض ابن وہب یوں روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُن کا ہاتھ اُن کی کھال سے لٹکا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعابِ دہنِ مبارک اُس پر لگا کر اس کی جگہ چسپاں کر دیا اور وہ ٹھیک ہو گیا۔ [2]

بروایتے، معاذ رضی اللہ عنہ اور معوذ رضی اللہ عنہ دونوں بھائی ابوجہل پر جھپٹ رہے تھے، حضرت معوذ رضی اللہ عنہ نے ایک کاری وار کر کے اُسے زمیں بوس کر دیا، وہ سمجھے کہ یہ ملعون ہلاک ہو گیا ہے لیکن اُس شیطان میں جان کی کچھ رمق ابھی باقی تھی۔ دونوں بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُس کے قتل کی خبر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے اُس کا قتل کس نے کیا ہے؟ دونوں میں سے ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ ابوجہل کو اُس نے مارا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تم نے اپنی تلواریں صاف کر لی ہیں؟ اُنہوں نے عرض کیا کہ ابھی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی تلواریں دکھاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلواروں کو ملاحظہ کر کے فرمایا کہ تم دونوں ہی نے اُسے مارا ہے۔

بروایتے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ابوجہل پر پہنچے تو دیکھا کہ وہ ابھی مرا نہیں اور اس میں رمق

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ حصہ اول ص ۱۴۶

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۲۶

Presented by Ziaraat.Com

باقی ہے، تو اُنہوں نے سرقلم کرکے اُس کا قصہ تمام کردیا۔

احادیثِ صحیحہ میں اس کا ذکر یوں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کون ہے جو جا کر ابوجہل کی خبر لائے؟ اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ گئے اور اُنہوں نے اُسے میدان میں (قریب المرگ) پڑا ہوا پایا تو وہ اُس کے سینۂ پُرکینہ پر سوار ہوئے اور اُس کی ناپاک داڑھی کو پکڑ کر کہا کہ تُو ہی ابوجہل ہے، اللہ نے تجھے رسوا کیا اے دشمنِ خدا!۔ اُس نے کہا کہ اِس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ایک شخص کو اُس کی قوم نے مارڈالا، کاش مجھے کسی غیر دہقانی نے مارا ہوتا (چونکہ انصار اہل زراعت تھے اس لئے وہ اُن کو دہقانی کہہ رہا تھا)۔ پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اُس بدبخت کا سرقلم کیا اور اُسے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کا کٹا ہوا سر دیکھ کر فرمایا، ''اَللّٰہُ الَّذِی لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ'' (اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود و مطلوب و مقصود نہیں) پھر فرمایا، ''اللہ ہی عظیم ہے اللہ ہی کے لئے حمد و ثنا ہے جس نے اپنا وعدۂ نصرت پورا کیا اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اُس یگانہ و یکتا خدا نے تمام باطل گروہوں کو شکست دی۔''

بروایتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اس اُمت کا فرعون مرگیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدۂ شکر ادا کیا چنانچہ اسی لئے بعض فقہاء نعمت کے ظہور اور آفات و بلیات کے دفع ہونے کے وقت سجدۂ شکر کے مستحب ہونے کے قائل ہیں۔

حضرت معوذ رضی اللہ عنہ اُسی روز بدر کے معرکہ ہی میں شہید ہوگئے لیکن حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور تک زندہ رہے۔

اُمیّہ بن خلف کا انجام

اُمیّہ بن خلف کا شمار قریش کے اکابرین میں ہوتا تھا۔ یہی وہ ظالم تھا جو حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ پر ظلم کے پہاڑ توڑا کرتا تھا۔ وہ جناب بلال رضی اللہ عنہ کو مکّہ کے ریگستانوں میں لے جاتا اور دوپہر کی چلچلاتی

Presented by Ziaraat.Com

دھوپ میں جلتی ہوئی ریت پر بے لباس کر کے لٹا دیتا پھر اُن کے ایمان سے منور سینہ پر بھاری پتھر رکھ دیتا، کوڑوں سے مارتا اور کہتا کہ دینِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو چھوڑ دو میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ جواب میں سراپا ایمان حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہتے ''اَحد اَحد'' یعنی ایک اللہ، ایک اللہ۔

اُس سفاک کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے میدانِ بدر میں دیکھا، وہ اپنے بیٹے کے ساتھ ایک مسلمان عبدالرحمٰن بن عوف کے پاس موجود تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پکار اُٹھے، ''ارے یہ تو راس الکفر اُمیہ بن خلف ہے، بچ کے جانے نہ پائے۔'' عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ یہ میرا قیدی ہے۔ بلال رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ ہوا کرے لیکن اب یہ زندہ نہیں بچے گا، بلال رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں کو پکارا، ''اے انصارِ خدا! یہ راس الکفر اُمیہ بن خلف ہے، زندہ نہ جانے پائے۔'' چنانچہ مجاہدین کے ایک گروہ نے اُس کو گھیرے میں لے لیا، عبدالرحمٰن بن عوف نے اُسے بچانے کی بہت کوشش کی لیکن دونوں باپ بیٹا مارے گئے۔[1] بروایتے اُمیہ بن خلف، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔[2]

عقبہ بن ابی معیط کا انجام

عقبہ بن ابی معیط وہی ملعون تھا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے ہوئے سخت اذیت پہنچائی تھی۔ رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے میں تھے کہ اس ملعون نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گلوئے اقدس میں اپنی چادر ڈال کر بل دینے شروع کر دیے تھے۔

جنگ میں یہ گرفتار ہوا تھا جسے بعد میں بدر سے واپسی پر عرق الطبیہ کے مقام پر حضرت عاصم بن ثابت بن الافلح انصاری رضی اللہ عنہ نے قتل کر کے فی النار کر دیا۔

---

[1] ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۴۲

[2] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۰۸

Presented by Ziaraat.Com

ابوالبختری بن ہشام کا قتل

اس کا پورا نام ابوالبختری عاص بن ہشام بن حارث بن اسد تھا۔ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اس کے دل میں نرم گوشہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیامِ مکّہ کے دوران اس نے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بدسلوکی نہیں کی، ایذا نہیں پہنچائی اور کوئی ایسی بات نہیں کی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناگوار گذرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب قریش ظلم و ستم کرتے تھے تو یہ اُنہیں منع کیا کرتا تھا۔

شعبِ ابی طالب میں محاصرہ کے وقت بنو ہاشم سے قطع تعلق کا جو معاہدہ کیا گیا تھا اُسے منسوخ کرانے میں بھی اس کا بہت عمل دخل تھا۔ اور بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی انسان کی، خواہ وہ مشرک یا دشمن ہی کیوں نہ ہو، نیکی کو فراموش کردیں؟ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر میں اُسے دیکھا تو مسلمانوں کو اُس کے قتل سے منع فرمادیا۔

میدانِ جنگ میں جب اُس کا سامنا ایک انصاری مجاہد مجذرؓ بن زیاد بلوی سے ہوا تو اُسکا بھانجا جنادہ بن ملیحہ بنت زہیر بن حارث بن اسد بھی اُس کے ہمراہ تھا۔ مجذرؓ نے ابوالبختری سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں تمہارے قتل سے منع فرمایا ہے اس لئے میں تمہیں موقع دیتا ہوں کہ تم یہاں سے نکل جاؤ۔ ابوالبختری کہنے لگا کہ میرے ساتھی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ مجذرؓ نے کہا کہ ہمیں صرف تمہارے قتل سے منع کیا گیا ہے، اُسے ہم نہیں چھوڑیں گے۔ ابوالبختری کہنے لگا کہ نہیں! یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اسے چھوڑ کر چلا جاؤں، قریش کی عورتیں مکّہ میں کہتی پھریں گی کہ میں نے اپنی جان بچانے کے لئے اپنے ساتھی کو مروادیا۔ مجذرؓ نے اُسے ہتھیار ڈالنے کو کہا لیکن اُس نے بغیر لڑے گرفتاری دینے سے انکار کردیا اور ایک رجز پڑھا جس کا مطلب تھا کہ شریف آدمی جان دے دیتا ہے لیکن اپنے ساتھی کو دشمن کے مقابلے میں تنہا نہیں چھوڑتا۔ چنانچہ دونوں لڑ پڑے اور آخر کار وہ مجذرؓ بن زیاد کے ہاتھوں مارا گیا۔

مجذر، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے

Presented by Ziaraat.Com

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق پر مبعوث کیا، میں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ اُسے زندہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کروں لیکن اُس نے مجھے لڑائی پر مجبور کردیا اور نہ چاہتے ہوئے میرے ہاتھ سے مارا گیا۔[1]

یہ مجذرؓ کی جلد بازی یا ابوالبختری کی بدقسمتی تھی کہ وہ قتل ہوگیا۔ اگر مجذرؓ خود سے فیصلہ کرنے کی بجائے اُسے کہتے کہ چلو نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر اپنے عزیز کے لئے بھی امان طلب کرو تو ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کو پناہ دے دیتے۔

ابولہب کا انجام

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝١ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝٢ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝٣ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝٤ فِىْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝٥

(ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک و برباد ہوا۔ اُس کا مال اور جو کچھ اُس نے کمایا وہ اُس کے کچھ کام نہ آیا۔ وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا۔ اور (اُس کے ساتھ) اُس کی بیوی بھی جو ایندھن اٹھانے والی ہے۔ اور اُس کی گردن میں مُونج کی بٹی ہوئی رسی ہے۔)[2]

چنانچہ ابولہب ہلاک ہوگیا اور واصلِ جہنم ہوا۔

اگرچہ ابولہب کی موت جنگ بدر میں واقع نہیں ہوئی لیکن اُس کے انجام کا تعلق بالواسطہ بدر سے یوں ہے کہ جنگ بدر کے حالات سنتے ہوئے وہ طیش میں آگیا اور ایک ضعیف مسلمان کو پیٹنے لگا۔

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۴۴

[2] سُورۃ المَسَد (سُورَۃ اللَّهَب)

Presented by Ziaraat.Com

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی زوجہ اُمّ فضل نے ضعیف کو بچانے کے لئے اُس کے سر پر ایک چوب دے ماری جس کے لگنے کے سات دن بعد وہ مر گیا۔ اس واقعہ کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

منقول ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فتح اور کافروں کی شکستِ فاش کی خبر مکّہ پہنچی تو ابولہب وغیرہ نے سخت حیرت و تعجب کا اظہار کیا۔ ابوسفیان بن حارث مکّہ پہنچا تو ابولہب نے بیتابی سے پوچھا، ''بھتیجے! آؤ تمہاری خبر مستند ہوگی۔'' ابوسفیان نے کہا، ''چچا! جب ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب سے مقابلہ کیا تو ہم سب اپنی جگہ ساکت و جامد ہو کر رہ گئے، ہم دیکھتے رہ جاتے اور وہ ہمارے ہتھیار ہمارے جسموں سے اتار لیتے اور ہمارے ہاتھوں کو باندھ دیتے۔ ہم نے زمین و آسمان کے درمیان سفید لباس لوگوں کو دیکھا جو ابلق گھوڑوں پر سوار تھے اور کوئی اُن کا کچھ نہ بگاڑ سکتا تھا۔'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ابوسفیان کی بات سن کر) میں نے کہا کہ بخدا وہ تو فرشتے تھے۔ اس پر ابولہب سخت غصے میں آ گیا، اُس نے میرے منہ پر زوردار طمانچہ مارا، مجھے اُٹھا کر زمین پر پٹخ دیا اور پھر میرے سینے پر چڑھ کر لاتیں مارنے لگا حالانکہ میں بوڑھا اور ناتواں شخص تھا اور اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ اُم الفضل رضی اللہ عنہا نے جو میرا یہ حال دیکھا تو ایک موٹی چوب اُٹھا کر ابولہب کے سر پر دے ماری اور وہ ذلیل و خوار ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔ سات دن کے بعد ''عدسہ'' کی بیماری نے اُس پر حملہ کیا اور وہ مر گیا۔ عرب اس بیماری کو متعدی سمجھتے تھے اس لئے اُس کے مرنے کے بعد خوف کی وجہ سے کوئی بھی اُس کے قریب نہ گیا اور وہ تین دن تک مردہ حالت میں یونہی پڑا رہا۔ پھر اُجرت پر مزدور بلائے گئے جو اُسے اُٹھا کر مکّہ سے باہر لے گئے، ایک گڑھا کھود کر اُس میں دبایا اور گڑھے کو بند کر کے اُس پر پتھر رکھ دیے۔[1]

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۸۸
شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۳۳

Presented by Ziaraat.Com

شہدائے بدر کے اسمائے گرامی

جنگِ بدر میں چودہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جامِ شہادت نوش کیا جن میں چھ مہاجرین اور آٹھ انصار تھے۔انصارین میں چھ قبیلہ خزرج کے لوگ تھے اور دو قبیلہ اوس کے۔[۱]

''ویکی پیڈیا آزاد دائرۃ المعارف'' کے مطابق شہدائے کرام کے نام اور مختصر تعارف مندرجہ ذیل ہے۔ یہی نام دیگر کتب میں بھی ملتے ہیں اور بدر کے مقام پر نصب ایک کتبے پر بھی درج ہیں:

۱) جناب عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ: یہ بنی ہاشم میں سے تھے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار تھے۔ بروایتے سب سے پہلے اسلامی سریہ (سریۂ عبیدہ بن حارثؓ، اس کا ذکراُوپر گذر چکا ہے) کے سردار یہی تھے۔ شہادت کے وقت اِن کی عمر ۶۳ سال تھی۔

۲) جناب مہجع بن صالح رضی اللہ عنہ: مروی ہے کہ یہ پہلے شہید تھے۔جب آغازِ جنگ تیروں سے ہوا تو ایک تیران کے آلگا اور یہ شہید ہو گئے۔[۲]

۳) جناب حارث یا (حارثہ) بن سراقہ بن حارث رضی اللہ عنہ: یہ بنی عدی بن نجار میں سے تھے،اِن کی والدہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔یہ حوض پر پانی پی رہے تھے کہ ایک تیران کے حلق میں لگا۔بقولے جناب مہجع بن صالح رضی اللہ عنہ کے بعدان کو تیر لگا۔[۳]

۴) جناب عمیر بن حمام بن جموح بن زید بن حرام رضی اللہ عنہ: یہ بنی سلمہ میں سے تھے۔انہوں نے حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کے ساتھ مواخات کی تھی۔دونوں ایک ہی میدان میں سرخرو ہوکر رونق افروزِ جنت ہوئے۔

۵) جناب ذوالشمالین عمیر بن عبد عمیر بن نضلہ رضی اللہ عنہ: ان کا نام عمیر اور لقب ذوالشمالین تھا۔اِن کی کنیت ابو محمد تھی۔یہ قبیلہ بنو زہرہ کے حلیف تھے۔

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۳۴

[۲] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۱۸

[۳] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۱۸

Presented by Ziaraat.Com

۶) جناب عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ: یہ سعد بن ابی وقاص کے بھائی تھے۔شہادت کے وقت ان کی عمر صرف ۱۶ سال تھی۔ بروایتے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِن کو کم عمری کی بنا پر جنگ سے واپس کرنا چاہا تو یہ رونے لگے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمادی۔

۷) جناب عوف (عوذ) بن عفرا رضی اللہ عنہ یا عوف (عوذ) بن الحارث رضی اللہ عنہ: یہ انصاری صحابی تھے۔اِن کی والدہ کا نام عفرا اور والد کا نام حارث تھا۔کچھ روایات میں اِن کے نام کے ساتھ اِن کی والدہ کا نام آیا اور بعض میں والد کا نام آیا ہے۔

۸) جناب معوذ بن عفرا رضی اللہ عنہ یا معوذ بن الحارث رضی اللہ عنہ: یہ عوف بن عفرا رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔اُن کے نام کی طرح اِن کا نام بھی روایات میں دونوں طرح آیا ہے۔

۹) جناب عاقل بن البکیر بن عبد یالیل رضی اللہ عنہ

۱۰) جناب ابنِ حارث بن قیس رضی اللہ عنہ: ان کا پورا نام یزید بن حارث تھا۔ یہ انصاری صحابی تھے۔

۱۱) جناب رافع بن معلیٰ بن لوذان: یہ بھی انصاری صحابی تھے۔

۱۲) جناب مبشر بن عبد المنذر بن زبیر بن زید رضی اللہ عنہ: یہ بھی انصاری صحابی تھے۔

۱۳) جناب سعد بن خیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ: اِن کی کنیت ابو عبد اللہ اور لقب سعد الخیر تھا۔اِن کے والد نے اِنہیں جنگ پر جانے سے روکا تھا، بروایتے اِن کی جگہ وہ خود جانا چاہتے تھے لیکن انہوں نے کہا کہ مجھے جنت میں جانے سے نہ روکو۔اِن کے والد حضرت خیثمہ رضی اللہ عنہ غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے۔

۱۴) جناب عمار بن زیادہ بن رافع انصاری رضی اللہ عنہ یا جناب صفوان بن وہب رضی اللہ عنہ (بعض کتابوں میں جناب صفوان کا ذِکر آیا ہے اور بعض میں جناب عمار کا۔مؤلف)

ان شہداء بدر میں سے تیرہ تو میدان بدر ہی میں مدفون ہوئے مگر حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے چونکہ بدر سے واپسی پر منزل ”صفراء“ میں وفات پائی اس لئے اُن کی قبر منزل ”صفراء“ میں ہے۔

تاریخ عالم کی اس عظیم اور فیصلہ کن جنگ میں طرفین کا جانی نقصان اس قدر کم ہونے کی وجہ جناب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلۂ رحمی اور بہترین جنگی حکمت عملی تھی۔

Presented by Ziaraat.Com

بدر سے واپسی

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دشمنوں پر غلبہ اور فتح پاتے تو تین روز اُسی میدان میں قیام فرماتے تھے چنانچہ بدر میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین روز قیام فرمایا، تیسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سورای طلب فرمائی، پس سواری پیش کی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار ہوئے، صحابہؓ کی ایک جماعت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ چلی، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کنویں پر تشریف لائے جس میں کفار کی لاشوں کو ڈالا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لاشوں میں سے ہر ایک کا نام لے کر فرمایا کی تم بدخویش و عاقبت نااندیش ہو کہ تم نے مجھے جھٹلایا.... الخ'' اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ اُن جسموں کو مخاطب فرما رہے ہیں جن میں روحیں نہیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اُس خدا کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم ان سے زیادہ اس بات کے سننے والے نہیں ہو، جو کچھ میں خطاب کر رہا ہوں وہ خوب سُن رہے ہیں لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر سے عازمِ مدینہ ہوئے تو جنگ میں حاصل ہونے والا مالِ غنیمت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ مالِ غنیمت کی نگرانی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن کعب بن زید کو تفویض کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفراء کی گھاٹی کو عبور کر کے، صفراء اور ناریہ کے بیچ واقع سیر نامی سرخ ریت کے ٹیلہ پر قیام فرمایا اور مالِ غنیمت سب مسلمانوں میں تقسیم کیا۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ایک چشمہ آب ارواق سے پانی لایا گیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام روحاء پر پہنچے تو مدینہ کے مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استقبال کے لئے حاضر ہوئے اور فتح کی مبارکباد دی۔[2]

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۳۴

[2] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ حصہ اوّل ص ۱۴۹

Presented by Ziaraat.Com

نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجام حضرت ابو ہند انصاری رضی اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر سے واپسی پر صفراء اور روحا کے بعد عرق انطبیہ تشریف لائے تو حضرت ابو ہند انصاری رضی اللہ عنہ دودھ، مسکہ کی کھیر اور کھجور لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجام تھے اور کسی سبب سے جنگِ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے جب کہ اُنہوں نے باقی تمام غزوات میں شرکت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو دیکھ کر مسرت کا اظہار کیا اور مسلمانوں سے فرمایا کہ ابو ہند انصار میں سے ہیں تم ان کو اپنی بیٹیاں دو اور ان کی لو۔ چنانچہ صحابہؓ نے اس حکم پر عمل کیا۔ یہاں سے رخصت ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے۔ [۱]

اسیرانِ بدر

اس غزوہ میں کفار کے مقتولین کی تعداد ستر (۷۰) تھی اور تقریباً اتنے ہی اسیر تھے۔ [۲] مدینہ منورہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن اسیران کو خوشحال صحابہؓ میں تقسیم کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو اُن کے قیام وطعام کی ذمہ داری سونپتے ہوئے فرمایا کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ اُس وقت اسلامی حکومت اگرچہ قائم ہو چکی تھی، جس کا ایک دستور اور آئین (میثاقِ مدینہ) بھی تھا لیکن اُس مملکت میں کوئی قید خانہ نہیں تھا۔ روئے زمین پر شاید یہ پہلی اور آخری سلطنت ہو گی جس میں قید خانہ نہیں تھا اور یہ بھی جناب رحمۃً للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انسانیت پر کی گئی رحمتوں میں سے ایک ایسی رحمت ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔

کفار کے قیدیوں میں سے ایک قیدی، ابو عزیز بن عمیر بن ہاشم سے مروی ہے کہ جب قیدیوں کو بدر سے مدینہ لایا گیا تو مجھے انصاریوں میں رکھا گیا۔ وہ میرے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے تھے کہ جب صبح وشام کھانا کھانے بیٹھتے تو روٹی مجھے کھلاتے اور خود کھجور پر اکتفا کرتے۔ جس کے پاس

---

[۱] ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ حصہ اوّل ص ۱۴۹

[۲] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۳۴

Presented by Ziaraat.Com

روٹی ہوتی وہ مجھے دے دیتا اور مجھے شرم آتی کہ میں اکیلا روٹی کھاؤں لہٰذا میں انکار کر دیتا مگر وہ اُسے پھر مجھے دے دیتے۔[1] (واضح رہے کہ عرب میں کثرتِ پیداوار کی بنا پر کھجور کو ایک عام خوراک سمجھا جاتا تھا جبکہ گندم کم یاب ہونے کی وجہ سے روٹی کو خاص اہمیت حاصل تھی۔)

اسیرانِ قریش میں سے بعض ایمان لے آئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی اُن میں شامل تھے۔ اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ پہلے سے ہی مسلمان تھے لیکن اُنہوں نے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا ہوا تھا۔ روایات میں ملتا ہے کہ کفار کے درمیان رہتے ہوئے وہ مشرکوں کی خبریں لکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا کرتے تھے۔ مروی ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر رہنا چاہتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو پیغام بھیجا کہ تمہارا وہیں ٹھہرے رہنا بہتر ہے۔[2]

روایت ہے کہ مسلمانوں نے اسیرانِ بدر کی مشکیں کس رکھی تھیں۔ رات آئی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ مشکوں کی بندش سے کراہنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے کراہنے کی آواز سُنی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے چین ہو گئے اور اس وجہ سے آرام نہ فرما سکے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استراحت کیوں نہیں فرما رہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے چچا عباس کے کراہنے کی وجہ سے۔ اصحابؓ نے جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے چینی دیکھی تو فوراً حضرت عباس کے بند ڈھیلے کر دیئے، پس کچھ سکون ملا تو عباس رضی اللہ عنہ سو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ عباس کی آواز کیوں نہیں آ رہی؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے بند ڈھیلے کر دیے گئے ہیں۔ اس پر جنابِ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمام اسیروں کی بندشیں ڈھیلی کر دی جائیں۔[3]

---

[1] ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ حصہ اوّل ص ۱۵۰
[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۳۸
[3] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۳۸

Presented by Ziaraat.Com

اُس دور میں جنگی قیدیوں کے ساتھ انتہائی بہیمانہ سلوک کیا جاتا تھا، اُن پر تشدد کیا جاتا، جسم کے بعض اعضاء وجوارح کاٹ دیے جاتے تھے یا قتل کر دیا جاتا تھا مگر عالمین کے لئے رحمت بن کر مبعوث ہونے والے رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عفو ودرگزر اور رحم وکرم سے کام لیا اور قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور نرمی سے پیش آنے کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قیدیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک انسانی اقدار کے حوالے سے اس قدر شاندار عمل تھا کہ تیرہ سو سال بعد اقوام متحدہ کے دستور کی ایک اہم شق بن گیا۔

مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک قیدی سہیل بن عمرو (جو اپنی قوم میں بہت بڑا خطیب سمجھا جاتا تھا) سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کے نیچے والے دو دانت اکھاڑ لوں تا کہ یہ آئندہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی مخالفت میں تقریر نہ کر سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مُثلہ کرنا جائز نہیں ہے، اگر میں اس کا کوئی عضو قطع کروں گا تو میرے نبی ہونے کے باوجود (روزِ محشر) اللہ عزوجل میرے اعضا کو قطع کرے گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ ممکن ہے اس کا زورِ خطابت کبھی حق کی حمایت میں ہو۔ پس سہیل بن عمرو کو بغیر کوئی جسمانی ضرر پہنچائے رہا کر دیا گیا۔[۱]

اسیرانِ بدر کی رہائی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مالدار قیدیوں کو فدیہ کے عوض رہا کر دیا، جو قیدی زرِ فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے مگر پڑھے لکھے تھے، اُن کا فدیہ یہ مقرر فرمایا کہ وہ ناخواندہ مسلمانوں کو ایک مقررہ مدت تک تعلیم دیں، اور جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور نادار بھی تھے، اُنہیں بغیر فدیہ کے ویسے ہی رہا کر دیا گیا۔[۲]

---

[۱] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۰۷ بحوالہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۸۹

[۲] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۱۰۔ خواجہ محمد لطیف، اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ، ج ۱ ص ۸۸

Presented by Ziaraat.Com

بعض مؤرخین لکھتے ہیں (جن کے بیان سے ہمیں اتفاق نہیں۔مؤلف) کہ قیدیوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ اصحاب سے مشورہ کیا اور اُس پر عمل کرتے ہوئے زرِفدیہ لے کر قیدیوں کو رہا کیا اور بعد میں اس پر پشیمان ہوئے اور گریہ بھی کیا کہ فدیہ قبول کر لینے پر عنقریب عذابِ الٰہی نازل ہوگا۔[1] ہمیں اس روایت سے اس لئے اتفاق نہیں کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی ایسا کام کریں جو حکمِ الٰہی کے خلاف ہو۔کام تو دُور کی بات ہے ہمارے نزدیک تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر قول بھی قولِ خدا ہوتا تھا، جیسا کہ مدارج النبوت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب فرماتے ہیں،"حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر قول و فعل حکمِ الٰہی کا تابع ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فعل و ترک،لطف و قہر اور عفو و اخذ میں سے کوئی بھی چیز اللہ کے حکم کے بغیر نہ کرتے تھے اور کوئی بات اپنی مرضی و خواہش کے مطابق نہ کرتے تھے اور جو کچھ بھی ہوتا اُسے تقدیرِ الٰہی اور حکمِ خدا قرار دیتے تھے۔[2] پس یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے جیسے عام انسانوں کی طرح خلافِ شریعت کوئی کام کریں اور پھر عذابِ الٰہی کے خوف سے پچھتانے بیٹھ جائیں۔

ایک اہم نکتہ: شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب کے مندرجہ بالا بیان کے دوسرے حصّے،"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی بات اپنی مرضی و خواہش کے مطابق نہ کرتے تھے" سے ہم یہ مراد نہیں لیتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی کوئی مرضی و خواہش تھی ہی نہیں، بلکہ ہم اس سے یہ مطلب اخذ کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر مرضی و خواہش حکمِ الٰہی کے مطابق ہوتی تھی اور جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش ہوتی تھی وہی رضائے الٰہی ہوتی تھی، یعنی اللہ کی رضا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا میں اللہ کی رضا، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہوتا ہے:

"تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَ مَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ حصہ اوّل ص ۱۵۰

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۳۷

Presented by Ziaraat.Com

جُنَاحَ عَلَیْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ تَقَرَّ اَعْیُنُهُنَّ وَ لَا یَحْزَنَّ وَ یَرْضَیْنَ بِمَاۤ اٰتَیْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا ﴿۵۱﴾

(اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تم) پیچھے ہٹاؤ ان میں سے جسے چاہو اور اپنے پاس جگہ دو جسے چاہو اور جسے تم نے کنارے کر دیا تھا اُسے تمہارا جی چاہے تو اس میں بھی تم پر کچھ گناہ نہیں یہ امر اس سے نزدیک تر ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور غم نہ کریں اور تم انہیں جو کچھ عطا فرماؤ اس پر وہ سب کی سب راضی رہیں اور اللہ جانتا ہے جو تم سب کے دلوں میں ہے، اور اللہ علم و حلم والا ہے)[۱]

سریۂ عمیر بن عدی

(رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری)

مدینہ کے نواح میں ایک یہودی ہجوگو شاعرہ عصماء بنت مروان خطمیہ رہتی تھی۔ وہ یزید بن خطمی کی بیوی تھی، نہایت بدکردار اور زبان دراز تھی اور اپنی ہرزہ سرائی سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت اذیّت پہنچایا کرتی تھی۔ وہ اپنے شعروں کے ذریعے اسلام اور اہلِ اسلام کی برائیاں کرتی اور اپنی قوم کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر اُکسایا کرتی تھی۔ اُس کی یاوہ گوئی اور اشتعال انگیز شاعری کسی وقت بھی مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان بہت بڑے تصادم کا سبب بن سکتی تھی جس کی وجہ سے کئی قیمتی جانوں کا ضیاع ہوسکتا تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ اُس کے فتنے کو فوراً فرو کیا جاتا اور کئی لوگوں کی جان بچانے کے لئے اُس ایک شرپسند کو ہی خاموش کرا دیا جاتا۔

پس سنہ دو ہجری میں رمضان المبارک کے مہینے میں حضرت عمیر بن عدی بن خرشہ رضی اللہ عنہ نے اُسے قتل کر کے اُس کی زبان ہمیشہ کے لئے بند کر دی۔[۲]

---

[۱] سورۃ الاحزاب، آیت ۵۱

[۲] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۳ ص ۱۸۷

Presented by Ziaraat.Com

غزوۂ قرقرۃ الکدیٰ یا غزوۃ الکُدر

(۲۵ رمضان ۲ ہجری/ ۲۰، ۲۱ مارچ ۶۲۴ء)

غزوۂ قرقرۃ الکدیٰ، ۲۵ رمضان ۲ ہجری/ ۲۰، ۲۱ مارچ ۶۲۴ء میں پیش آیا۔[۱]

بعض مؤرخین نے اسے ۱۹ محرم سنہ ۳ ہجری میں بھی لکھا ہے۔[۲]

''قرقرۃ''، ہموار زمین کو کہتے ہیں اور ''کدیٰ یا کُدر'' گہرے سرمئی رنگ کے ایک پرندے کا نام ہے۔ یہ غزوہ جس علاقے میں پیش آیا اُس کی زمین ہموار تھی اور وہاں کدیٰ یا کُدر نامی پرندے کی بہتات تھی اس لئے اسے قرقرۃ الکدیٰ یعنی سرمئی پرندوں والی ہموار زمین کہا جاتا تھا اور اس نسبت سے اس غزوہ کو غزوۂ قرقرۃ الکدیٰ یا غزوۃ الکدر کہا جاتا ہے۔

اس علاقے میں قبیلہ بنوسلیم رہتا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی کہ قبیلہ بنوسلیم اور غطفان کے لوگ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کے لئے اکٹھے ہو رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کی سرکوبی کے لئے مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ ہوئے۔ لشکر کا علم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شیرِ خدا حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کو دیا۔[۳]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں حضرت سباع بن عرفطہ انصاری کو اور بقولے حضرت ابنِ اُمِ کلثوم کو عامل مقرر کیا اور الکدر کی طرف کوچ فرمایا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الکدر پہنچے تو وہاں کوئی دشمن نہ ملا چنانچہ چند صحابہ کو اُن کی تلاش میں روانہ کیا اور خود باقی اصحاب کے ساتھ وادیٔ بطن میں تشریف لے گئے۔ وہاں کچھ چرواہے ملے جو اُونٹوں کو چرا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن میں سے ایک غلام جس کا نام ''یسار'' تھا، سے پوچھا کہ بنی سلیم اور غطفان کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں؟ اُس نے بتایا کہ پہلے تو پانی کے کنارے ٹھہرے ہوئے

---

[۱] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۴۷۱

[۲] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۱۹

[۳] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۴۳

Presented by Ziaraat.Com

تھے اب معلوم نہیں کہاں ہیں۔ دراصل بنو سلیم کو آپ ﷺ کی پیش قدمی کی خبر ہو گئی تھی اور وہ اتنے سراسیمہ ہوئے کہ راتوں رات پہاڑوں میں جا چھپے۔[1]

آپ ﷺ نے وہاں دو یا تین دن تک قیام فرمایا۔ اس سفر کی مجموعی مدت پندرہ دن تھی۔ بعض مؤرخ اس غزوہ کو غزوۂ سویق کے بعد بیان کرتے ہیں۔

عیدالفطر اور صدقہ فطر

(۲۸ رمضان المبارک ۲ ہجری/ ۲۴ مارچ ۶۲۴ء)

شعبان میں روزے فرض ہوئے تو مہربان رب کی طرف سے روزہ داروں کی خوشی کا سامان بھی ساتھ ہی کر دیا گیا۔ رمضان کا مہینہ ابھی تمام نہیں ہوا تھا کہ ۲۸ تاریخ (۲۸ رمضان المبارک ۲ ہجری/ ۲۴ مارچ ۶۲۴ء) کو ہی عیدالفطر کی نوید سنا دی گئی۔ عیدالفطر کی خوشیوں میں غریب و نادار لوگوں کی بھرپور شمولیت کو یقینی بنانے کے لئے دِین نے ہر صاحبِ حیثیت پر صدقہ فطر کو واجب قرار دیا۔ (کن لوگوں پر صدقہ فطر یا زکوۃ فطرہ واجب ہے اور کن پر نہیں؟ اور کس طرح ادا کیا جائے؟ تفصیلات کے لئے فقہ کی مستند کتب سے استفادہ کریں۔ مؤلف)

مومنین نے پہلی نمازِ عید رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں پڑھی اور عید کا خطبہ سنا۔[2] یہ پہلی عید مومنین کے لئے عیدالفطر بھی تھی، عید آزادی بھی اور عید فتح بھی۔ عید آزادی اس طرح کہ ہجرت کرنے کے بعد قریش کے تسلط سے آزاد ہوئے اور میثاقِ مدینہ کے ذریعے اپنی خود مختار ریاست کو قائم کیا اور عید فتح اس حوالے سے کہ غزوۂ بدر اور غزوۃ الکدر میں فتحیاب ہوئے۔

---

[1] ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، سیرت النبی ﷺ (اردو)

[2] مشکوٰۃ، باب صلوٰۃ العیدین۔ محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد، ۲۴۸:۱

Presented by Ziaraat.Com

سریۂ سالم بن عمیر

(۲ہجری/ ۶۲۴ء)

''المواھبُ اللدنیۃ'' میں غزوۂ قرقرۃ الکدیٰ کے بعد سریۂ سالم بن عمیر بیان کیا گیا ہے۔

یہ سریہ، سریۂ عمیر بن عدی (جس کا ذِکر اُوپر آچکا ہے) سے بہت مماثلت رکھتا ہے۔ اِس میں حضرت سالم بن عمیرؓ ایک یہودی ابی عفکہ کی طرف گئے تھے۔ ابی عفکہ بھی ہجو گو شاعرہ عصماء بنت مروان خطمیہ کی طرح ہرزہ سرائی کر کے لوگوں کو حضور اکرم ﷺ اور اسلام کے خلاف ورغلاتا اور ابھارتا تھا اور ایسے اشعار کہتا تھا جن میں لوگوں کو حضور ﷺ اور دینِ اسلام سے منحرف کرنے کی ترغیب ہوتی تھی۔ اُس کی اشتعال انگیز شاعری اور تعصب سے بھرپور باتیں مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان تصادم کا باعث بن سکتی تھی اور کئی قیمتی جانوں کا ضیاع ہوسکتا تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ عصماء بنت مروان خطمیہ کی طرح اِس کے فتنے کو بھی فوراً فرو کیا جاتا اور کئی لوگوں کی جان بچانے کے لئے اِس ایک شیطان کو خاموش کردیا جاتا۔ چنانچہ حضرت سالمؓ اُس کی طرف گئے اور اس کے جگر میں تلوار گھونپ کر اُسے واصلِ جہنم کردیا۔[۱]

غزوۂ قینقاع

(۱۵ شوال ۲ہجری/ ۱۰ اپریل ۶۲۴ء)

یہ غزوہ ۱۵ شوال ۲ہجری/ ۱۰ اپریل ۶۲۴ء میں ہجرت کے بیسویں مہینہ کے شروع میں، غزوۂ بدر کے ایک ماہ بعد ہوا۔ قینقاع، مدینہ منورہ میں واقع یہودیوں کی ایک بستی کا نام تھا جس میں قبیلہ بنوقینقاع رہتا تھا۔

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۴۴ بحوالہ المواھبُ اللدنیہ

Presented by Ziaraat.Com

یہودیوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کے ایک معاہدے (میثاقِ مدینہ، جس کا ذِکر اُوپر آچکا ہے) کے تحت مصالحت کرلی تھی اور عہد کیا تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کریں گے نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں کی مدد کریں گے بلکہ دشمن کے حملے کی صورت میں وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کریں گے۔ اُس معاہدہ صلح میں یہودیوں کے تین قبیلے تھے، بنوقریظہ، بنونضیر اور بنوقینقاع۔ بنوقینقاع وہ قبیلہ تھا جس نے سب سے پہلے عہد شکنی کی۔

روایت ہے کہ ایک نقاب پوش مسلمان عورت بنوقینقاع میں دودھ بیچنے گئی تھی۔ چند اوباش یہودیوں نے شرارت سے اُس کی نقاب اُلٹ دی اور اُس سے چھیڑخانی کرنے لگے۔ عورت نے صدائے احتجاج بلند کی تو ایک مسلمان اُس کی مدد کے لیے پہنچا۔ یہودی اُس پر پل پڑے۔ مسلمان نے ایک یہودی کو مارڈالا اور لڑتا ہوا خود بھی شہید ہوگیا۔ باوجود اس کے کہ مسلمان بھی شہید ہوچکا تھا، یہودی مشتعل ہوگئے۔ وہ مسلمانوں کو للکارنے لگے اور خون خرابے پر تُل گئے۔ مسلمانوں نے اس کے باوجود نہایت صبر وتحمل اور نظم وضبط کا مظاہرہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واقعہ کی خبر کی۔ [1]

’’مدارج النبوت‘‘ میں یہ روایت اسطرح بیان کی گئی ہے کہ ایک مسلمان عورت (قینقاع کے) بازار میں ایک سنار کے سامنے بیٹھی تھی کہ ایک یہودی نے عقب سے آکر اُس کا دامن اُٹھایا اور اُس کی پشت کی جانب سے یوں باندھ دیا کہ جب وہ عورت کھڑی ہوئی تو اُس کا ستر کھل گیا اور لوگ اُس پر ہنسنے لگے۔ عورت فریاد کرنے لگی۔ ’’المواھبُ اللدنیة‘‘ میں اس فعل کو اُسی سنار سے منسوب کیا گیا ہے جس کی دوکان پر وہ بیٹھی تھی۔ ایک مسلمان وہاں موجود تھا اُس نے عورت کی فریاد سُن کر تلوار کھینچ لی اور اُس یہودی سنار کو قتل کردیا۔ چنانچہ قوم یہود اکٹھی ہوگئی اور اُس مسلمان پر حملہ آور ہوکر اُسے شہید کردیا۔ [2]

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۴۸۸

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۴۵، احمد بن محمد قسطلانی (متوفی ۹۲۳ ہجری)، المواھبُ اللدنیة

Presented by Ziaraat.Com

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قوم یہود کو نصیحت فرمائی کہ اس قسم کی حرکتوں سے باز آجاؤ، امن وسلامتی کی راہ اختیار کرو اور خدا کے غضب سے ڈرو کہ کہیں تم پر بھی وہ عذاب نازل نہ ہو جائے جو قریش پر نازل ہوا ہے۔[1]

اس پر وہ تمام یہودی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو بیہودہ گوئی کرنے لگے اور نامعقول باتیں بکنے لگے۔ اُنہوں نے سخت بغض اور حسد وعناد کا اظہار کیا اور کہنے لگے کہ یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیں بھی اپنی قوم کی طرح سمجھ بیٹھے ہیں؟ اس غلط فہمی میں نہ رہیے گا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُن لوگوں کے ساتھ جنگ کی ہے جو فنونِ حرب سے واقف ہی نہیں تھے، اس لئے اُن پر غلبہ پا لیا، اگر ہمارے ساتھ جنگ کرتے تو آپ کو لگ پتا جاتا کہ جنگ کیا ہوتی ہے؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جان لیا کہ یہ قوم نقضِ عہد پر آمادہ ہے۔ جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے تائید الٰہی بھی ہوگئی اور یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

(اور اگر آپ کو کسی جماعت کی طرف سے خیانت (عہد شکنی کا) اندیشہ ہو تو پھر اُن کا معاہدہ اس طرح اُن کی طرف پھینک دیں کہ معاملہ برابر ہو جائے۔ بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔)[2]

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا مدینہ میں بطور عامل تقرر کیا، ایک سفید علم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا اور بنو قینقاع کی جانب متوجہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کا محاصرہ کر لیا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی بن سلول نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روکنے کی بہت کوشش کی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محاصرہ جاری رکھا۔ یہودی اپنے حلیف قبیلے بنو نُضیر

---

[1] سیرۃ ابن ہشام۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۴۸۸

[2] سورۃ الانفال، آیت ۵۸

Presented by Ziaraat.Com

اور اپنے ساتھی عبداللہ بن اُبی کی طرف سے کسی کمک کے منتظر تھے لیکن اُنہیں اُن کی مدد کرنے کا حوصلہ نہ ہوا چنانچہ پندرہ دن بعد وہ اپنی محصوری سے تنگ آ گئے اور یکم ذیقعدہ ۲ ہجری بمطابق ۲۵ یا ۲۶ اپریل ۶۲۴ء کو غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیے۔ (۱)

مدارج النبوت میں ہے کہ اُنہوں نے یہ پیشکش کی کہ محاصرہ ختم کر دیا جائے، اُن کے تمام اموال حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہوں گے مگر اُن کی عورتیں اور بچے اُنہی کے پاس رہیں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے محاصرہ ختم کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کے قتل اور غارت گری سے درگزر فرمایا اور حکم دیا کہ وہ مدینہ سے نکل جائیں۔ چنانچہ بنوقینقاع جو تعداد میں سات سو تھے، شام کے علاقے ازرعات میں جا بسے۔ (۲) بروایتے حضرت عبادہ بن صامت کو مامور کیا گیا کہ وہ اُنہیں مدینہ کی سرحد تک چھوڑ کے آئیں۔ (۳)

اُن کا جو مال اور اسلحہ، مالِ غنیمت بنا اُس سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اس مال میں سے پانچواں حصہ خمس نکالو۔ ''روضۃ الاحباب'' میں ہے کہ یہ پہلا خمس تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم سے نکالا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس مال میں سے اپنے لئے تین کمانیں، تین تلواریں اور تین نیزے منتخب کیے۔ (۴)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ○

---

(۱) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص ۴۸۸

(۲) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد۔ سنن ابی داؤد۔ مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۴ء)، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(۳) علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۱۳۔ ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۹۷

(۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۴۵۔ جمال الدین محدث، روضۃ الاحباب

Presented by Ziaraat.Com

سیدۃ نساء العالمین حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کا نکاح

(یکم ذی الحجہ سنہ ۲ ہجری / ۲۵ مئی ۶۲۴ء)

ایک روایت کے مطابق یکم ذی الحجہ سنہ ۲ ہجری کو، دوسری روایت کے مطابق ۶ ذی الحجہ سنہ ۲ ہجری کو اور تیسری روایت کے مطابق ۱۵ رجب سنہ ۲ ہجری کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادی جناب سیّدہ فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کا عقد جناب علی علیہ السلام سے فرمایا اور ۲۴ ذی الحجہ ۲ ہجری کو اور بروایتے ۱۹ ذی الحجہ ۲ ہجری کو آپ علیہا السلام کی رخصتی فرمائی۔ امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہم السلام سے مروی ہے کہ نکاح رمضان ۲ ہجری میں اور رخصتی اُسی سال ذی الحجہ میں ہوئی۔ کتاب اقبال الاعمال میں شیخ مفید علیہ الرحمۃ کی کتاب حدائق الریاض کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام ۲۱ محرم ۳ ہجری بروز پنجشنبہ اپنے پدر بزرگوار کے گھر سے رخصت ہو کر حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے گھر تشریف لائیں۔[۱]

روایت ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے پھر حضرت عمرؓ نے شادی کا پیغام بھیجا جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے اِعراض فرمایا۔[۲]

اُن کے بعد عبدالرحمٰن نے بھی پیغام بھیجا اور کثیر حق مہر دینے کی بات کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبدالرحمٰن سے فرمایا کہ فاطمہ (علیہا السلام) کی شادی خدا کے حکم سے ہوگی، تم نے جو مہر کی زیادتی کا حوالہ دیا ہے وہ افسوس ناک ہے، تمہاری درخواست قبول نہیں کی جا سکتی۔[۳]

کنز العمال میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے اِعراض فرمایا تو دونوں اصحاب حضرت علی علیہ السلام کے پاس گئے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں، اُس وقت

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، بحار الانوار، ج ۳ ص ۷ ۱۳ بحوالہ اقبال الاعمال و دیگر اسناد

[۲] علامہ علاء الدین علی متقی (متوفی ۹۷۵ء)، کنز العمال ج ۷ حصہ سیز دہم ص ۳۱۲

[۳] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، بحار الانوار، ج ۳ ص ۱۲۶، ۱۲۷

Presented by Ziaraat.Com

میں کھجوروں کو پانی دے رہا تھا۔ اُنھوں نے کہا کہ تمہارے چچا کی بیٹی کے لیے نکاح کا پیغام دیا جا رہا ہے۔ علی علیہ السلام کے الفاظ ہیں، ''اُنھوں نے گویا کہ مجھے جگا دیا اور میں اپنی چادر لیے اُٹھ کھڑا ہوا اور (فوراً) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''علی! کیا چاہتے ہو؟'' میں نے عرض کیا، ''آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فاطمہ (علیہا السلام) سے میری شادی کرا دیں۔'' فرمایا، ''تمہارے پاس (حق مہر کے لئے) کوئی چیز ہے؟'' میں نے کہا، ''میرے پاس گھوڑا اور میری زرہ ہے۔'' آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، ''گھوڑا تو (تمہارے لئے) ضروری ہے ہاں البتہ زرہ بیچ دو۔'' پس میں نے ۴۸۰ درہم میں زرہ بیچ دی اور رقم لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوا۔ (وہ رقم جناب سیّدہ علیہا السلام کا مہر قرار پائی) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک چارپائی اور ایک تکیہ جو چھال سے بھرا ہوا تھا جہیز میں دیا اور فرمایا کہ (رخصتی کے بعد) جب فاطمہ (علیہا السلام) تمہارے گھر پہنچ جائیں تو میرا انتظار کرنا۔[۱]

روایت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنی زرہ ۵۰۰ درہم میں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ فروخت کی اور اُس رقم سے مہر ادا کیا۔[۲]

بروایتے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حضرت علی علیہ السلام نے شادی کی درخواست پیش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیّدہ فاطمہ علیہا السلام سے اُن کی مرضی دریافت فرمائی۔ سیّدۃ نساء العالمین علیہا السلام چُپ ہو رہیں۔ یہ ایک طرح کا اظہارِ رضامندی تھا۔[۳]

بعض علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے خود فرمایا کہ اے علی! مجھے خدا نے کہہ دیا ہے کہ فاطمہ (علیہا السلام) کی شادی تمہارے ساتھ کردوں۔ کیا تمہیں منظور ہے؟ حضرت علی علیہ السلام نے عرض کیا، ''بیشک۔''[۴] یہی روایت صحاح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ،

---

[۱] علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدین، کنز العمال ج ۷ حصہ سیزدہم ص ۳۱۲

[۲] مناقب ابن شہر آشوب ج ۴ ص ۱۴۔ علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۹۵

[۳] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے ص ۹۵ بحوالہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ا ص ۲۶۱

[۴] محب الدین طبری، ریاض النضرہ ج ۲ ص ۱۸۴ طبع مصر

Presented by Ziaraat.Com

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور اُم المومنین حضرت اُم سلمیٰ رض نے کی ہے۔

ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ (علیہا السلام) کا نکاح علی (علیہ السلام) سے کر دوں۔''[1]

علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ شادی کا پیغام محمود نامی ایک فرشتہ لے کر آیا تھا۔[2] کچھ علماء نے جبرائیل علیہ السلام کا حوالہ دیا ہے کہ وہ پیغام لے کر آئے تھے۔[3]

''مدارج النبوّت'' میں ہے کہ جناب سیّدہ فاطمہ زہرا علیہا السلام اور حضرت علی علیہ السلام کا عقد ۲ ہجری ماہِ رمضان میں ہوا جب کہ اس کی بناء ماہِ ذوالحجہ میں ہے۔ ماہِ صفر میں اور غزوۂ اُحد کے بعد کی روایات بھی ملتی ہیں۔ نکاح کے وقت سیّدہ فاطمہ علیہا السلام کی عمر سولہ سال اور بعض کے نزدیک اٹھارہ سال تھی اور حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کی عمر مبارک اُس وقت اکیس سال پانچ ماہ تھی۔[4]

''روضۃ الاحباب'' کے مطابق صحابہ رض نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل و خواص میں سے ہیں اس لیے آپ جا کر جناب سیّدہ علیہا السلام کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیام دیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس بارے میں شرم محسوس کرتا ہوں۔ صحابہ رض نے کہا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں بہت زیادہ مقرب ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے چچا حضرت ابوطالب کے فرزند بھی ہیں اس لئے جائیں اور شرم محسوس نہ کریں۔ چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اے ابنِ ابی طالب کیا بات ہے؟ کیسے آنا ہوا؟ عرض کیا کہ میں اپنے لیے فاطمہ (علیہا السلام) کا پیام لے کر حاضر ہوا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''مَرحَبًا وَّ اَھلًا''

---

[1] حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (متوفی ۳۶۰ ہجری)، المعجم الکبیر، ۱۰:۱۵۶۔
ابن جوزی، تذکرۃ الخواص

[2] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، بحار الانوار ج ۳ ص ۱۳۴

[3] مناقب ابن شہر آشوب ج ۴ ص ۱۴۔ علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۹۵

[4] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۰۹

Presented by Ziaraat.Com

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ اُس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود تھا، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر وہ کیفیت طاری ہوگئی جو نزولِ وحی کے وقت ہوتی ہے اور جب وہ کیفیت دُور ہوئی تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، ''اے انس! ربُ العرش کی طرف سے جبرائیل (علیہ السلام) میرے پاس آئے اور کہا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ فاطمہ (علیہا السلام) کا نکاح علی مرتضیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ کردو۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلوایا اور جب سب حاضر ہو گئے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بلیغ خطبہ پڑھا اور اللہ ربُ العزت کی حمد وثنا کے بعد حضرت فاطمہ علیہا السلام کا نکاح جناب علی علیہ السلام کے ساتھ بحق مہر چارسو مثقال چاندی، کیا اور فرمایا، ''اے علی! تم قبول کرتے ہو اور راضی ہو؟'' حضرت علی (علیہ السلام) نے عرض کیا کہ میں نے قبول کیا اور راضی ہوا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک طباق کھجور کا لیا اور صحابہ میں تقسیم کیا۔[1]

اسی بنا پر فقہا کی ایک جماعت کہتی ہے نکاح کے وقت کھجور وغیرہ کی ضیافت مستحب ہے۔ پس جناب علی علیہ السلام اور سیّدہ فاطمہ علیہا السلام کے نکاح پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک سے کھجور کی تقسیم کی سُنت پر مومنین آج تک عمل پیرا ہیں، شاید ہی کوئی نکاح ایسا ہو جس میں اس سُنت پر عمل نہ کیا جاتا ہو۔

''المواھبُ اللدنیۃ'' میں خطبہ نکاح کو یوں نقل کیا گیا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْمَحْمُوْدُ بِنِعْمَتِہٖ الْمَعْبُوْدُ بِقُدْرَتِہِ الْمُطَاعُ بِسُلْطَانِہٖ الْمَرْھُوْبُ مِنْ عَذَابِہٖ وَسَطْوَتِہٖ النَّافِذُ اَمْرُہٗ فِیْ سَمَاءِہٖ وَاَرْضِہِ الَّذِیْ خَلَقَ الْخَلْقَ بِقُدْرَتِہٖ وَ مَیَّزَھُمْ بِاَحْکَامِہٖ وَ اَعَزَّ ھُمْ بِدِیْنِہٖ وَ اَکْرَمَھُمْ بِنَبِیِّہٖ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ اسْمُہٗ وَ تَعَالٰی عَظْمَۃً جَعَلَ الْمُصَاھَرَۃَ سَبَبًا لَّاحِقًا وَ اَمْرًا مُّفْتَرَضًا وَ شَبَّحَ بِہِ الْاَرْحَامَ وَ اَکْرَمَ الْاَنَامَ فَقَالَ عَزَّمَنْ قَالَ وَھُوَالَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَہٗ نَسَبًا وَّ صِھْرًا وَّکَانَ رَبُّکَ قَدِیْرًا فَاَمْرُاللّٰہِ تَعَالٰی

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۰۹۔ جمال الدین محدث، روضۃ الاحباب

Presented by Ziaraat.Com

يَجْرِيْ اِلٰى قَضَائِهٖ وَقَضَاءٌ يَّجْرِيْ اِلٰى قُدْرَةٍ وَلِكُلِّ قَضَاءٍ قَدْرٌ وَّلِكُلِّ قَدْرٍ اَجَلٌ وَ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ يَّمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ عِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتَابِ ثُمَّ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ اَنْ اُزَوِّجَ فَاطِمَةَ مِنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ...... الخ (۱)

خطیب بغدادی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کے وقت سیّدہ فاطمہ علیہا السلام سے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے زمین پر دو اشخاص کو برگزیدہ فرمایا ہے۔ جن میں سے ایک تمہارا والد ہے اور دوسرا تمہارا شوہر ہے۔ (۲)

حضرت علی علیہ السلام کی زبانی شادی کی روایت

شیخ صدوق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ابوالحسن محمد بن علی بن شاہ نے ہمیں یہ حدیث سنائی، اُنھوں نے یہ حدیث ابوالعباس احمد بن مظفر بن حسین سے سنی، اُنھوں نے ابوعبداللہ محمد بن زکریا بصری سے سنی، اُنھوں نے محمد بن سابق سے، اُنھوں نے امام علی رضا علیہ السلام سے، اُنھوں نے اپنے والد امام جعفر صادق علیہ السلام سے، اُنھوں نے اپنے والد امام محمد باقر علیہ السلام سے، اُنھوں نے امام زین العابدین علیہ السلام سے اور اُنھوں نے امام حسین علیہ السلام سے روایت کی، اُنھوں نے فرمایا کہ میرے والد علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا، ''میں نے فاطمہ زہرا (علیہا السلام) سے شادی کا ارادہ کیا لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے خواستگاری کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''یا علی!'' میں نے عرض کیا، ''لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''کیا تم شادی کرنے کی خواہش رکھتے ہو؟'' میرے ذہن میں خیال آیا کہ کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کی کسی عورت سے میرا نکاح نہ کردیں اور اگر ایسا ہوا تو میں فاطمہ (علیہا السلام) سے محروم ہو جاؤں گا چنانچہ میں نے عرض کیا، ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ

---

(۱) احمد بن محمد قسطلانی (متوفی ۹۲۳ ہجری)، المواھب اللدنیۃ

(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۰۹۔ جمال الدین محدث، روضۃ الاحباب

Presented by Ziaraat.Com

بہتر جانتے ہیں۔'' پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر بلایا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھے دیکھتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ مبارک کھل اُٹھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندانِ مبارک کی چمک مجھے نظر آئی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''علی! تمہیں مبارک ہو، تمہاری شادی کے لیے اللہ نے میری کفایت فرمائی۔'' میں نے عرض کیا، ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! وہ کیسے؟'' فرمایا، ''میرے پاس جبرائیل (علیہ السلام) جنت کا ایک خوشہ اور لونگ لے کر آئے۔ میں نے اُنہیں سونگھا اور پوچھا، ''جبرائیل! یہ خوشہ اور لونگ کیسا ہے؟'' اُنہوں نے کہا، ''اللہ تعالیٰ نے بہشت کے ملائکہ اور وہاں رہنے والوں کو حکم دیا کہ وہ جنت کی نہروں، پھلوں، اشجار اور محلات کو مزین کریں اور ہوا کو حکم دیا کہ عطر و خوشبو کے جھونکے نثار کرے اور حورالعین کو حکم دیا کہ سورۃ طٰہٰ، طٰس (سورۃ نمل) اور حمعسق (سورۃ شوریٰ) کی تلاوت کریں۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے ایک منادی کو حکم دیا جس نے اذنِ خدا سے یہ منادی کی، ''اے میرے ملائکہ اور میری جنت میں رہائش پذیر مخلوق! گواہ رہو کہ میں نے فاطمہ (علیہا السلام) بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تزویج علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) سے کر دی اور یہ تزویج اُن دونوں کی اور میری رضامندی سے ہوئی ہے۔'' تب اللہ تعالیٰ نے جنت کے ایک فرشتے کو جس کا نام ''راحیل'' ہے اور جو تمام ملائکہ میں سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے، خطبۂ نکاح پڑھنے کا حکم صادر فرمایا۔ اُس نے حکمِ الٰہی سے ایسا فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا جیسا آج تک زمین و آسمان میں نہیں پڑھا گیا۔ اس کے بعد منادی نے حق کی طرف سے ندا دی، ''میرے ملائکہ اور میری جنت کے باسیو! تم علی بن ابی طالب (علیہ السلام) اور میرے حبیب محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (علیہا السلام) پر برکت بھیجو، اور میں بھی اُن پر برکت بھیجتا ہوں۔'' راحیل فرشتہ نے عرض کی، ''پروردگار! ہم نے علی (علیہ السلام) اور فاطمہ (علیہا السلام) کے لیے تیری جنت اور تیری دارِ کرامت میں بھی برکت دیکھی ہے، دُنیا میں اُن پر تو کیسی برکت نازل کرے گا؟'' خداوند عالم نے فرمایا، ''راحیل! اُن دونوں پر میری برکت یہ ہے کہ میں اُن کو اپنی محبت پر جمع کروں گا اور اُنہیں اپنی مخلوق پر حجت بناؤں گا اور اُن سے اُن کی

Presented by Ziaraat.Com

ذریّت جاری کروں گا، اُنہیں اپنی زمین میں اپنا خازِن بناؤں گا اور اُنہیں اپنی حکمت کا معدِن بناؤں گا، اور انبیاء و مرسلین کے بعد اُنہی کے ذریعے سے اپنی مخلوق پر حجت قائم کروں گا۔" لہٰذا اے علی (علیہ السلام)! تمہیں مبارک اور خوشخبری ہو، میں نے تمہارا نکاح اُسی مہر پر اپنی بیٹی فاطمہ (علیہا السلام) سے کیا ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کیا ہے اور جس مہر پر اللہ راضی ہے، میں بھی اُسی پر راضی ہوں۔ تم اپنی زوجہ کو لے جاسکتے ہو، کیونکہ اب مجھ سے زیادہ تم اس کے حقدار ہو، مجھے جبرائیل امین (علیہ السلام) نے خبر دی ہے کہ جنت اور اہلِ جنت تم دونوں کے مشتاق ہیں، اگر اللہ نے تم دونوں سے اپنی حجتوں کا ظہور نہ کرانا ہوتا تو جنت اور اہلِ جنت کی خواہش کے تحت تم دونوں کو فوراً وہاں بھیج دیتا، تم میرے بہترین بھائی، بہترین داماد اور بہترین ساتھی ہو، رضائے الٰہی تمہاری رضامندی کے لیے کافی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے کہا، "پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکرادا کروں جو تُو نے مجھے عطا کی ہے۔" رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "آمین۔"[1]

یہی حدیث علی بن احمد بن محمد بن عمران نے بھی بیان کی ہے، اُنہوں نے یہ حدیث احمد بن یحییٰ بن زکریا قطان سے، اُنہوں نے ابو محمد بکر بن عبداللہ بن جندب (حبیب) سے، اُنہوں نے احمد بن حرث (حارث) سے، اُنہوں نے امام حسین علیہ السلام سے اور اُنہوں نے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ علاوہ ازیں یہ حدیث اور بھی کئی طریقوں سے مروی ہے جن کا تذکرہ جناب شیخ الصدوق علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب مدینۃ العلم میں کیا ہے۔

(بحذفِ اسناد) حسین بن خالد بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے اُن کے آبائے طاہرین علیہم السلام کی سند سے سُنا کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، "یا علی (علیہ السلام)! قریش کے کئی افراد فاطمہ (علیہا السلام) کے معاملے کی وجہ سے مجھ سے ناراض ہوئے اور کہا کہ ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صاحبزادی کا رشتہ طلب کیا تھا لیکن آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمیں رشتہ دینا گوارہ نہ کیا اور علی (علیہ السلام) سے اُن کا نکاح کردیا۔

---

[1] شیخ ابی جعفر الصدوق علیہ رحمۃ (متوفی ۳۸۱ ہجری)، عیون اخبار الرضا علیہ السلام ج ۱ ص ۳۹۲

Presented by Ziaraat.Com

میں نے اُنہیں کہا کہ خدا کی قسم تمہیں میں نے اِس رشتہ سے محروم نہیں کیا اور میں نے اپنی مرضی سے علی (علیہ السلام) کو رشتہ نہیں دیا بلکہ تمہیں اللہ نے محروم رکھا اور اللہ ہی نے علی (علیہ السلام) کا نکاح کیا۔ مجھ پر جبرائیل نازل ہوئے اور کہا کہ یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر میں علی (علیہ السلام) کو پیدا نہ کرتا تو روئے زمین پر فاطمہ (علیہا السلام) کا کوئی ہمسر نہ ہوتا، نہ آدم (علیہ السلام) اور نہ ہی کوئی اور۔‘‘ [۱]

خاتونِ جنت علیہا السلام کا حق مہر

جناب سیّدہ فاطمہ زہرا علیہا السلام کے حق مہر سے متعلق مختلف روایات ہیں:

بروایتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب فاطمہ علیہا السلام کا نکاح حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ بحق مہر چار سو مثقال چاندی باندھا۔ [۲]

مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ میں نے تمہارا نکاح اُسی مہر پر اپنی بیٹی فاطمہ (علیہا السلام) سے کیا ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کیا ہے اور جس مہر پر اللہ راضی ہے، میں بھی اُسی پر راضی ہوں۔ [۳]

مدارجُ النبوت کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ روایات اُس حق مہر سے متعلق ہیں جو ’’زمین‘‘ پر مقرر ہوا۔ جب کہ عیون اخبار الرضا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب سیّدہ علیہا السلام کا ایک حق مہر اللہ تعالیٰ نے بھی مقرر فرمایا تھا، اس روایت کی تائید مندرجہ ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتوں نے خداوند تعالیٰ سے درخواست کرتے ہوئے کہا کہ اے خدا اور ہمارے مالک! ہمیں آگاہ فرما کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کا

---

[۱] شیخ ابی جعفر الصدوق رحمہ اللہ (متوفی ۳۸۱ ہجری)، عیون اخبار الرضا علیہ السلام ج ۱ ص ۳۹۵

[۲] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۰۹

[۳] شیخ ابی جعفر الصدوق رحمہ اللہ (متوفی ۳۸۱ ہجری)، عیون اخبار الرضا علیہ السلام ج ۱ ص ۳۹۴

Presented by Ziaraat.Com

حق مہر کس قدر تھا تاکہ ہم جان سکیں اور ہمارے اُوپر واضح ہو جائے کہ وہ تمہارے نزدیک بہترین مخلوق ہے۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا، ''اے میرے فرشتو اور میرے آسمان پر رہنے والو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ فاطمہ (علیہا السلام) دختر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حق مہر آدھی دُنیا ہے۔''[1]

سیّدہ کونین علیہا السلام کی رُخصتی

روایت ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کی بارات طعام کے بعد جناب امیر المومنین علی علیہ السلام کے گھر روانہ ہوئی۔ سیّدۃ نساء العالمین علیہا السلام اشہب نامی ناقہ پر سوار تھیں، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ساربان تھے، ازواجِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناقہ کے آگے تھیں اور بنی ہاشم ننگی تلواریں لیے بارات کے جلوس کے ساتھ ساتھ تھے۔ سب سے پہلے بارات کو مسجد کا طواف کرایا گیا اور پھر جناب سیّدہ علیہا السلام کو حضرت علی علیہ السلام کے گھر اُتارا گیا۔

ایک روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا خچر منگوایا جس کا نام شہباء تھا، اُس پر چادر ڈالی اور حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام سے فرمایا کہ بیٹی اس پر سوار ہو جاؤ۔ پھر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ خچر کی لگام تھام کر چلو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود خچر کے پیچھے پیچھے تھے اور ابھی راستے ہی میں تھے کہ جبرائیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام ستر ہزار فرشتوں کے ہمراہ پہنچے اور کہا کہ ہم فاطمہ زہرا علیہا السلام کی رخصتی میں شرکت کے لئے آئیں ہیں اور اُنہیں علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے گھر تک پہنچائیں گے۔ پھر ایک طرف جبرائیل علیہ السلام نے تکبیر کہی اور دوسری طرف میکائیل علیہ السلام نے اور اُن کے ساتھ ملائکہ نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اللہ اکبر کہا۔

ایک روایت کے مطابق جناب سیّدہ علیہا السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دُلدُل نامی خچر پر بٹھایا گیا اور رخصتی کے وقت جبرائیل علیہ السلام، میکائیل علیہ السلام اور اسرافیل علیہ السلام ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے۔ جبرائیل علیہ السلام نے دُلدُل کی لگام پکڑی، اسرافیل علیہ السلام نے رکاب تھامی

---

[1] دلائل الامۃ ص ۹۱۔ ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، نوادر المعجزات ص ۹۰۔

آیت اللہ سید احمد مستنبط، مناقبِ اہل بیت، ترجمہ: اَلْقَطْرَۃُ مِنْ بِحَارِ مَنَاقِبِ النَّبِیِّ وَالْعِتْرَۃِ، حصہ چہارم ص ۱۳

Presented by Ziaraat.Com

اور میکائیل علیہ السلام پیچھے پیچھے ہو لیے۔ پھر تمام ملائکہ نے تکبیر کہی۔ [1]

روایت ہے کہ سیدۃ نساء العالمین علیہا السلام کی رخصتی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواتین سے فرمایا کہ رجز پڑھو، اللہ کی حمد و تکبیر کہو اور کوئی ایسی بات منہ سے نہ نکالو جس سے اللہ ناراض ہوتا ہو۔ چنانچہ حضرت سیدۃ لنساء العالمین علیہا السلام کی رخصتی کے جلوس کے آگے آگے ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجز پڑھے۔ حضرت اُم سلمیٰ رض، حضرت عائشہ رض اور حضرت حفصہ رض نے مندرجہ ذیل رجز پڑھے: [2]

حضرت اُم سلمیٰ رض کا رجز:

''اے پڑوسنو! چلو اللہ کی مدد تمہارے ساتھ ہے اور ہر حال میں اُس کا شکر ادا کرو۔ پریشانیوں اور مصیبتوں کو دور کر کے اللہ نے احسان فرمایا ہے، پس اُسے یاد کرو۔ آسمانوں کے پروردگار نے ہمیں کفر کی تاریکیوں سے نکالا اور ہر طرح کا عیش و آرام دیا۔ اے پڑوسنو! چلو سیدۂ زنانِ عالم (علیہا السلام) کے ساتھ جن پر اُن کی پھوپھیاں اور خالائیں نثار ہوں۔ اے عالی مرتبت پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹی! جسے اللہ نے وحی اور رسالت کے ذریعے سے تمام لوگوں پر فضیلت دی۔ (سلام ہو آپ پر)''

حضرت عائشہ رض کا رجز:

''اے عورتو! چادر اوڑھ لو اور یاد رکھو کہ یہ چیز مجمع میں اچھی سمجھی جاتی ہے۔ یاد رکھو اُس پروردگار کو جس نے اپنے دوسرے شکر گذار بندوں کے ساتھ ہمیں بھی اپنے دینِ حق کے لیے مخصوص فرمایا۔ اللہ کی حمد اُس کے فضل و کرم پر اور شکر ہے اُس کا جو عزت و قدرت والا ہے۔ فاطمہ زہرا (علیہا السلام) کو ساتھ لے کر چلو کہ اللہ نے اِن کے ذِکر کو بلند کیا ہے اور اِن کے لیے ایک ایسے پاک و پاکیزہ مرد (حضرت علی علیہ السلام) کو مخصوص کیا ہے جو اِن ہی کے خاندان سے ہے۔''

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، بحار الانوار ج ۴۳ ص ۱۴۰

[2] سلطان مرزا دہلوی، سیرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام۔ علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، بحار الانوار ج ۴۳ ص ۱۴۳
سید محسن امین عاملی (متوفی ۱۹۵۳ء)، اعیان الشیعہ، جز الثانی

Presented by Ziaraat.Com

حضرت حفصہ ؓ کا رجز:

"اے فاطمہ (علیہا السلام)! آپ عالم انسانیت کی تمام عورتوں سے بہتر ہیں۔ آپکا چہرہ چاند کی مثل ہے۔ آپ کو اللہ نے تمام دنیا پر فضیلت دی ہے اُس شخص کی فضیلت کے ساتھ جس کا فضل وشرف سورۃ زمر کی آیتوں میں مذکور ہے۔ اللہ نے آپ کی تزویج ایک صاحب فضائل ومناقب نوجوان سے کی ہے یعنی علی (علیہ السلام) سے جو تمام لوگوں سے بہتر ہے۔

اے پڑوسنو! فاطمہ (علیہا السلام) کو لے کر چلو کیونکہ یہ بڑی شان والے باپ کی عزت مآب دختر ہیں۔"

جب بارات علی علیہ السلام کے گھر پہنچی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ علیہا السلام سے پانی منگوایا اور اُس پر دَم کر کے سیّدہ علیہا السلام اور علی علیہ السلام کے سر، سینے اور بازو پر چھڑکا اور بارگاہِ احدیت میں عرض کی کہ بارِالٰہا! میں انھیں اور اِن کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان رجیم (کے شر) سے۔[1]

پھر فاطمہ علیہا السلام سے فرمایا کہ علی (علیہ السلام) سے بے جا سوال نہ کرنا، یہ دولت مند نہیں ہیں لیکن دُنیا میں سب سے اعلیٰ اور افضل ہیں۔ اس کے بعد علی علیہ السلام سے فرمایا کہ یہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، کوئی ایسی بات نہ کرنا کہ اِسے ملال ہو۔[2]

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں، "حضرت فاطمہ علیہا السلام اُم ایمن ؓ کے ہمراہ میرے گھر تشریف لائیں اور ایک طرف بیٹھ گئیں جب کہ میں دوسری طرف بیٹھا ہوا تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لائے اور آتے ہی فرمایا، "علی میرا بھائی ہے۔" اُم ایمن ؓ نے کہا، "وہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا بھائی ہے جبکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی بیٹی کی اُس سے شادی کرائی ہے؟" فرمایا، "ہاں۔" پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اندر تشریف لائے اور فاطمہ (علیہا السلام) سے فرمایا، "پانی لایئے۔" چنانچہ فاطمہ (علیہا السلام) ایک پیالے میں پانی لے کر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پانی میں کُلی کی اور پھر فاطمہ (علیہا السلام) سے فرمایا، "کھڑی ہو جایئے۔" جب وہ کھڑی

---

[1] ابن حجر مکی (متوفی ۹۷۴ھ)، الصواعق المحرقۃ، ص ۸۴

[2] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۹۶

Presented by Ziaraat.Com

ہو گئیں تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے وہ پانی اُن کے جسم اطہر پر بہایا اور فرمایا، ''یا اللہ میں اِسے اور اِسکی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان مردود (کے شر) سے۔'' پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے بھی پانی لانے کو کہا۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں، ''میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ارادے کو جانتا تھا، اس لئے اُٹھا اور پانی سے بھرا پیالہ لے آیا۔'' آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پانی میں کُلی کی اور پھر میرے سینے اور سر پر بہا دیا اور فرمایا، ''یا اللہ میں اِسے اور اِسکی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان مردود (کے شر) سے۔'' پھر فرمایا پیٹھ پھیرو۔ میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف پیٹھ پھیر دی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے میرے کاندھے پر پانی بہایا اور فرمایا، ''یا اللہ میں اِسے اور اِسکی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان مردود (کے شر) سے۔'' پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ کے نام اور اُس کی برکت کے ساتھ اپنے اہلِ خانہ کے ہمراہ گھر میں داخل ہو جاؤ۔ [1]

یہ روایت جزری نے ''حصن حصین'' میں ابن حبان سے اپنی صحیح میں یوں بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علی علیہ السلام اور سیّدہ فاطمہ علیہا السلام کا نکاح کرنے کے بعد اپنے کاشانہء اقدس میں تشریف لے گئے اور سیّدہ فاطمہ علیہا السلام سے فرمایا کہ تھوڑا سا پانی لائیں۔ جناب سیّدہ علیہا السلام لکڑی کے پیالے میں پانی لائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس میں اپنا لعابِ دہن مبارک ملایا اور وہ پانی سیّدہ فاطمہ علیہا السلام کے جسم اطہر پر چھڑکا اور فرمایا، ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُعِیْذُبِكَ وَ ذُرِّیَّتَهٗ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ'' اے اللہ! میں اِس کو اور اِس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان رجیم سے۔ پھر فرمایا کہ اور پانی لائیں۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں سمجھ گیا تھا کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا کریں گے۔ چنانچہ میں پانی لے کر آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس میں اپنا لعابِ دہن مبارک ملایا اور مجھ سے فرمایا کہ میرے سامنے آؤ۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سر اور چہرے پر پانی چھڑکا اور فرمایا، ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُعِیْذُبِكَ وَ ذُرِّیَّتَهٗ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ'' اے اللہ! میں اِس کو اور اِس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان

---

[1] علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدین، کنز العمال ج ۷ حصہ سیزدھم ص ۳۱۲

Presented by Ziaraat.Com

رجیم سے۔ پھر مجھ سے فرمایا، ''بِسْمِ اللّٰہِ وَالْبَرَکَتَۃ'' کہہ کر اپنی زوجہ کے پاس جاؤ۔[1]

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سیّدہ فاطمہ علیہا السلام کو نمازِ عشاء کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے گھر لائے۔ پھر پانی کا پیالہ لے کر اُس میں اپنا لعابِ دہن ملایا، معوذتین اور دُعا پڑھی اور حضرت علی علیہ السلام اور سیّدہ فاطمہ علیہا السلام سے فرمایا کہ اِس پانی کو پی جاؤ اور فرمایا، ''یا خدا! یہ دونوں جانیں مجھ سے ہیں اور میں اِن سے ہوں۔ اے رب! جس طرح تُو نے مجھ سے ناپاکی کو دُور رکھا اور پاک بنایا ہے اسی طرح ان دونوں کو پاکیزہ رکھ۔'' اس کے بعد دونوں سے فرمایا کہ جاؤ اور دُعا فرمائی، ''اے خدا! اِن کے درمیان محبت واُلفت شامل فرما اور اِن میں اور اِن کی اولاد میں برکت دے اور اِن سے پریشانی کو دُور فرما۔ اِن کے نصیب کو نیک گردان، اِن پر برکت نازل فرما اور اِن سے بکثرت اولاد پیدا فرما۔''[2]

روایت ہے کہ جس وقت علی علیہ السلام کی شادی ہوئی اُن کے گھر میں ایک چمڑا تھا، رات کو بچھاتے تھے اور دن میں اُس پر اُونٹ کو چارہ کھلاتے تھے۔[3]

بروایتے جناب سیدہ علیہا السلام کی رخصتی شوال ۲ ہجری/ اپریل ۶۲۴ء میں ہوئی۔[4]

ملکہ کونین سیّدہ فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کا جہیز

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو جہان کے تاجدار ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اکلوتی اور پیاری صاحبزادی کی شادی نہایت تزک واحتشام سے کر سکتے تھے اور شاہانہ طرز کا جہیز بھی دے سکتے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی شادی بالکل سادگی کے ساتھ کی اور جہیز میں ضروریاتِ زندگی کی چند معمولی اشیاء دیں۔ حضرت سیّدۃ لنساء العالمین علیہا السلام کی شادی کا یہ انداز اُن لوگوں کو دعوتِ فکر دیتا ہے جو

---

[1] محمد بن محمد جزری شافعی (متوفی ۱۴۲۹ء) حصن حصین، ص ۱۵۷

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۰

[3] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۹۶ بحوالہ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص

[4] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۴۸۲

Presented by Ziaraat.Com

شادی کو نمود و نمائش کا ایک قیمتی موقع یا بیوپار کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں۔ آج کل شادیوں پر ایک طرف تو بے پناہ خرچ کیا جاتا ہے، انواع و اقسام کے کھانے، ریشمی ملبوسات، قیمتی زیورات اور بے شمار جہیز کا اہتمام ہوتا ہے تو دوسری طرف لاکھوں غریب بچیاں محض جہیز نہ ہونے کے سبب ماں باپ کی چوکھٹ پر بیٹھی بیٹھی نوجوانی کی دہلیز پار کر جاتی ہیں اور ہمیشہ غیر شادی شدہ رہتی ہیں۔ اس سے نہ صرف وہ اپنے بنیادی حقوق سے محروم رہتی ہیں بلکہ معاشرے میں کئی طرح کے مسائل بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ لڑکیوں کی شادی تو کسی نہ کسی طرح ہو جاتی ہے لیکن قیمتی جہیز نہ لے جانے کے سبب وہ اپنے سسرال کی نگاہوں میں کھٹکنے لگتی ہیں اور آئے دن طعنوں کا سامنے کرتے کرتے ایک روز زندہ جلا دی جاتی ہیں۔ اگر ہم اس معاملے میں بھی سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کریں تو معاشرے میں کئی خرابیاں خود بخود دُور ہو سکتی ہیں۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہستی میں ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب سیّدۃ العالمین علیہا السلام کو جہیز میں ایک بان کی چار پائی، ایک چمڑے کا گدا، ایک مشک، دو چکیاں اور مٹی کے دو گھڑے دے کر رخصت فرمایا۔

ایک روایت کے مطابق، سات درہم مالیت کی ایک قمیض، ایک سفید چادر، چمڑے کا فرش، دو موٹے ٹاٹ، کھجور کے پتوں سے بنا ہوا ایک بستر، چمڑے کے چار تکیے، ایک سیاہ کمبل، آٹا پیسنے کی چکی، کپڑے دھونے کا ٹب، ایک مشک، ایک لوٹا، کھجور کے پتوں سے بنا ہوا ایک برتن، مٹی کی ایک صراحی، ایک پیالہ لکڑی کا اور دو پیالے مٹی کے دیے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب فاطمہ علیہا السلام کو قیمتی جہیز دے سکتے تھے مگر اپنی اُمت کے غرباء کے خیال سے اِسی پر اکتفا فرمایا۔[1]

مروی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام نے اپنی زرہ فروخت کر کے جو رقم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بطور حق مہر پیش کی تھی اُس میں سے کچھ رقم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دی اور فرمایا کہ عطر و خوشبو خرید لائیں اور باقی رقم حضرت اُمِ سلیمؓ کو دی کہ اس سے جناب سیّدہ

---

[1] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۹۵

Presented by Ziaraat.Com

فاطمہ علیہا السلام کے لیے جہیز اور اُمور خانہ داری کا سامان مہیا کریں۔ اُنہوں نے چاندی کے دو بازو بند، دو چادریں، دو بستر، گدا، تکیہ، چار بالشت کپڑا، ایک پیالہ، ایک چکی، ایک مشکیزہ اور کچھ مشروبات وغیرہ خریدے۔[۱]

بروایتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کو رقم دے کر اشیاء خریدنے کے لیے بھیجا اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مدد کے لیے ساتھ بھیجا۔[۲]

اُنہوں نے چیزیں لا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھیں۔ اُس وقت حضرت اسماء بنت عمیس بھی موجود تھیں۔ مختلف روایات میں جہیز کی فہرست میں ایک قمیض، ایک مقنع (سر ڈھانکنے کے لیے کپڑا)، ایک سیاہ کمبل، کھجور کے پتوں سے بنا ہوا ایک بستر، موٹے ٹاٹ کے دو فرش، چار چھوٹے تکیے، ہاتھ کی چکی، کپڑے دھونے کے لیے تانبے کا ایک برتن، چمڑے کی مشک، ایک بادیہ (پانی پینے کا لکڑی کا برتن)، کھجور کے پتوں کا ایک برتن جس پر مٹی پھیر دیتے ہیں، دو مٹی کے آبخورے، مٹی کی صراحی، زمین پر بچھانے کا ایک چمڑا، ایک سفید چادر اور ایک لوٹا شامل تھے۔[۳]

یہ جہیز اُسی رقم سے خریدا گیا تھا جو حضرت علی نے اپنی زرہ بیچ کر حاصل کی تھی۔[۴]

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۱

[۲] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، بحار الانوار، ج ۳ ص ۱۶۸

[۳] مسند احمد بن حنبل۔ المستدرك الحاكم۔ سنن نسائی

[۴] المستدرك الحاكم۔ مناقب ابن شہر آشوب۔ سعید بن منصور (متوفی ۲۲۷ھ)، کتاب السنن۔ علی بن عیسیٰ اربلی (متوفی ۶۹۴ ہجری)، کشف الغمۃ

Presented by Ziaraat.Com

غزوۂ سویق

(۵ ذوالحجہ ۲ ہجری/ ۲۹ مئی ۶۲۴ء)

غزوۂ بنو قینقاع کے بعد، یہ غزوہ بروز یک شنبہ (اتوار) ۲۳ ذوالحجہ کو یا بروایتے ۵ ذوالحجہ ۲ ہجری/ ۲۹ مئی ۶۲۴ء کو واقع ہوا۔ [۱] ابنِ اسحٰق سے مروی ہے کہ غزوۃ الکدر سے مدینہ واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بقیہ شوال اور ذوالقعدہ مدینہ میں بسر فرمایا اور ذوالحجہ میں غزوۃ السویق کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ [۲] ابوسفیان نے بدر میں شکست کے بعد منت مانی تھی کہ جب تک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بدلہ نہ لے لے غسل نہیں کرے گا چاہے وہ غسلِ جنابت ہی کیوں نہ ہو۔ تاریخ طبری میں یوں بیان کیا گیا ہے، ''عبداللہ بن کعب بن مالک سے جو انصار کے سب سے بڑے عالم تھے مروی ہے کہ جب ابوسفیان مکّہ واپس آیا اور قریش کی شکست خوردہ جماعت بدر سے مکّہ پہنچی تو اُس نے نذر مانی کہ جب تک میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے نہ لڑوں گا غسلِ جنابت بھی نہیں کروں گا۔'' [۳]

مگر حقیقت یہ تھی کہ بدر میں قریش کا جو عبرت ناک انجام ہوا تھا اُس کے پیشِ نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقابلہ کرنے کی اُسے جرأت نہ ہوتی تھی۔ ماہِ رمضان سے ماہِ ذی الحج تک، تین ماہ ہو گئے تھے اور موصوف نے ابھی تک غسل نہیں کیا تھا۔ عرب میں چیلنج کر کے پیٹھ دکھانا یا قسم کو توڑ ڈالنا بہت معیوب سمجھا جاتا تھا اور ابوسفیان تو اموی خاندان کا سربراہ اور مشرکینِ مکہ کا قائد و سردار تھا جسے جنگِ بدر کے بعد قبیلے نے باقاعدہ طور پر منتخب کیا تھا، اُس کے لئے اس نذر کی وجہ سے بہت بڑی مشکل کھڑی ہو گئی تھی۔ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔

---

[۱] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص ۴۸۹

[۲] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۶۳

[۳] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۶۳

Presented by Ziaraat.Com

چنانچہ بغیر غسل رہتے رہتے جسم کی آلودگی جب جان کو آنے لگی تو ابوسفیان اپنی قسم کو پورا کرنے کے لئے قریش کے دوسو سواروں کے ساتھ اور بروایتے چالیس سواروں کے ساتھ مدینہ کی طرف نکلا۔ [1] یہ لوگ رات میں سفر کرتے اور دن میں کہیں چھپ جاتے تاکہ مسلمانوں کو اُن کی آمد کی خبر نہ ہو سکے۔

ابوسفیان کو اُمید تھی کہ یہودی اِس مہم میں اُس کا ساتھ دیں گے۔ وہ سمجھتا تھا کہ واقعہ قینقاع کے بعد یہودیوں کے ایک قبیلے کی جلاوطنی سے باقی یہود قبائل اسلام کے سخت مخالف ہو چکے ہونگے اور بنو قینقاع کا انتقام لینے کے لئے اُس کی مدد کریں گے، چنانچہ مدینہ سے ایک منزل پہلے کوہِ تبت پر پہنچ کر اُس نے اپنے ساتھیوں کو اِدھر اُدھر چھپا دیا اور خود رات کے اندھیرے میں چھپتا چھپاتا قبیلہ بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب کے دروازے پر پہنچا۔ ابوسفیان دروازہ کھٹکھٹاتا رہا لیکن حیی بن اخطب نے ڈر کے مارے دروازہ نہیں کھولا کہ نہ جانے کون ہے۔ اِدھر سے مایوس ہو کر وہ یہودیوں کے ایک اور سردار سلام بن مشکم کے ہاں پہنچا۔ سلام بن مشکم یہودیوں کے خزانے کا نگران بھی تھا۔ اُس نے ابوسفیان کی خوب خاطرداری کی، کھانا کھلایا اور شراب پلائی لیکن اصل معاملے پر کوئی حوصلہ افزا بات نہ کی۔ ابوسفیان نصف شب تک یہودی سردار کا تعاون حاصل کرنے کے لئے کوشش کرتا رہا لیکن ناکام و نامراد ہو کر لوٹ آیا اور اپنی خفت مٹانے اور قسم پوری کرنے کے لئے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ کے بیرونی حصہ میں کھجوروں کے ایک باغ میں گھس گیا۔ دو انصاری کسان باغ میں کام رہے تھے، اُنہیں قتل کیا، چند درختوں کو آگ لگادی اور پو پھٹنے سے پہلے پہلے وہاں سے فرار ہو گئے۔

ابوسفیان جلد از جلد مکّہ پہنچنا چاہتا تھا چنانچہ سواریوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے اُن کا بار راستے میں گرانا شروع کردیا۔ یہ بار ''سویق'' کی بوریوں کی صورت میں تھا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۴۶

Presented by Ziaraat.Com

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ملی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ قرقرۃ الکدر تک اُس کا تعاقب کیا لیکن وہ نکل چکا تھا۔ اس سفر میں مسلمانوں کو اُس کا گرایا ہوا ''سویق'' ملا تھا، اسی نسبت سے اس غزوہ کو غزوۂ سویق کہا جاتا ہے۔ [1] ''سویق'' عربی زبان میں ''ستو'' کو کہتے ہیں۔

شاعر اُمیّہ بن صلت کی موت

اسی سال سنہ ۲ ہجری میں، اُمیّہ بن صلت کی موت واقع ہوئی۔ وہ ایک شاعر تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں مذہبی رجحان رکھتا تھا اس لئے بت پرستی ترک کر کے خدا پرستی کی طرف مائل ہوگیا۔ اُس نے گزشتہ ادیان کی کتب پڑھیں اور متاثر ہو کر دینِ نصاریٰ اختیار کرلیا۔ پھر وہ نُورِ نبوّت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ظہور کا منتظر رہنے لگا۔ اُس کے اشعار علم و حکمت سے بھرپور ہوتے تھے مگر اپنی ذات میں پائی جانے والی چند صلاحیتیں محسوس کر کے اُس کے دماغ میں اپنی نبوّت و رسالت کا خیال سما گیا اور وہ خبطی ہوگیا۔ پس اُس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعلانِ نبوّت سنا تو حسد و شقاوت میں مبتلا ہو کر کفر و انکار کی ضلالت میں پڑ گیا اور بالآخر اسی عالم میں واصلِ جہنم ہوگیا۔ [2]

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ ○

---

[1] محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد

ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)، تاریخ ابن خلدون ص ۹۲۔ ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۴۶

Presented by Ziaraat.Com

سنہ ۳ ہجری

نماز عید قربان اور قربانی

(۱۰ ذی الحج ۲ ہجری/ ۳ جون ۶۲۴ء)

مؤرخین لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ سویق سے مراجعت فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو تحفے عنایت ہوئے، عید الاضحیٰ اور قربانی، اور وہ ۱۰ ذی الحج ۲ ہجری/ ۳ جون ۶۲۴ء کا دن تھا۔[۱]

مدارج النبوت میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ قینقاع سے واپس تشریف لائے تو عید قربان کی نماز ادا فرمائی اور مالدار صحابہ کے ساتھ قربانی کی۔[۲]

غزوۂ ذی امر، غزوۂ بنی ام، غزوہ انمار، غزوۂ غطفان

(محرم الحرام یا ربیع الاوّل ۳ ہجری)

یہ غزوہ ہجرت کے تیسرے سال محرم میں[۳] اور بروایتے بارہ ربیع الاوّل کو واقع ہوا۔[۴]

اس مہم کو غزوۂ ذی امر، غزوۂ بنی ام، غزوہ انمار اور غزوۂ غطفان بھی کہا جاتا ہے۔[۵]

ذی امر، قبیلہ غطفان کے ایک چشمہ کا نام تھا اور اسی نسبت سے ابن سعد نے طبقات میں اس کا نام

---

[۱] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

[۲] شیخ عبد الحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۴۶

[۳] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۴۹۲

[۴] شیخ عبد الحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۴۶

[۵] ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اردو۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۴۶

Presented by Ziaraat.Com

غزوہ غطفان لکھا ہے۔[۱]

نجد کے قبیلہ غطفان کے دوگروہوں، بنی ثعلبہ اور بنی محارب نے اپنے سردار ''دعشور غطفان'' اور بقولے خطیب بغدادی، ''غواث'' کی سرکردگی میں مدینہ پر حملہ کا منصوبہ بنایا۔ وہ لوگ نجد کے علاقے مقام ذی امر میں جمع ہوکرابھی غارت گری کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کواُن کے ناپاک عزائم کی خبر ہوگئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محرم ۳ ہجری/ جون ۶۲۴ء میں چارسو اور بقولے چارسو پچاس مجاہدین کے ساتھ اُن کی سرکوبی کے لئے نجد روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیر متوقع پیش قدمی سے وہ لوگ گھبرا گئے اور بھاگ کر پہاڑوں میں روپوش ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقریباً ڈیڑھ ماہ تک وہاں قیام فرمایا مگر کسی کو سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی۔[۲] نجدیوں کی بغاوت فرو ہوچکی تھی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واپسی کا ارادہ فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اللہ پر یقین اور جلالِ حقانیت کا ایک مشہور واقعہ جو اِس غزوہ کے دوران پیش آیا، حیاتِ رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لکھے گئے مضامین اور کتب میں تواتر کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ قارئین کے استفادہ کے لئے ہم یہاں اس کا ذِکر ضروری سمجھتے ہیں۔

روایت ہے کہ جناب سرورانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک درخت کے نیچے اکیلے آرام فرمارہے تھے کہ پہاڑوں میں چھپے ہوئے نجدیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ لیا۔ اُنہوں نے اپنے سردار دعشور سے کہا کہ اس وقت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تنہا ہیں، یہ موقع خوب ہے، آگے بڑھو، ہمیں اُمید ہے کہ تم اُن پر قابو پالوگے۔ دعشور نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ کافی دُور تھے، چنانچہ اس موقع سے فائدہ اُٹھانے کے لئے وہ تلوار لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر پر پہنچ گیا اور للکار کر کہنے لگا، ''کون ہے جو آج آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو میرے ہاتھ سے بچائے گا؟''

---

[۱] سید محسن امین عاملی (متوفی ۱۹۵۳ء)، اعیان الشیعہ، ج ۲ ص ۱۷۸، علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۱۹

[۲] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۲۰ بحوالہ طبری ج ۳ ص ۲

Presented by Ziaraat.Com

نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت سکون سے فرمایا، ''اللہ۔ وہی میرا محافظ ہے۔''

اُس وقت جبرائیل علیہ السلام آئے اور دعشور کے سینے پر ہاتھ مارا۔ وہ زمین پر گر کر دھول چاٹنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کے ہاتھ سے تلوار لے لی اور فرمایا، ''کون ہے جو تجھے میرے ہاتھ سے بچائے گا؟'' وہ کہنے لگا، ''کوئی نہیں۔'' اور پھر کہا، ''اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہ'' (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کی تلوار اُسے واپس کر دی اور وہ بوجھل قدموں سے اپنی قوم کی طرف لوٹ گیا۔

اُس کے ساتھی کہنے لگے کہ تُو تو تلوار سونت کے اُن کے سر پر پہنچ گیا تھا، پھر وار کیوں نہیں کیا؟ کیا ہو گیا تھا تجھے؟ اُس نے کہا کہ ایک بلند قامت نورانی آدمی نے میرے سینے پر ہاتھ مار کر مجھے پیٹھ کے بل گرا دیا تھا۔ بروایتے دعشور خود بھی ایمان لایا اور اُس نے اپنی قوم کو بھی اسلام کی دعوت دی۔

المواھبُ اللدنیۃ میں اس واقعہ کو غزوۂ ذات الرقاع سے منسوب کیا گیا ہے لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب کہتے ہیں، ''میں بتوفیق الٰہی کہتا ہوں کہ جو واقعہ غزوۂ ذات الرقاع میں صلوٰۃ خوف کی حدیث کے ضمن میں صحیح بخاری میں ہے، یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک درخت کے نیچے محوخواب تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار درخت کی شاخ سے آویزاں تھی۔ اُس وقت ایک اعرابی آیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار کھینچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہو گئے۔ اعرابی نے کہا، ''من یمنعك منی'' یعنی مجھ سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کون بچائے گا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اللہ۔'' اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کے ہاتھ سے تلوار چھین کر اُسے دھکا دے دیا۔ بخاری میں اُس کے ایمان لانے کا ذِکر نہیں ہے مگر قسطلانی نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ وہ اسلام لے آیا اور اپنی قوم کی طرف لوٹ گیا۔ [1]

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۴۶

Presented by Ziaraat.Com

سریہ محمد بن مسلمہؓ

(۱۴ ربیع الاوّل ۳ ہجری/ ۴ ستمبر ۶۲۴ء)

سریہ محمد بن مسلمہؓ، ۱۴ ربیع الاوّل ۳ ہجری/ ۴ ستمبر ۶۲۴ء کو پیش آیا۔ یہ سریہ بھی سریہ عمیر بن عدیؓ اور سریہ سالم بن عمیرؓ سے مطابقت رکھتا ہے۔ سریہ عمیر بن عدی میں حضرت عمیرؓ نے ایک یہودی ہجو گو شاعرہ عصماء بنت مروان کو قتل کیا تھا اور سریہ سالم بن عمیر میں ایک یہودی شاعر ابی عفکہ کو واصل جہنم کیا گیا تھا۔ اِس سریہ میں حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کعب بن اشرف کو قتل کیا۔

کعب بن اشرف ماں کی طرف سے یہودی تھا جبکہ خود کو بت پرست ظاہر کرتا تھا۔ بروایتے وہ ایک یہودی سردار اور شعلہ بیان شاعر تھا۔ وہ مسلمانوں کے خلاف باغیانہ سرگرمیوں میں حصہ لینے والے شر پسند عناصر کا سرغنہ تھا اور انتہائی گھٹیا اور بیہودہ خیالات کا مالک تھا۔ وہ اپنی لچر شاعری میں مسلمان خواتین کے نام استعمال کرتا اور اُن سے متعلق فرضی اور بیہودہ قصے نظم کرتا۔ وہ بدبخت اسی پر اکتفانہ کرتا بلکہ اپنی لغو شاعری کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کا ارتکاب بھی کیا کرتا۔ بدر میں کفار کی شکست کی خبر سُن کر وہ مکّہ گیا، شکست خوردہ قبائل سے ہمدردی کا اظہار کیا، اُن کے مقتولین پر نوحہ خوانی کی اور اُنہیں مسلمانوں کے خلاف خوب بھڑکایا اور شکست کا بدلہ لینے پر اُکسایا۔ بعض مؤرخین کے نزدیک اُحد کی جنگ کے اسباب پیدا کرنے میں اُس کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ وہ اپنی شاعری میں مسلمان عورتوں کی خوبصورتی کے قصیدے اور فرضی عشقیہ قصے اس لئے بیان کرتا تھا کہ قریش کو اُن کی طرف مائل کر کے اُن کے اندر ایسا جنون پیدا کر سکے کہ وہ مسلمان عورتوں کو حاصل کرنے کے لئے دیوانے ہو جائیں اور مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں۔ اسلام دشمنی پر مبنی یہ اُس کی انتہائی گھٹیا اور گھناؤنی چال تھی۔ چنانچہ جب اُس کی حرکتیں ناقابلِ برداشت ہو گئیں تو محمد بن مسلمہؓ ایک مختصر سی جماعت کے ساتھ اُس کی سرکوبی کو بھیجے گئے۔ اُنہوں نے ایسے ڈرامائی انداز میں اُسے قتل کیا کہ یہودیوں میں سراسیمگی پھیل گئی اور اُنہیں

Presented by Ziaraat.Com

اپنے سابقہ عہد کی تجدید کرنا پڑی۔

اِن تینوں سریات میں قتل کئے جانے والے تمام لوگ یہودی تھے، جو اسلام اور اسلام کے ماننے والوں کے خلاف زہر اُگلتے تھے، اپنی قوم کو ان کے خلاف جنگ پر اکساتے تھے اور پیغمبرِ اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شانِ اعلیٰ میں گستاخیاں کرتے تھے۔ اس کی وجہ سمجھنے کے لئے آپ اپنے راہوارِ تصور کو کچھ دیر کے لئے پیچھے لے جائیں اور دیکھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بچپن میں اپنے شفیق و عظیم چچا جناب ابو طالب علیہ السلام کے ساتھ جو سفرِ شام کیا تھا اُس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی علاماتِ نبوّت دیکھ کر ایک یہودی راہب بحیرا، حضرت ابو طالب سے کیا کہہ رہا ہے؟

بحیرا کہہ رہا تھا کہ اِن میں جو نشانیاں میں نے ملاحظہ کی ہیں اُن کو دیکھ کر کوئی بھی یہودی انہیں پیغمبرِ اعظم و آخر (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی حیثیت سے پہچان لے گا، اِن کا دشمن بن جائے گا اور انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔

یہودیوں کی یہ دشمنی اور بغض و کینہ دراصل اِس وجہ سے تھا کہ اُن کی دیرینہ آرزو تھی کہ پیغمبرِ اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ظہور اُن کی قوم کے اندر ہو چنانچہ جب اُن کی اُمیدوں کے چراغ گُل ہوئے تو سینوں میں بغض و عناد اور حسد و کینہ کی آگ بھڑک اُٹھی۔ بدر میں کفار کا انجام دیکھ کر اُنہیں کھل کر سامنے آنے کی جرأت تو ہوتی نہیں تھی اس لئے اِدھر اُدھر بیہودہ بکواس کرتے، دینِ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شعلہ بیانی کرتے اور شعروں کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توہین کر کے اپنی انتقام کی آگ کو ٹھنڈہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اُن کی ایسی سرگرمیاں اور ریشہ دوانیاں دو قوموں کے درمیان خونی تصادم کا باعث بن سکتی تھیں، چنانچہ حالات کا تقاضا تھا کہ کئی لوگوں کی جانیں بچانے کے لئے صرف اُنہی کو ختم کر دیا جائے جو کئی جانوں کے ضیاع کا سبب بن سکتے تھے۔

یہاں ایک اہم نکتہ کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ ایک ''عام انسان'' کی اہانت کرنے پر کسی کو قتل

Presented by Ziaraat.Com

کر دینا مذہبی اور معاشرتی حوالے سے ایک ناپسندیدہ فعل ہوسکتا ہے لیکن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کرنا ایک ناقابلِ معافی جرم ہے جس کی سزا دنیا میں موت اور آخرت میں عذابِ عظیم ہے۔

اہل سنت علماء کرام کا موقف ہے کہ جو شخص (چاہے وہ کافر ہو یا مسلم) سیّد الاوّلین والآخرین، شفیع المذنبین، رحمۃ لعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی کی ہنسی اُڑائے، یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت وزندگی کے کسی گوشے کے بارے میں استہزائیہ انداز اختیار کرے، یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین وتنقیص کرے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے، یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دے، یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بُری باتوں کو منسوب کرے تو وہ شخص سراسر کافر، مرتد، زندیق اور ملحد ہے۔ اگر ایسا شخص کسی مسلمان ملک میں ہو تو اُس کو قتل کرنا اُس ملک کی حکومت پر واجب ہے۔ مشہور قول کے مطابق ایسے ملعون کی توبہ قبول نہیں کی۔ وہ کافر ہے اور جو اُس کے کفر میں شک کرتا ہے وہ بھی کافر ہے اور یہ آئمہ اربعہ کا مسلک ہے اور اس پر اُمت کا اجماع ہے۔

شیخ الاسلام تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام الحرانی الدمشقی المعروف بابن تیمیہ نے اپنی مشہور ومعروف کتاب "الصَّارِمُ الْمَسْلُوْلُ عَلٰی شَاتِمِ الرَّسُوْل" میں نقل کیا ہے کہ عام اہل علم کا مذہب ہے کہ جو آدمی (خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے تو اُس کو قتل کرنا واجب ہے۔ ابن منذر نے بیان کیا کہ عام اہل علم کا اجماع ہے کہ جو آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے، اُس کی حد قتل کرنا ہے اور اسی بات کو (اہل سنت کے آئمہ) امام مالک، امام لیث، امام احمد اور امام اسحٰق نے بھی اختیار کیا ہے اور امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔ ابوبکر فارسی نے اصحابِ امام شافعی سے مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے کہ شاتمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حد قتل ہے۔[1]

"محمد بن سحنون کہتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گستاخ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

---

[1] تقی الدین ابن تیمیہ، متوفی (۷۲۸ھ)، الصَّارِمُ الْمَسْلُوْلُ عَلٰی شَاتِمِ الرَّسُوْل

Presented by Ziaraat.Com

توہین و تنقیص کرنے والا کافر ہے اور حدیث میں اس کے لیئے سخت سزا کی وعید آئی ہے اور اُمتِ مسلمہ کے نزدیک اُس کا شرعی حکم قتل ہے۔ اور جو آدمی اُس شخص کے کفر اور عذاب کے بارے میں شک وشبہ کرے گا وہ بھی کافر ہوگا۔ (۱)

علامہ ابن تیمیہ نے "ابن سحنون" سے مزید نقل کیا ہے کہ اگر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو) گالی دینے والا مسلمان ہے تو وہ کافر ہو جائے گا اور بلا اختلاف اُس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور یہ آئمہ اربعہ وغیرہ کا مذہب ہے۔ (۲)

امام احمد بن حنبل نے تصریح کی ہے کہ جو آدمی بھی خواہ مسلمان ہو یا کافر اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین و تنقیص کرتا ہے اُس کو قتل کرنا واجب ہے۔ اور میری رائے یہ ہے کہ اُس کو توبہ کرنے کیلئے مہلت نہ دی جائے گی بلکہ فوراً ہی قتل کر دیا جائے گا۔ (۳)

شیعہ علماء کرام کے نزدیک بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والا واجب القتل ہے۔ (۴)

ماضی قریب میں ایک ملعون سلمان رشدی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کیا تھا۔ اُس وقت رہبرِ انقلابِ اسلامی اور اسلامی جمہوریہ ایران کے بانی سیّد روح اللہ موسوی خمینی صاحب نے اُس کے خلاف فتویٰ جاری کرتے ہوئے اُسے واجب القتل قرار دیا تھا۔

اُنہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والا ملعون سلمان رشدی،

---

(۱) المرجع السابق (۳،۴)

(۲) الصارم المسلول (۳،۴)

(۳) المرجع السابق (ص:۴)

(۴) شیخ محمد بن یعقوب کُلینی (متوفی ۳۲۹ء)، الکافی، ج ۷، ص ۲۵۹۔ محمد بن حسن طوسی، تھذیب الاحکام، ج ۱۰، ص ۱۴۱۔ شریف مرتضیٰ، الانتصار، ص ۴۸۱۔ آغا خوئی، مبانی تکملۃ المنھاج، ج ۱، ص ۲۶۴۔ سیّد خوانساری، جامع المدارک، ج ۷، ص ۱۰۹۔ شیخ جواھری، جواھر الکلام، ج ۴۱، ص ۴۳۲

واجب القتل ہے اور جو اُس کو مارتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے۔ یہ مرتد اگر توبہ بھی کر لے یا اپنے زمانے کا سب سے بڑا زاہد بھی بن جائے، پھر بھی اس کے خلاف فتوی اپنی جگہ باقی رہے گا۔
آیت اللہ سید علی خامنہ ای بھی فرماتے ہیں کہ سلمان رشدی کیخلاف فتویٰ اس کی توبہ کی صورت میں بھی تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔[۱]

امام خمینیؒ کے پیغام اور فتویٰ کا مکمل متن[۲]

موضوع: آیاتِ شیطانی کی کفر آمیز کتاب کے مؤلف سلمان رشدی کے قتل کا فتویٰ

تمام مسلمانان عالم کے نام

بسمہ تعالی

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ

پورے عالم کے غیور مسلمانوں کو اعلان کرتا ہوں کہ کتاب (شیطانی آیات، جو اسلام، قرآن اور پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلاف تدوین اور شائع ہوئی ہے، کا مؤلف و ناشرین واجبُ القتل ہیں۔ میں تمام غیور مسلمانوں سے چاہتا ہوں کہ ان افراد کو جہاں بھی پائیں، معدوم (قتل) کر دیں تا کہ اس کے بعد کوئی بھی مسلمانوں کے مقدسات کی توہین کی جرأت نہ کر سکے اور جو بھی اس راہ میں مارا جائے وہ شہید ہے انشاء اللہ۔ اگر کتاب کا مؤلف کسی کی دسترس میں ہے مگر وہ اس کو قتل کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کا فرض ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو بتا دے تا کہ وہ اپنے عمل کی سزا پائے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

---

[۱] http://www.islamtimes.org/ur/doc/news/224951/txt/

[۲] ویب سائٹ ابنا ڈاٹ کوم (خبر گزاری اہل بیت علیہم السلام)

Presented by Ziaraat.Com

غزوۂ نجران یا غزوۂ بنو سلیم

(ربیع الآخر ۳ ہجری/ستمبر، اکتوبر ۶۲۴ء)

نجران، موجودہ سعودی عرب کے شمال مغرب میں یمن کی سرحد کے قریب ایک شہر کا نام ہے۔ یہ غزوہ اُسی شہر میں واقع ہوا اسلئے اسے غزوۂ نجران اور وہاں رہنے والے قبیلے بنو سلیم کی نسبت سے غزوۂ بنو سلیم کہا جاتا ہے۔ محرم ۳ ہجری/ جون ۶۲۴ء میں بنو غطفان کی بغاوت کے بعد ربیع الآخر ۳ ہجری/ستمبر، اکتوبر ۶۲۴ء میں نجران کے قبیلہ بنو سلیم نے سر اُٹھایا۔ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا عامل مقرر فرمایا اور تین سو مجاہدین کا ایک دستہ لے کر فوراً نجران روانہ ہوگئے۔ بنو سلیم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو اُن پر جلالِ نبوّت کی ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی اور اپنے کنوؤں اور تالابوں پر بکھر کر کام کاج میں مصروف ہوگئے، گویا کہ اُنھوں نے میدان سے راہِ فرار اختیار کرلی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں پر کچھ دیر چہل قدمی فرمائی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابل کوئی نہ آیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے درگذر فرمایا اور واپس تشریف لے آئے۔[1]

تحریکِ اسلام کا سفر انتہائی دشوار گذار اور پُر خطر تھا۔ اس میں قدم قدم پر سازشوں کے جال بکھرے ہوئے تھے اور بغاوتوں کے طوفان سر اُٹھائے کھڑے تھے، کم ظرف و فرومایہ اور چالباز دشمنوں اور منافقوں سے واسطہ تھا لیکن اس تحریک کے قائد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی خود اعتمادی، بے مثال تدبر، خلقِ عظیم اور اوصافِ حمیدہ کی بدولت ہر مرحلے پر کامیاب و کامران تھے۔ اس غزوہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نفیس مزاجی، اعلیٰ ظرفی اور عظمت و وقار قابلِ غور ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ ملاحظہ فرمایا کہ دشمن نے مقابلے پر آنے کی جرأت نہیں کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں للکارانہ حملہ آور ہوئے بلکہ کشت وخون سے اجتناب فرمایا اور میدانِ جنگ میں مجاہدانہ وقار کے ساتھ محض چہل قدمی فرما کر دشمن پر اپنی عظمت وجلال کو ظاہر فرمایا۔

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۵۰۔
احمد بن محمد قسطلانی (متوفی ۹۲۳ ہجری)، المواھبُ اللدنیہ

Presented by Ziaraat.Com

حضرت حفصہؓ سے نکاح

(شعبان ۳ہجری/فروری ۶۲۵ء)

شعبان ۳ہجری، جنوری یا فروری ۶۲۵ء میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر بن خطابؓ کی بیٹی حضرت حفصہؓ سے نکاح فرمایا۔

ولادتِ امام حسن علیہ السلام

(۱۵رمضان ۳ ہجری، یکم مارچ ۶۲۵ء)

۱۵رمضان ۳ہجری بمطابق یکم مارچ ۶۲۵ء کی رات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے ہاں پہلے فرزند جناب امام حسن علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں یہ اپنی نوعیت کی پہلی خوشی تھی۔ کفارِ مکّہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''ابتر'' کہہ کر طعنہ زنی کیا کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی فرزند نہیں چنانچہ سورۃ الکوثر نازل ہوا جس کی عملی تفسیر امام حسن علیہ السلام کی ولادت کی صورت میں سامنے آئی۔

حضرت فاطمہ علیہا السلام کی نسل پاک سے گیارہ امام متولد ہوئے جن کے ذریعے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل پاک آگے بڑھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے قیامت میں میرے سلسلہ کے سوا سارے سلسلے ٹوٹ جائیں گے اور کسی کا رشتہ کسی کے کام نہ آئے گا۔[۱]

علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ تمام انبیاء کی اولاد ہمیشہ قابل تعظیم سمجھی جاتی رہی ہے لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سلسلے میں سب سے زیادہ حق دار ہیں۔[۲]

علامہ جلال الدین فرماتے ہیں کہ حضرات حسنین علیہما السلام کی اولاد کے لئے سیادت مخصوص ہے۔ مرد ہو یا عورت، جو بھی اُن کی نسل سے ہے وہ قیامت تک ''سیّد'' رہے گا اور ساری کائنات پر واجب

---

[۱] ابن حجر مکی (متوفی ۹۷۴ھ)، الصواعق المحرقة، ص ۹۳

[۲] حسین بخش واعظ کاشفی کمال الدین (متوفی ۹۱۰ھ)، روضۃ الشھدا، ص ۴۰۴

Presented by Ziaraat.Com

ہے کہ ہمیشہ اُن کی تعظیم کرتی رہے۔ [1]

روایت ہے کہ قبلِ ولادت سبطِ اکبر علیہ السلام، حضرت اُمُّ الفضل نے خواب میں دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اطہر کا ایک ٹکڑا اُن کے گھر میں پہنچا۔ اُنہوں نے وہ خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب میری لختِ جگر فاطمہ (علیہا السلام) کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوگا جس کی پرورش آپ کریں گی۔ بقولے، اُمُّ الفضل نے یہ خواب حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادت سے پہلے دیکھا۔

روایت ہے کہ امام حسن علیہ السلام کی پیدائش کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک سفید ریشمی رومال پیش کیا جس پر ''حسن'' لکھا ہوا تھا۔ [2] چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نواسے کا نام حسن (علیہ السلام) رکھا۔ ماہر علم النسب علامہ ابوالحسین کا کہنا ہے کہ خداوند عالم نے حضرت فاطمہ علیہا السلام کے دونوں شاہزادوں کے نام انظارِ عالم میں پوشیدہ رکھے تھے۔ یعنی اِن سے پہلے حسن و حسین نام سے کوئی موسوم نہیں ہوا تھا۔ اعلام الوریٰ کے مطابق یہ نام بھی لوحِ محفوظ میں پہلے سے لکھا ہوا تھا۔ [3]

روایت ہے کہ ولادت کے بعد جب امام حسن علیہ السلام کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے حد خوش ہوئے اور اُن کے دہن مبارک کو اپنی زبان اطہر سے سیراب فرمایا۔ [4]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نواسے کو آغوش میں لے کر پیار کیا، دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی۔ زبانِ اطہر چوسائی اور دُعا کی کہ خدایا! اِس کو اور اِسکی اولاد کو اپنی پناہ میں رکھنا۔ [5]

---

[1] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے بحوالہ لوامع النزیل ج ۳ ص ۳، اسعاف الراغبین برحاشیہ نور الابصار شبلنجی ص ۱۱۴ طبع مصر

[2] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، بحار النوار

[3] علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء) اعلام الوریٰ۔ علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے ص ۱۷۸

[4] علل الشرائع

[5] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، بحار النوار

Presented by Ziaraat.Com

غزوۂ اُحد

(۶ شوال ۳ ہجری/ ۲۲ مارچ ۶۲۵ء)

اُحد کی وجہ تسمیہ

''اُحد'' مدینہ منورہ کا ایک مشہور پہاڑ ہے جو شمال کی جانب تقریباً دو میل کی مسافت پر واقع ہے یہ پہاڑ دیگر پہاڑوں سے منقطع اور بالکل الگ ہونے کی وجہ سے ''اُحد'' کہلاتا ہے، یہ غزوہ اسی پہاڑ کے دامن میں واقع ہوا اس لئے اسے غزوۂ اُحد کہا جاتا ہے۔

یہ غزوہ ۷ شوال اور بقولے ۱۵ شوال کو ہجرت کے بتیس ماہ بعد ۳ ہجری میں ہوا۔[۱] مؤرخین نے اس کی تاریخ ۳ ہجری ۶ شوال، ۷ شوال، ۱۱ شوال اور نصف شوال کے بعد بھی بیان کی ہے۔

غزوۂ اُحد کا پس منظر

اس غزوہ میں بعض مسلمان اُس مرکزِ استقامت سے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعین فرمایا تھا متزلزل ہو گئے تھے۔ وہ ثابت قدم نہ رہے اور اسبابِ دُنیا یعنی مالِ غنیمت اکٹھا کرنے کی طرف متوجہ ہو گئے۔[۲] جیسا کہ پروردگارِ عالم نے فرمایا:[۳]

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

(خدا نے اپنا وعدہ پورا کر دیا جب تم اُس کے حکم سے کفّار کو قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ تم نے

---

[۱] سید محسن الامین العاملی (متوفی ۱۹۵۲)، اعیان الشیعہ ج ۲ ص ۱۷۷

[۲] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۵۳

[۳] سورۃ آلِ عمران، آیت ۱۵۲

Presented by Ziaraat.Com

کمزوری کا مظاہرہ کیا اور آپس میں جھگڑا کرنے لگے اور اُس وقت خدا کی نافرمانی کی جب اُس نے تمہاری محبوب شے کو دکھلا دیا تھا تم میں سے کچھ دُنیا کے طلبگار تھے اور کچھ آخرت کے۔)

وحشت و مصیبت سے بھرپور اس غزوہ میں فتح و نصرت اور عزت و رفعت آخر کار اہلِ ایمان کا مقدر بنی۔ ''مواہب'' میں بعض علماء سے منقول ہے کہ جو یہ کہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شکست و ہزیمت ہوئی، اُس سے توبہ کرائی جائے اور اگر توبہ نہ کرے تو وہ واجب القتل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یقینِ کامل پر گامزن تھے لہٰذا ہزیمت کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف کرنا موجبِ کفر ہے۔[1]

اسلام کی روز افزوں بڑھتی ہوئی طاقت کفّار کے لئے سخت پریشانی کا باعث تھی۔ وہ اس قوت کا قلع قمع کر دینا چاہتے تھے۔ طلوعِ اسلام سے لے کر تا حال وہ ہر طرح سے اسلام کا نام و نشان مٹانے کی کوششوں میں مصروف تھے لیکن اُن کی کوئی کوشش بارآور ثابت نہیں ہو رہی تھی حتیٰ کہ بدر میں بھی اُن کو سخت ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا جس کی وجہ سے اُن کا جذبۂ انتقام بھڑک اُٹھا تھا۔ انتقام کی اس آگ کو ایک یہودی کعب بن اشرف (بالائی صفحات پر سریہ محمد بن مسلمہؓ میں اس کا انجام بیان کیا جا چکا ہے) نے خوب ہوا دی تھی۔ اُس نے مکہ جا کر قریش کے مقتولین بدر پر نوحہ خوانی کی جوش دلانے والے اشعار کہے اور انہیں انتقام لینے پر اُکسایا تھا۔ چنانچہ اب قریش کا منصوبہ یہ تھا اپنی تمام تر مالی اور عسکری قوت کو یکجا کر کے مسلمانوں پر ایسی کاری ضرب لگائی جائے کہ اسلام اور اسلام کے پیروکار صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں اور اس طرح بدر کی شکست کا جو داغ اُن کے دامن پر لگا تھا، وہ دھل جائے۔[2]

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۵۳۔
احمد بن محمد قسطلانی (متوفی ۹۲۳ ہجری)، المواہبُ اللدنیہ

[2] مسٹر کے اے حمید، تاریخ مسلمانان عالم، ج ۱ ص ۵۔ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۲۳

Presented by Ziaraat.Com

اس جنگ کے لئے سب سے زیادہ پرجوش ابوسفیان اور اُس کی بیوی ہندہ تھے کیونکہ جنگ بدر میں ان کا بیٹا حنظلہ، ہندہ کا باپ عتبہ، چچا شیبہ اور بھائی ولید اپنے ساتھیوں کے ساتھ مارے گئے تھے اور اُن کے انتقام نے انہیں دیوانہ کردیا تھا۔ پس وہ اس منصوبہ پر عمل پیرا ہونے کے لیے بہت جوش وخروش کے ساتھ میدان میں آ گئے۔

روایت ہے کہ ابوسفیان نے اپنے اُس تجارتی قافلہ کے مال کو، جسے وہ بدر کے موقع پر شام سے مکّہ لایا تھا، دارالندوہ میں رکھا اور لوگوں سے کہا کہ اپنے اموال سے ہماری اعانت کرو تاکہ ہم ایک عظیم لشکر تیار کریں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے جنگ کرکے بدر کا انتقام لیں۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ تجارتی قافلہ کا وہ مال ایک ہزار اُونٹ کے بوجھ کا تھا جس کی اصل قیمت پچاس ہزار مثقال تھی جبکہ اُس کا نفع بیس ہزار مثقال تھا۔ عبداللہ بن اُبی، ربیعہ، عکرمہ بن ابوجہل، صفوان بن اُمیّہ اور کئی اور روساءِ قریش مل کر ابوسفیان کے پاس آئے اور پھر سب مل کر اُن لوگوں کے پاس گئے جن کا سرمایہ اُس تجارتی قافلے میں لگا ہوا تھا، اُنہوں نے تجویز پیش کی کہ اس مرتبہ تجارت میں جو رقم حاصل ہوئی ہے سب کی سب جنگ کے فنڈ میں جمع کرادی جائے، تمام لوگ اس پر متفق ہو گئے۔

اس کا ذِکر قرآن مجید میں یوں آیا ہے:[1]

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۳۶

(بے شک جو لوگ کافر ہیں وہ اس لئے اپنے مال خرچ کرتے ہیں کہ (لوگوں کو) خدا کی راہ سے روکیں یہ آئندہ بھی اسی طرح خرچ کریں گے اور پھر انجام کار یہ (مال خرچ کرنا) ان کے لئے حسرت اور پچھتاوے کا باعث بن جائے گا۔ اور بالآخر وہ مغلوب ہو جائیں گے۔ اور جو کافر ہیں وہ گھیر گھار کر جہنم کی طرف جمع کئے جائیں گے)

---

[1] سورۃ الانفال، آیت ۳۶

Presented by Ziaraat.Com

پھر اُنہوں نے عرب کے چرب زبانوں کی ایک جماعت کو جس میں عمرو بن عاص بھی تھا، عرب کے قبائل کنانہ، تہامہ اور سقیف وغیرہ کی طرف بھیجا تا کہ اُن کو بھی جنگ کے لئے مدد واعانت پر آمادہ کریں۔ چنانچہ وہ اس مہم میں خوب کامیاب رہے اور عرب قبائل سے کثیر مالی معاونت اور بڑی تعداد میں جنگجو حاصل کر لیے۔ غلاموں کی ایک بہت بڑی تعداد کو بھی اس جنگ میں اس وعدہ پر شامل کیا گیا کہ فتح کے بعد اُنہیں آزاد کر دیا جائے گا۔ جبیر بن مطعم کا غلام وحشی بن حرب جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، اُنہی میں سے ایک تھا۔

عربوں میں اپنی عورتوں کو جنگ پر لے جانے کا رواج نہیں تھا مگر اس جنگ کے لئے ابوسفیان کی بیوی ہندہ دختر عتبہ بن ربیعہ مُصر تھی کہ لشکر کے ساتھ عورتیں بھی ہوں جو مقتولینِ بدر پر نوحہ کریں اور ایسے ترانے گائیں جن سے مسلمانوں کے خلاف جوشِ انتقام پیدا ہو اور لوگوں میں جنگ کرنے کا ولولہ اُبھرے نیز اُن کی موجودگی میں لوگ میدان جنگ سے فرار نہ ہوں۔ چنانچہ ہندہ کی تجویز کا خیر مقدم کیا گیا اور چند مردوں نے اپنی عورتوں کو بھی ساتھ لے لیا۔ اُن میں سے خاص خاص عورتوں اور اُن کے ساتھیوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں:[1]

۱۔ ابوسفیان بن حرب امیرِ جماعت کے ساتھ اُس کی بیوی ہندہ بنت عتبہ بن ربیعہ

۲۔ عکرمہ بن ابوجہل بن ہشام بن مغیرہ کے ساتھ، اُم حکیم بنت حارث بن ہشام بن مغیرہ

۳۔ عکرمہ بن ابوجہل کے چچا حارث بن ہشام بن مغیرہ کے ساتھ، بنتِ ولید بن مغیرہ

۴۔ صفوان بن اُمیّہ بن خلف کے ساتھ، برزہ یا برہ بنت مسعود بن عمرو بن عمیر ثقیفہ

۵۔ عمرو بن عاص بن وائل کے ساتھ، عبداللہ بن عمرو بن عاص کی ماں ریطہ بنت منبہ بن حجاج

۶۔ طلحہ بن ابی طلحہ کے ساتھ، سلافہ بنت سعد بن شہیہ

---

[1] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۲۵۔

ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ ص ۱۷۴

Presented by Ziaraat.Com

یہ تمام عورتیں اپنے اپنے شوہروں کے ساتھ تھیں۔

۷۔ابوعزیز بن عمیر کے ساتھ اُس کی ماں خناس بنت مالک بن الفرب تھی۔

لشکر کفار

اس جنگ کے لئے کفار نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کرلیا تھا جو ابوسفیان کی سرداری میں مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا۔ بروایتے اُس کی تعداد تین ہزار (۳۰۰۰) سے چار ہزار (۴۰۰۰) تھی۔[1]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ اس لشکر کی نفری تین ہزار (۳۰۰۰) تھی جن میں سات سو (۷۰۰) زرہ پوش تھے، دو سو (۲۰۰) گھوڑے، تین ہزار (۳۰۰۰) اُونٹ اور پندرہ سو (۱۵۰۰) عورتوں کے ہَودَج (کجاوے) تھے۔ الرحیق المختوم میں ہے کہ لشکر میں پندرہ (۱۵) عورتیں تھیں۔[2] (اگر عورتوں کی تعداد پندرہ ہو تو ہووج بھی پندرہ ہی ہوسکتے ہیں نہ کہ پندرہ سو، پس مدارج النبوت میں کتابت کی غلطی کا گمان ہے۔ مؤلف)

لشکرِ کفار نے مدینہ سے پانچ چھ میل پہلے ذوالحلیفہ کے مقام پر قیام کیا، پھر پیش قدمی کی اور اُحد کے کنارے وادی بطن میں مدینہ طیبہ کے مقابل پڑاوٗ ڈالا۔[3]

کہتے ہیں کہ قریش کی فوج مکّہ سے روانہ ہوئی تو کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ابواء کے مقام پر پہنچی۔ ابواء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ محترمہ کی آخری آرام گاہ تھی۔ قریش کے کچھ غیر سنجیدہ لوگوں نے اصرار کیا کہ پیغمبرِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی والدہ ماجدہ کا جسدِ مبارک قبر سے نکال لیا جائے، بروایتے یہ تجویز ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے پیش کی۔[4] تاہم اُن میں موجود کچھ دوراندیش لوگوں نے اس تجویز کی مذمت کی اور کہا کہ ایسا کرنے سے ممکن ہے کہ مستقبل میں یہ

---

[1] آیت اللہ جعفر سبحانی، دی میسیج (The Message)، ص ۳۴۲

[2] مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، الرحیق المختوم ص ۳۳۹

[3] شیخ عبدالحق محدث دہلوی، متوفی ۱۶۴۲ء، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۵۴

[4] مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، الرحیق المختوم ص ۳۴۱

Presented by Ziaraat.Com

رواج بن جائے اور ہمارے دشمن ہمارے مُردوں کی قبریں اُکھاڑ کر اُن کی بے حرمتی کریں۔ [1]

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ اُس وقت مکّہ میں تھے۔ اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک خط کے ذریعے قریش کی لشکر کشی سے آگاہ کیا۔ وہ خط بنی غفار کا ایک شخص لے کر آیا تھا جس میں قریش کے جنگی منصوبے کی تفصیل درج تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حباب ؓ کو تصدیق کے لیے روانہ کیا تو اُنھوں نے آکر بتایا کہ قریش کی فوج کا ہراول دستہ مدینہ کے قریب پہنچ چکا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس ؓ اور مونس ؓ کو بھی لشکرِ قریش کی خبر لانے کو روانہ کیا اور اُنھوں نے آکر بتایا کہ قریش مدینہ کے قریب پہنچ چکے ہیں اور اُنھوں نے اپنے مویشی مدینہ کے کھیتوں میں چرنے کے لئے چھوڑ دیے ہیں۔ [2]

قریش کا لشکر مسلمانوں سے پہلے ہی میدان جنگ میں پہنچ گیا تھا۔ اُس نے اُحد کی وادی میں چھاؤنی ڈالی اور فوجوں کو مدینہ منوّرہ کے شمال میں بئرِ رومہ اور غابہ کے درمیان پھیلا دیا۔ جغرافیائی اور جنگی لحاظ سے وہ بہترین جگہ تھی۔ وہاں پانی بھی تھا اور جانورں کے لیے چارے کی سہولت بھی تھی۔ عقب اور دائیں بائیں سے اچانک حملے کا امکان بھی بہت کم تھا۔

ابوسفیان کو اپنی مرضی کا محاذ و مقامِ جنگ منتخب کرنے کا موقع مل گیا تھا چنانچہ اُس نے میدانِ جنگ کے جغرافیائی و عسکری حالات کا جائزہ لیا اور اُن کے مطابق اپنی افواج کی صف آرائی کی۔ جنگ کے واقعات وکوائف کے مطالعہ سے اِس بات کا سراغ ملتا ہے کہ ابوسفیان کی جنگی چال یہ تھی کہ مسلمانوں کو جُل دے کر اُن کے عقب میں کوہِ عینین کے درّے پر قبضہ کرلیا جائے اور اس طرح پیچھے سے بھی حملہ کر کے اُنہیں گھیرے میں لے کر اُن کا قلع قمع کر دیا جائے اور پھر مدینہ کو تاخت و تاراج کر دیا جائے۔ چنانچہ اُس نے میمنہ پر خالد بن ولید کو، میسرہ پر عکرمہ بن ابوجہل کو اور قلب

---

[1] آیت اللہ جعفر سبحانی، دی میسیج (The Message)، ص ۳۴۳

[2] آیت اللہ جعفر سبحانی، دی میسیج (The Message)، ص ۳۴۳

Presented by Ziaraat.Com

پر صفوان بن اُمیّہ کو سالار مقرر کیا۔ تیر اندازوں کے دستے عبداللہ بن ابی ربیعہ کی کمان میں دیے۔ درّے پر قبضہ کر کے لشکرِ اسلام پر عقب سے حملہ کرنے کی ذمہ داری بھی خالد بن ولید کی تھی اور اُس کو بروقت کمک پہنچانے کا کام عکرمہ بن ابوجہل کے سپرد کیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں لشکرِ کفّار کیونکہ مسلمانوں سے پہلے میدان میں پڑاؤ ڈال چکا تھا اس لیے ابوسفیان نے ایک اور مکاری یہ کی کہ مسلمانوں کی متوقع صف بندی کے مقام کے آس پاس جا بجا گڑھے کھدوا کر اُن کو کھجور کے پتوں اور چھال وغیرہ سے ڈھانپ دیا تا کہ جب مسلمانوں پر عقب سے حملہ کیا جائے اور وہ سراسیمہ ہو کر یا دفاع کے لیے اِدھر اُدھر بھاگیں تو ان گڑھوں میں گر جائیں۔ اُن گڑھوں کا دوسرا مقصد اُن سے کمین گاہوں کا کام لینا تھا، اس کے لیے اُس نے اُن میں اپنے فوجی چھپا دیے تھے چنانچہ ایسے ہی ایک گڑھے سے نکل کر شداد بن اسود لیثی نے حضرت حنظلہؓ پر حملہ کر کے اُنہیں شہید کیا جب وہ ابوسفیان پر حملہ آور ہو رہے تھے۔[۱]

مسلمانوں میں اختلاف رائے

دوسری طرف مسلمانوں کے درمیان اس جنگ کے سلسلہ میں اختلافِ رائے پیدا ہو گیا تھا۔ بعض لوگ، خصوصاً وہ انصار جو غزوۂ بدر میں شامل نہ ہو سکے تھے، خواہش رکھتے تھے کہ کوئی ایسا معرکہ پیش آئے جس میں وہ شامل ہو کر فریضہ جہاد ادا کر سکیں، اُن کی تمنا تھی کہ مدینہ سے باہر نکل کر معرکہ آرا ہوا جائے۔ کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ باہر نکل کر جنگ کرنے کی بجائے مدینہ طیبہ میں محصور ہو کر دفاع کرنا چاہیے۔ جہاد کے لیے بیقرار اہلِ ایمان کی بیتابی اور جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ وہ جنگ کے حق میں بڑھ چڑھ کر دلائل دینے لگے، حتیٰ کہ اُن کا اصرار اس قدر بڑھ گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بحیثیتِ پیغمبرِ خدا اور سپہ سالار خود فیصلہ کرنا پڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جنگ کرنے

---

[۱] ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)، تاریخ ابن خلدون، ج ا ص ۱۰۲
ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص ۵۰۸

Presented by Ziaraat.Com

پر رضامندی ظاہر فرما دی۔ وہ جمعہ کا دن تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ کا خطبہ دیا، جہاد اور شہادت کے فضائل بیان فرمائے، صبر و استقامت کی تلقین و وضاحت فرمائی اور نماز سے فارغ ہو کر اپنے گھر تشریف لے گئے۔ اس دوران چند اصحاب نے خطاب کیا اور جنگ کے لیے مُصر لوگوں کو ہٹ دھرمی چھوڑنے کی نصیحت کی جو کافی حد تک مؤثر ثابت ہوئی چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مسلح ہو کر گھر سے باہر تشریف لائے تو جنگ پر آمادہ کئی لوگوں نے اپنی رائے سے دستبرداری اور ندامت کا اظہار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،'' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شایانِ شان نہیں کہ ہتھیار پہن کر اُتار دے جب تک کہ اللہ تعالیٰ اُس کے اور دشمن کے درمیان فیصلہ نہ کر دے۔'' بیشک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان وحیِ الٰہی کے عین مطابق تھا۔ ارشادِ پروردگار ہے:[1]

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿١٥٩﴾

(اے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! یہ اللہ کی بہت بڑی مہربانی ہے کہ تم اِن لوگوں کے لیے اتنے نرم مزاج ہو۔ ورنہ اگر تم درشت مزاج اور سنگدل ہوتے تو یہ سب آپ کے گرد و پیش سے منتشر ہو جاتے۔ اِنہیں معاف کر دیا کریں۔ اِن کے لیے دعائے مغفرت کیا کریں اور معاملات میں اِن سے مشورہ بھی لے لیا کریں۔ مگر جب کسی کام کے کرنے کا حتمی ارادہ ہو جائے تو پھر خدا پر بھروسہ کریں بے شک اللہ بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔)

لشکرِ اسلام

اسلامی لشکر کی تعداد نوسو (۹۰۰) اور بروایتے ایک ہزار (۱۰۰۰) تھی جن میں سو زرہ پوش تھے۔[2]

---

[1] سورۃ آلِ عمران: آیت ۱۵۹

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۵۷

Presented by Ziaraat.Com

اس لشکر میں سے تین سو (۳۰۰) ساتھیوں کو لے کر عبداللہ بن اُبی الگ ہو گیا تھا اس طرح لشکرِ اسلام کی تعداد صرف سات سو (۷۰۰) رہ گئی تھی۔ لشکر میں صرف دو (۲) گھوڑے تھے۔[۱]

لشکرِ اسلام میں تین علم مرتب کیے گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین کا علم حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کو، قبیلہ اوس کا پرچم حضرت سعد بن عبادہؓ کو اور قبیلہ خزرج کا جھنڈا حضرت خباب بن المنذرؓ کو دیا۔[۲]

روانگی

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابن اُم مکتومؓ کو مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا اور ۶ شوال ۳ھ بمطابق ۲۲ مارچ ۶۲۵ء کو نمازِ جمعہ کے بعد لشکرِ اسلام کے ساتھ اُحد کی طرف کُوچ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس وقت گھوڑے پر سوار تھے، کندھے پر کمان اور ہاتھ میں نیزہ تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں تھے۔

منافقین کی غداری

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام شوط پر پہنچے تو عبداللہ بن اُبی اپنے تین سو سواروں کے ساتھ یہ کہہ کر لشکر سے الگ ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری رائے سے اتفاق نہیں کیا لہٰذا ہم اپنی جانوں کو ہلاکت میں کیوں ڈالیں؟ (اُس نے مشورہ دیا تھا کہ جنگ کرنے کی بجائے مدینہ کے اندر محصور ہو کر دفاع کیا جائے) عبداللہ بن اُبی کی منافقت کا اثر اور لوگوں پر بھی ہُوا اور وہ بھی واپسی کی باتیں کرنے لگے۔ منافقوں کی غداری کے ساتھ ساتھ فوج، اسلحہ، سواری اور رسد کی قلّت بھی تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی خوف اور غم نہیں تھا۔ جیسا کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے فرمایا:[۳]
اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ (آگاہ رہو کہ جو اللہ کے دوست

---

[۱] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ، تاریخ طبری)، ج ۳ ص ۱۲
[۲] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۵۷
[۳] سورۃ یونس، آیت ۶۲

Presented by Ziaraat.Com

ہیں اُن کے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی غم۔)

پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عزم پختہ، ہمت جوان اور حوصلہ بلند تھا۔ چونکہ شام ہونے والی تھی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات شیخین میں گزارنے کا فیصلہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمن سے غافل نہیں رہتے تھے اس لیے حفاظتی اقدامات کو خاص اہمیت دیا کرتے تھے چنانچہ پچاس مجاہدین کے ایک دستے کو پہرہ پر مامور فرمایا۔ پھر رات کے پچھلے پہر کوچ کا حکم دیا۔ القنطرہ میں نمازِ فجر ادا فرمائی۔ دن چڑھے یعنی بروز ہفتہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وادیٔ اُحد میں وارد ہوئے۔

عینین کا درّہ

اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکرِ کفّار کے بعد میدان جنگ میں پہنچے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ ایک ذہین و مثالی ماہرِ حربیات اور سپہ سالار کی طرح فوراً عینین کے درّے پر پڑی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صف بندی کے وقت جغرافیائی ماحول سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے لشکر کے عقب اور دائیں بائیں اُحد کی پہاڑیوں کو رکھا اور فوج کو تین اطراف سے محفوظ کرلیا۔ عینین کے اُس درّہ پر جس سے عقبی جانب سے حملہ ہوسکتا تھا، حضرت عبداللہ بن جُبیر رضی اللہ عنہ کی کمان میں پچاس تیز اندازوں کا ایک دستہ مقرر کردیا اور اُنھیں واضح اور قطعی ہدایات دیں کہ لڑائی کے دوران یا بعد میں، نیز فتح ہو یا شکست، کسی حال میں بھی درّے کو خالی چھوڑ کر نہ جانا۔ بروایتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لشکرِ کفّار اس طرف سے حملہ آور ہو تو تیر اندازی کے ذریعے اُسے ناکام کردینا اور کسی صورت میں بھی اس جگہ سے مت ہلنا چاہے مسلمان غالب ہوں یا مغلوب۔ (1)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم دیکھو کہ ہمیں پرندے اُٹھا کر لے جارہے ہیں تب بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا جب تک کہ میں کسی کو تمہارے بلانے کے لئے نہ بھیجوں اور

Presented by Ziaraat.Com

اگر دیکھو کہ ہم نے کفّار کو شکست دے دی ہے تب بھی تم اپنی جگہ مت چھوڑنا اور اگر وہ ہم سب کو قتل کر دیں تو بھی یہاں سے جنبش نہ کرنا۔[1]

یہ مقام اس اعتبار سے بھی اہم تھا کہ اگر قریش کے دباؤ کی صورت میں مجاہدین پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو جائیں تو تیر انداز اُن کی بھرپور مدد کر سکیں۔ صف بندی میں بھی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ مجاہدین اور قریش کی عددی نسبت ایک اور چار کی تھی لیکن آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے مجاہدین کی صف بندی اس طریق سے کی کہ قریش اپنی ساری فوج بیک وقت اُن کے مقابل نہیں لا سکتے تھے اور نہ اُنھیں گھیرے میں لے سکتے تھے۔

آغازِ جنگ

آغازِ جنگ قریش کی طرف سے ہوا۔ سب سے پہلے اُن کی عورتیں، سپہ سالار ابوسفیان کی بیوی ہندہ کی قیادت میں دف بجاتی اور رجزیہ اشعار الاپتی ہوئی میدان میں آئیں اور گا گا کر اپنے سورماؤں کا حوصلہ بڑھاتی رہیں۔ اس موقع پر ہندہ کے گائے ہوئے اشعار تاریخ میں بہت مشہور ہیں، وہ کہہ رہی تھی:[2]

نحن بنات طارق نمشی علی النمارق

ان تقبلوا نعائق او تدبروا نفارق

فراق غیر واسق

(ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں جو ناز و نعم میں پلی ہیں، آگے قدم بڑھاؤ گے تو ہم تمہارے گلے ملیں گی اور اگر پیٹھ دکھاؤ گے تو تم سے منہ موڑ لیں گی اور ایسے جدا ہو جائیں گی جیسے کبھی محبت تھی ہی نہیں)

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۵۹

[2] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصّہ اوّل ص ۱۷۹

حافظ ابن عبدالبر قرطبی (متوفی ۴۶۳ ہجری)، الاستیعاب، ج ۲ ص ۲۳۰

Presented by Ziaraat.Com

پھر قریش کے حلیف قبیلہ ہوازن کے دستے نے طاقت کے نشے میں پیش قدمی کی لیکن قوتِ ایمانی سے سرشار مسلمان تیراندازوں نے اُن کا نشہ ہرن کر دیا۔[1]

ایک روایت کے مطابق کفار کی طرف سے سب سے پہلے ابو عامر راہب نے، جسے ابو عامر فاسق بھی کہا جاتا تھا لشکرِ اسلام کی جانب تیر پھینکا تھا۔ وہ اپنی قوم کے پچاس آدمیوں کو ہمراہ لے کر آیا تھا۔ اُنہوں نے مل کر تیر چلائے لیکن مسلمانوں کی جوابی کاروائی سے ابو عامر بھاگ کھڑا ہُوا۔[2]

پھر کفار میں سے بنوعبدالدار پرچم لے کر آگے بڑھے۔ اُن کے علمبردار طلحہ بن عثمان ابوطلحہ نے مردِ مقابل کے لیے نعرہ بلند کیا تو حضرت علی علیہ السلام اُس کے مقابلے کو نکلے اور شیر کی طرح اُس پر جھپٹے۔ علی علیہ السلام نے چشم زدن میں تلوار کے ایک ہی وار سے اس کے سر کے دو ٹکڑے کر دیے۔[3]

مدارج النبوت اور تاریخ طبری میں حضرت علی علیہ السلام کی شجاعت کا یہ واقعہ ذرا تفصیل سے مگر مختلف انداز میں درج ہے، طبری کی روایت یوں ہے کہ طلحہ بن عثمان جو کفارِ قریش کا علمدار تھا میدان میں نکلا اور پکارا، ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھیو! تمہارا دعویٰ ہے کہ اللہ ہم کو تمہاری تلواروں سے جہنم واصل کرے گا اور تمہیں ہماری تلواروں کے ذریعے جنت میں پہنچائے گا، تو ہے کوئی تم میں ایسا جو اپنی تلوار سے مجھے جہنم رسید کرے یا میری تلوار سے جنت میں جانا چاہے؟''

اُس کی للکار سُن کر شیرِ خدا سیّدنا علی مرتضیٰ علیہ السلام میدان میں تشریف لائے اور فرمایا، ''قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں تجھے اپنی تلوار سے واصلِ جہنم کر کے چھوڑوں گا۔'' پھر علی علیہ السلام نے تلوار کے ایک ہی وار سے اُس کا پاؤں قطع کر دیا۔[4]

مدارج النبوت میں جناب امیر المومنین علیہ السلام کی شجاعت کے ساتھ ساتھ بے مثال شرم وحیا

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۵۱۰

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۵۹

[3] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۵۱۰

[4] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اوّل ص ۱۷۹

Presented by Ziaraat.Com

اور کمالِ ظرف کا بھی ذِکر کیا گیا ہے۔ روایت یوں ہے کہ جناب علی علیہ السلام نے اُس کے سر پر ایسی ضرب لگائی جس سے وہ شدید زخمی ہوگیا۔ وہ ابھی ہلاک نہیں ہوا تھا مگر علی علیہ السلام واپس تشریف لائے اور اپنی صف میں شامل ہوگئے۔ صحابہ نے پوچھا کہ آپ نے طلحہ کا کام تمام کیوں نہ کر دیا؟ فرمایا کہ جب وہ گرا تو اُس کا ستر کھل گیا تھا (یعنی وہ برہنہ ہوگیا تھا) اور اُس نے مجھے قسم دی کہ میں اُسے چھوڑ دوں، اس حالت میں اُس پر دوبارہ حملہ آور ہونے میں مجھے حیا آئی اور میں نے یہ بھی جان لیا کہ وہ بہت جلد ہلاک ہوجائے گا (پس میں نے اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دیا)۔ [1]

طلحہ کے بعد اُس کے بھائی عثمان بن طلحہ نے لپک کر جھنڈا اُٹھایا لیکن اُسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ہلاک کر دیا۔ اب کفار کا علم ابوسعید بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں آیا لیکن اُسے سعد بن ابی وقاص نے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ [2]

بروایتے طلحہ کے بعد بنی عبدالدار کا دوسرا، تیسرا اور چوتھا شخص یکے بعد دیگرے میدان میں آئے اور سبھی امام علی علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ [3]

علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ طلحہ کے بعد قریش کا علم اُس کے بیٹے ابوسعید نے اُٹھایا۔ حضرت علی علیہ السلام نے اُس کو بھی قتل کر دیا اور علم گر پڑا۔ پھر ابوطلحہ کے دوسرے بیٹے عثمان نے علم اُٹھایا، امیرالمومنین علیہ السلام نے اُسے بھی واصل جہنم کر دیا۔ علم زمین پر گرا تو ابوطلحہ کے تیسرے بیٹے منافع نے اُسے اُٹھایا، وہ بھی حضرت علی علیہ السلام کی تلوار سے مع علم زمین بوس ہوا۔ تب ابوطلحہ کے چوتھے لڑکے حارث نے علم اُٹھایا اور شاہِ ولایت حضرت علی علیہ السلام کی ضربت سے وہ بھی خاک مذلّت پر گرا۔ اب کی بار عزیز بن عثمان نے علم اُٹھایا اور تیغِ اسداللہ سے وہ بھی جہنم میں پہنچا۔ پھر عبداللہ بن جمیلہ

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۶۰
ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصّہ اوّل ص ۱۷۸

[2] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۵۱۰

[3] سید محمد صحفی، حکایاتُ القرآن، طبع جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان

Presented by Ziaraat.Com

نے علم کو بلند کیا وہ بھی قتل ہوگیا تو علم کو عبدالدار کے غلام صواب نے اُٹھایا، حضرت علی علیہ السلام نے اُس کو ایک ضربت لگائی اور اُس کا داہنا ہاتھ قطع ہوگیا، اُس نے بائیں ہاتھ میں علم لیا، آپ نے وہ ہاتھ بھی کاٹ دیا لیکن اُس نے علم کو اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں سے سنبھالا اور کہا اے بنی عبدالدار! کیا جو شرطِ نصرت تھی میں نہیں بجالایا؟ حضرت علی علیہ السلام نے اُس کے سر پر تلوار کا ایک ہاتھ مارا اور اُس کو جہنم واصل کردیا۔ یہ دیکھ کر کفار کے دلوں پر بے حد خوف و ہراس چھا گیا۔[1]

عین اُسی وقت مسلمانوں نے شدید حملہ کیا اور دشمن کی صفیں اُلٹا کر رکھ دیں۔

ابوسفیان نے اس موقع پر ایک چال چلی جو بری طرح ناکام ہوگئی۔ اُس نے چلّا کر انصار سے کہا کہ اے اوس و خزرج! ہماری تم سے کوئی لڑائی نہیں، تم واپس چلے جاؤ ہم تم سے جنگ نہیں کریں گے، تم ہمیں اور ہمارے بھائیوں (مہاجرین) کو آپس میں نمٹنے دو۔ مگر انصار نے اُس کی پیش کش نفرت و حقارت سے ٹھکرادی۔[2] مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی ایک اور اُمید ابھی ابوسفیان کے دل میں باقی تھی، اور وہ تھی راہب ابو عامر کی کوشش۔ ابو عامر مدینہ میں رہنے والا ایک تارک الدنیا قسم کا آدمی تھا جس کے گرد کمزور عقیدہ اور توہم پرست لوگ اکثر منڈلاتے رہتے تھے۔ وہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و بزرگی دیکھ کر حسد میں مبتلا ہوگیا تھا جس کی بنا پر مسلمانوں میں فاسق کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اُس نے قریش سے کہا تھا کہ جب میں میدان میں جاکر انصار کو پکاروں گا تو وہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ساتھ چھوڑ کر میری جانب چلے آئیں گے۔ چنانچہ اس بار وہ بڑی نخوت سے میدان میں آیا اور قبیلہ اوس کے لوگوں کو اپنی طرف بلایا مگر مسلمانوں نے اُسے فاسق کہہ کر اُس پر لعنت بھیجی تو وہ تلملا اُٹھا اور مرنے مارنے پر تُل گیا۔ اس مرتبہ اُس نے خوب جنگ کی مگر بالآخر مسلمانوں کی تلواروں کا لقمہ بن گیا۔[3]

---

[1] علامہ باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۵۶۲

[2] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۳۴

[3] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۳۵

Presented by Ziaraat.Com

ابتدائی فتح

کفّار کے اکثر لوگ بھاگ کھڑے ہوئے اور اُن کے لشکر کا شیرازہ بکھر گیا جب کہ مجاہدینِ اسلام جن میں سب سے ممتاز حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام، حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ، حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ تھے، پورے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔[1] وہ اپنے دین کا کما حقہٗ دفاع کر رہے تھے، یہاں تک کہ اُنھوں نے قریش کے بڑے بت ''ہبل'' کو بھی، جسے وہ اپنے ساتھ لائے تھے، سر کے بل گرا دیا اور دشمن کی کمر توڑ دی۔ یوں رفتہ رفتہ میدان جنگ کافروں سے خالی ہو گیا اور اکثر مسلمان مال غنیمت سمیٹنے میں لگ گئے۔ اربابِ سیر لکھتے ہیں کہ کفار کے جھنڈے کو یکے بعد دیگرے دس اشخاص نے اُٹھایا تھا یہاں تک کہ ایک عورت جس کا نام عمرہ بنت علقمہ حارثیہ تھا علمبردارِ قریش ہوئی۔ پھر گھمسان کا رن پڑا اور مسلمانوں نے مشرکوں پر پے در پے حملے کر کے اُن کی صفوں کو درہم برہم کر دیا اور میدانِ جنگ سے بھگا دیا۔ کفّار کے قتل عام پر اُن کی گانے بجانے والی عورتوں نے دف پھینک دیے اور رونے پیٹنے اور واویلا کرنے لگیں۔ خالد بن ولید نے مشرکوں کی ایک ٹولی کے ساتھ پہاڑی درّے میں داخل ہونے کی کوشش کی تو وہاں متعین تیر اندازوں کے دستے نے اُس ٹولی کو تیر اندازی سے پیچھے دھکیل دیا۔ خالد نے کئی حملے کیے لیکن کوئی بھی کارگر نہ ہوا۔ آخر کار مسلمان غالب آ گئے اور کفار کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔[2]

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر نصیر احمد ناصر صاحب اپنی تالیف ''پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' میں لکھتے ہیں کہ (قریش کے پرچم بردار بنو عبد الدار کی ہلاکت کے بعد) قریش کے پرچم کے گرد گھمسان کا رَن پڑا، فریقین بے جگری سے لڑے۔ پرچم بلند رکھنے کی

---

[1] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۳۲، ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۳ ص ۱۵

[2] شیخ عبد الحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۶۰

Presented by Ziaraat.Com

کوشش میں خاندان عبدالدار کے نو افراد لقمۂ اجل بن گئے تھے۔اس معرکے میں حضرت ابودجانہ (رضی اللہ عنہ)، حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ) اور حضرت علی علیہ السلام نے خاص طور پر بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ دیکھنے والے دنگ رہ گئے۔ [۱]

مؤرخ مولانا شبلی نعمانی کے الفاظ ہیں، ''علمبرداروں کے قتل اور حضرت علی (علیہ السلام) اور حضرت ابودجانہ انصاری (رضی اللہ عنہ) کے بے پناہ حملوں سے فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے، پری وش نازنینیں جو اپنے سریلے رَجزوں سے سپاہیوں کے دِل اُبھار رہی تھیں، وہ بھی بدحواسی کے ساتھ ہٹیں اور مطلع صاف ہوگیا۔ [۲]

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، ارطاۃ بن عبد شرجیل کو قتل کر کے سباع بن عبدالعزیٰ کی طرف بڑھ رہے تھے کہ گھات لگائے بیٹھے وحشی بن حرب نے اُنہیں دیکھ لیا تھا۔وہ حبشیوں کا خاص ہتھیار ''حربہ'' چلانے میں بہت مہارت رکھتا تھا، موقع ملتے ہی اُس نے حربہ مار کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا (حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت اوراس کے پسِ پردہ سازش کا تفصیلی ذِکر آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں)۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے باوجود مجاہدین کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا حتیٰ کہ کفار کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔(حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت سے متعلق مختلف روایات ہیں، بعض کے مطابق یہ جنگ کے دوسرے حصّے میں شہید ہوئے)۔

قریش کی پسپائی کو عصرِ حاضر کے کچھ مؤلفین نے ابوسفیان کی چال قرار دیا ہے حالانکہ ماضی کے مشہور و معروف مؤرخین کے مطابق وہ شکست کھا کر بھاگے تھے، مثلاً:

ابوجعفر محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری میں لکھتے ہیں کہ ابودجانہ (رضی اللہ عنہ)، حمزہ بن عبدالمطلب (رضی اللہ عنہ)

---

[۱] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۵۱۰

[۲] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۳۵۔ مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۴ء)، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۲۷۶

Presented by Ziaraat.Com

اور علی بن ابی طالب علیہ السلام نے کچھ اور مسلمانوں کے ساتھ دشمنوں کا صفایا کر دیا، اللہ نے اپنی مدد اتاری اور اپنا وعدہ اُن سے پورا کیا، اُنہوں نے مخالف فوج کو تلواروں سے اتنا مارا کہ اُنہیں ہٹا دیا اور شکست دے دی جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ تھی۔"[۱]

اور جیسا کہ بالائی سطور میں بیان کیا جا چکا ہے، ماضی قریب کے مشہور مؤرخ علامہ شبلی کے الفاظ ہیں، "علمبرداروں کے قتل اور حضرت علی علیہ السلام اور ابو دجانہ انصاری (رضی اللہ عنہ) کے بے پناہ حملوں سے فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے، پری وش نازنینیں جو اپنے سریلے رجزوں سے سپاہیوں کے دِل اُبھار رہی تھیں، وہ بھی بدحواسی کے ساتھ ہٹیں اور مطلع صاف ہو گیا۔"[۲]

علامہ علی نقی نقن صاحب رقمطراز ہیں، "زبیر سے روایت ہے کہ میں ہند (ہندہ، یہ نام دونوں طرح سے تاریخ میں آیا ہے) بن عتبہ کے ساتھ آئی عورتوں کو دیکھ رہا تھا، (شکست کے بعد) وہ پائنچے اُٹھائے بھاگی جا رہی تھیں اور اُن کے گرفتار کئے جانے میں کوئی دشواری نہیں تھی۔"[۳]

شیخ عبدالحق دہلوی لکھتے ہیں کہ وہ مغنیات جو گا رہی تھیں، (شکست کے بعد) بجائے گانے کے رونے پیٹنے، چیخنے چلانے اور واویلا کرنے لگیں۔ اُنہوں نے دف ہاتھوں سے پھینک دیے اور اپنے دامنوں کو اُٹھا لیا یہاں تک کہ اُن کی پنڈلیاں اور اُن کے پازیب کھل گئے اور وہ پہاڑ کی طرف بھاگنے لگیں۔[۴]

مالِ غنیمت کا لالچ اور درّہ عینین والوں کی غلطی

جنگ اپنے انجام کو پہنچ گئی تھی، مشرکین پسپا ہو چکے تھے لیکن مسلمانوں کی اکثریت اُن کا پیچھا کر کے اُن پر کاری ضرب لگانے کی بجائے مالِ غنیمت کے دام میں پھنس گئی۔ لشکرِ اسلام

---

[۱] ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۳ ص ۱۶

[۲] مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۴ء)، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۲۷۶

[۳] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۳۵

[۴] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۶۰

Presented by Ziaraat.Com

مالِ غنیمت لوٹنے میں مصروف ہوا تو درّے پر متعین تیر اندازوں کا وہ دستہ بھی جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے واضح طور پر ہدایت دی گئی تھی کہ چاہے فتح ہو یا شکست تمہیں اپنی جگہ سے نہیں ہلنا، مالِ غنیمت کے لالچ میں آکر چل پڑا، اُن کے کمانڈر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے اُنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت یاد دلائی اور روکنے کی بہت کوشش کی مگر اُنہوں نے ایک نہ سُنی اور اُن میں سے چالیس مجاہدین دَرّے کو خالی چھوڑ کر مالِ غنیمت لُوٹنے چلے گئے۔ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اپنے دس ساتھیوں کے ساتھ ثابت قدم رہے اور اپنی جگہ سے نہیں ہلے۔ خالد بن ولید نے درّے کے سپاہیوں کو منتشر ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا، وہ اِسی تاک میں تھا، اُس نے عکرمہ بن ابو جہل کو ساتھ لیا اور ایک جماعت کے ساتھ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا۔ اُنہوں نے اپنے باقی ماندہ چند ساتھیوں کے ساتھ مقابلہ کیا لیکن زیادہ دیر تک حملہ آوروں کو روک نہ سکے اور بالآخر ساتھیوں سمیت شہید ہو گئے۔ بھاگتا ہوا ابوسفیان خالی درّہ اور مالِ غنیمت کو لوٹنے میں مصروف مسلمانوں کی غفلت دیکھ کر لوٹ آیا اور پوری قوت کے ساتھ ہلّہ بول دیا۔

یہ بدقسمتی اور حرماں نصیبی محض رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی وجہ سے تھی جو درّے پر متعین تیر اندازوں سے سرزد ہوئی تھی۔

ایک تو مسلمانوں نے مالِ غنیمت کے لالچ میں اپنی صفوں کو خود ہی درہم برہم کر دیا تھا دوسرے قریش کے چاروں طرف سے غیر متوقع حملوں نے اُنہیں بدحواس کر دیا۔ نتیجۃً اُن میں نظم وضبط نہ رہا اور اپنے سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُن کا رابطہ منقطع ہو گیا۔ فوج میں نظم وضبط اور رابطہ نہ رہے تو اُن میں عسکریت بھی نہیں رہتی اور عسکریت نہ رہے تو وہ ایک مسلح ہجوم کی طرح ہو جاتی ہے اور اُس میں قوتِ تسخیر باقی نہیں رہتی۔ تقریباً یہی حال اسلامی لشکر کا ہو گیا تھا۔ حملہ آوروں سے نمٹنے کی بجائے جس کا جدھر منہ تھا اُدھر بھاگ کھڑا ہوا۔ مدارج النبوۃ میں ہے کہ مسلمانوں کا لشکر تتر بتر ہو گیا اور اضطراب اور بدحواسی کا یہ عالم تھا کہ اپنے علامتی نشان تک بھول گئے اور غلطی سے ایک دوسرے کو ہی قتل کرنے لگے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اُس بدحواسی کے سبب اسید بن حضیر کو دو زخم

اپنے ہی ساتھیوں کے ہاتھ سے آئے، ابو بردہ بھی اسی طرح زخمی ہوئے اور حذیفہ کے والد یمان بھی مسلمانوں ہی کے ہاتھوں مارے گئے۔ [1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے تھے، کچھ مدینہ میں چلے گئے اور چند ایک چٹان پر جا کر ٹھہر گئے۔ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باآوازِ بلند اُن کو بلاتے تھے کہ اے بندگانِ خدا میری طرف آؤ، میری طرف۔ [2]

اِسی سے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓی اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ فِیْٓ اُخْرٰىکُمْ .... [3]

(اُس وقت کو یاد کرو) جب تم بے تحاشا بھاگے چلے جا رہے تھے اور کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ حالانکہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے پیچھے سے تمہیں پکار رہے تھے....)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب "مدارج النبوت" میں لکھتے ہیں، "اُس وقت صحابہ چار قسموں میں بٹ گئے تھے۔ صحابہؓ کی ایک قسم جنگ میں مصروف تھی اور وہ شہید ہو رہی تھی، دوسرا گروہ بھاگ رہا تھا اور پہاڑ کی گھاٹیوں اور کونوں میں چھپ رہا تھا اور بعض شہر میں جا کر ٹھہر گئے تھے ...... جو جنگ کی آگ ٹھنڈی ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اور ایک جماعت مرکزِ صدق پر ثابت قدم رہی اور راہِ فرار سے محفوظ رہی۔" [4]

راہ فرار سے محفوظ رہنے والی اور مرکزِ صدق پر ثابت قدم رہنے والی جماعت وہی تھی جس کے سردار رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثار بھائی اور وزیر جناب علی علیہ السلام اور اُن کے چند ساتھی تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۶۱

[2] ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۳ ص ۲۶

[3] سورۃ آل عمران، آیت ۱۵۳

[4] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۶۱

Presented by Ziaraat.Com

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کوئی نہیں رہ گیا تھا سوائے اُس جماعت کے جو چودہ آدمیوں پر مشتمل تھی، اس میں سات مہاجرین اور سات انصار تھے۔ جب قریش میدانِ جنگ میں چھائے ہوئے تھے اور مسلمانوں کو تہہِ تیغ کیے جا رہے تھے تو صرف یہی جماعت ثابت قدم اور پر عزم تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قریش مسلمانوں کو شکست فاش دینے میں کامیاب ہو جائیں گے، وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد گھیراؤ کرنے لگے، اُن کے حملے کا ہدف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد گھمسان کا رَن پڑا، مجاہدین پروانوں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نثار ہونے لگے اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد صرف حضرت علی علیہ السلام اور دو چار مجاہدین رہ گئے۔ دشمن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نرغے میں لے کر تیروں، تلواروں اور نیزوں سے مسلسل حملے کرتے رہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی جگہ سے ہٹا نہ سکے۔[1]

کہتے ہیں کہ عتبہ بن ابی وقاص، ابی قمیّہ لیثی، ابی بن خلف، عبداللہ بن حمید اسری اور عبداللہ بن شہاب زہری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کا حلف اُٹھایا تھا، چنانچہ وہ کسی نہ کسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچ گئے۔ عبداللہ بن شہاب زہری ملعون نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک کو زخمی کیا، بدبخت عتبہ بن ابی وقاص نے سنگ باری کی اور ایک پتھر لگنے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نچلا دانت شہید ہو گیا اور لب مبارک زخمی ہوئے۔ ابن قمیہ ملعون نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر اقدس پر اس زور کا وار کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خود کے دو حلقے چہرۂ مبارک میں دھنس گئے اور روئے اقدس خون سے گلنار ہو گیا پھر عبداللہ بن حمید اسری ملعون آگے بڑھا تو حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے اُسے فی النار کر ڈالا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیروں کی بوچھاڑ اور تلواروں کے سائے میں تھے لیکن عزم وہمت کا پیکر بنے ہوئے تھے۔ لڑائی کا سارا زور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارد گرد تھا۔ دشمن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جان نثار سینہ سپر

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۶۶

Presented by Ziaraat.Com

تھے۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ بھی اُن میں ایک تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چلائے جانے والے تیروں کو اپنے سینے کی ڈھال پر روک رہے تھے یہاں تک کہ زخموں کی تاب نہ لا کر شہید ہو گئے۔ قمیّہ لیثی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ آور ہوا تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بیچ میں حائل ہو گئے اور سخت مقابلے کے بعد جامِ شہادت نوش فرمایا۔ ابن قمیّہ نے سمجھا کہ اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کیا ہے پس وہ جوشِ مسرت میں اپنے رفیقوں کے ساتھ پلٹا اور ابوسفیان کے پاس ایک اُونچی جگہ چڑھ کر چلایا، ''سنو! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) شہید ہو گئے۔''[1]

یہ افواہ افواج میں پھیلی تو مسلمان مغموم اور مایوس ہو گئے جبکہ قریش نے اسے اپنی فتح سمجھتے ہوئے لڑائی سے ہاتھ روک لیا۔ یہ اُن کی ناقابلِ تلافی غلطی تھی کیونکہ مجاہدین نے مایوسی اور حزن و ملال کے اس عالم میں بھی ہتھیار نہیں ڈالے تھے اور جب اُنہیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیریت سے ہیں تو اُن کے تنِ مردہ میں جان پڑ گئی، شکستہ حوصلوں میں توانائی لوٹ آئی اور وہ سرفروشانہ انداز میں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔

شیعہ علماء جسم کے کسی حصے کی کمی کو خلافِ شانِ رسول سمجھتے ہیں چنانچہ اُن کی روایت یہ ہے کہ جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی دانت شکستہ نہیں ہوا تھا بلکہ صرف چہرہ مبارک زخمی ہوا تھا۔[2]

شیرِ خدا علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شجاعت و استقامت

روایت ہے کہ جب مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ میدان سے فرار ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمن کے نرغے میں گھر گئے۔ اُس وقت امام علی علیہ السلام ایک متحرک سپر کی مانند آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد گھومتے ہوئے آپ کی حفاظت کرنے لگے اور دشمنوں کو مار مار کر بھگانے لگے۔

علی علیہ السلام نے ایسی شمشیر زنی کی کہ تلوار تابِ جلالِ علی نہ لا سکی اور ٹوٹ گئی۔ بقولے آپ نے

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۷۳ تا ۱۷۴

[2] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۵۱ بحوالہ اعلام الوریٰ

Presented by Ziaraat.Com

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ بہادر اپنے ہتھیار سے جنگ کرتا ہے اور میری تلوار ٹوٹ گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تلوار ''ذوالفقار'' عطا کی اور فرمایا کہ اِس سے جنگ کرو۔ شیرِ خدا نے ذوالفقار لے لی اور جو شخص بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑھتا ہوا پایا اُسے جہنم رسید کر دیا۔ پھر آپ کوہِ اُحد کی طرف بڑھے اور اُس پہاڑ کی جانب پشت کر لی تاکہ جنگ ایک ہی سمت سے ہو کیونکہ اُس وقت سوائے آپ کے کوئی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نہ تھا۔ آپ تمام وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے شمشیر زن رہے یہاں تک کہ آپ کے بدن پر نوے زخم آئے اور بہت سا خون بہہ گیا لیکن پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی اور برابر جہاد اور دفاع میں مصروف رہے۔[1]

جبرائیل علیہ السلام نے آپکی جاں نثاری دیکھی تو بآوازِ بلند کہا: ''لَا فَتیٰ اِلَّا عَلِی لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار'' (علی علیہ السلام کے سوا کوئی جوانمرد نہیں اور ذوالفقار کے سوا کوئی تلوار نہیں)

ہر مسلک کے علماء اور ہر دور کے مؤرخین نے اُحد کے دن امام علی علیہ السلام کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واحد یاور اور مددگار قرار دیا ہے اور اُن کے جذبۂ ایمانی اور ثابت قدمی کی بے حد تعریف کی ہے۔ اگرچہ دشمن کا محاصرہ تنگ ہو رہا تھا اور وہ پوری قوت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک آ رہے تھے لیکن علی علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سینہ سپر تھے جس کی وجہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نہیں پہنچ پا رہے تھے۔ تب اُنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سنگ باری شروع کر دی۔ ایک پتھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی مبارک پر آ لگا جس سے گہرا زخم آ گیا اور خون بہنے لگا۔ دوسرا پتھر بدبخت عتبہ بن ابی وقاص کے ہاتھوں چہرۂ اقدس پر لگا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو دندانِ مبارک شہید ہو گئے اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوشِ اقدس پر تلوار کا وار بھی کیا گیا لیکن وہ وار کارگر ثابت نہ ہوا۔ تاہم دشمنوں کے ہاتھوں یہ تمام تکالیف اُٹھانے کے باوجود عظیم الشان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۵۶۵

Presented by Ziaraat.Com

لب ہائے مبارک بد دعا کے لیے وا نہ کیے بلکہ خدا تعالیٰ سے اُس قوم کی ہدایت اور نجات کی دعا فرمائی۔[1]

مدارج النبوت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب لکھتے ہیں، ''منقول ہے کہ جب مسلمانوں کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنہا چھوڑ گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جوش میں آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی مبارک سے پسینہ متقاطر ہوا۔ اس حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو ملاحظہ فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلوئے مبارک میں کھڑے ہیں۔ فرمایا، ''یا علی! تم اپنے بھائیوں کے ساتھ کیوں نہیں مِل گئے؟'' (یعنی تم کیوں فرار نہیں ہو گئے؟) حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، ''لَا کُفْرَ بَعْدَ الْاِیْمَانِ اِنَّ لِیْ بِکَ اُسْوَۃً'' (ایمان کے بعد کفر نہیں ہے، بے شک میرے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی اقتدا ہے) مطلب یہ کہ مجھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سروکار ہے، اُن ساتھیوں سے نہیں جو غنیمت کے درپے ہو گئے اور ہزیمت میں مبتلا ہو گئے۔ عین اُسی لمحے کافروں کی ایک جماعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب حملہ آور ہوئی۔ فرمایا، ''یا علی (علیہ السلام)! اِس ٹولی سے میری حفاظت وخدمت کا حق بجالاؤ کیونکہ یہی وقتِ نصرت ہے۔'' حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ اُس جماعت کی طرف متوجہ ہوئے اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد سے اُن کا گھیرا توڑ کر اُنہیں منتشر کر دیا اور بہت سوں کو واصلِ جہنم کیا۔ اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ جب علی مرتضیٰ علیہ السلام نے کمال بہادری دکھائی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت کی تو جبرائیل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ علی مرتضیٰ (علیہ السلام) نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ کمال بہادری وجواں مردی دکھائی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اِنَّہٗ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْہُ'' (بلاشبہ یہ میرے ہیں اور میں اِن کا ہوں)۔ حدیث میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کلمہ ارشاد فرمایا تو جبریل علیہ السلام نے عرض کیا، ''وَ اَنَا مِنْکُمَا'' (اور میں آپ

---

[1] سید محمد صحفی، حکایاتُ القرآن، طبع جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان

Presented by Ziaraat.Com

دونوں کا ہوں)۔روایت ہے کہ اُس وقت لوگوں نے غیب سے ایک آواز سُنی "لَا فَتیٰ اِلاَّ عَلِی لَا سَیْفَ اِلاَّ ذُوالْفِقَار" (کوئی جوانمرد نہیں بجز علی کے اور کوئی تلوار نہیں بجز ذوالفقار کے) [1]
"معارج النبوۃ" اور "کشف الغمہ" میں اس کے واقعہ کے آخر میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اے علی! تم نے اپنی تعریف سُنی جو رضوان نامی فرشتہ کررہا تھا؟ وہ کہتا تھا "لَا فَتیٰ اِلاَّ عَلِی لَا سَیْفَ اِلاَّ ذُوالْفِقَار" اور "روضۃ الاحباب" میں منقول ہے کہ یہ حدیث اُسی طریقہ سے بعض اکابر محدثین سے مروی ہے اور اہل سیر نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ الغرض حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہٗ نے مقابلہ ومحاربہ اور مجادلہ و شجاعت کا ایسا حق ادا کیا کہ اس سے زیادہ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ [2]

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر نصیر احمد ناصر لکھتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے خاص طور پر بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ دیکھنے والے دنگ رہ گئے۔ [3]

مروی ہے کہ جنگ میں سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم زخمی ہوئے تو امیر المومنین علیہ السلام اور سیّدۃُ نساء العالمین علیہا السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روئے مبارک سے خون صاف کرتے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام پانی لے کر آتے اور جناب سیّدہ فاطمہ زہرا علیہا السلام والد گرامی کا خون دھوتیں۔ نمازِ ظہر کا وقت ہُوا تو حالتِ جنگ اور زخمی ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نماز کے لیے تیار ہو گئے۔ فضا خونیں اور دہشتناک تھی، دشمن ابھی میدان جنگ میں موجود تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے باقی ماندہ مجاہدین کے ساتھ اپنے پروردگار کے حضور سربسجود تھے۔ رَزم ہوتی یا بزم، غم و اندوہ ہوتا یا مسرت و شادمانی کا عالم، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہ تو اپنے معبودِ برحق کو بھول سکتے تھے اور نہ ہی کبھی بھولے۔

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۶۶

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۶۷
علی بن عیسیٰ اربیلی (متوفی ۶۹۴ ہجری)، کشفُ الغُمۃ

[3] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص ۵۱۰

Presented by Ziaraat.Com

انجام

مؤرخین لکھتے ہیں کہ نامراد کفار صحنِ معرکہ میں اِدھر اُدھر کتوں کی مانند دوڑ رہے تھے۔ وہ سیر و تفریح، رجز خوانی اور خوشی و شادمانی کا اظہار کر رہے تھے۔ اُن کی عورتیں مثلاً ہندہ وغیرہ مسلمان شہیدوں کے پاس آئیں اور حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے سوا تمام شہیدوں کا مثلہ کرنے لگیں۔ وہ اُن کے شکم چاک کرتیں، کلیجے نکالتیں، ناک کان کاٹتیں، ڈوریوں میں پرو کر ہار بناتیں اور اپنے گلوئے نا ہنجار اور ناپاک ہاتھوں میں پہنتیں۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے مثلہ نہ کرنے کا سبب یہ تھا وہ ابو عامر راہب کے بیٹے تھے جو مشرکوں میں سے تھا۔[1]

اتنا سب کچھ ہو جانے کے باوجود چند اہلِ ایمان ثابت قدم بھی تھے اور رحمت الٰہی کے منتظر بھی جبھی قادرِ مطلق نے ہاری ہوئی جنگ کو اپنے بندوں کے حق میں پلٹ کر اُنہیں فتح سے ہمکنار کر دیا۔

تاریخ کے قارئین جانتے ہیں کہ جنگ کی ہار جیت کا انحصار فریقین کے مجموعی طور پر ہونے والے جانی نقصان پر نہیں ہوتا بلکہ دشمن کے سرداروں اور علمبرداروں کی موت یا پسپائی اور مقاصدِ جنگ میں کامیابی کے حصول پر ہوتا ہے۔ اس جنگ میں ستر مجاہدینِ اسلام درجہ شہادت پر فائز ہوئے جن میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے مردِ میدان کا نام نمایاں ہے۔ دوسری طرف کفار کا اگرچہ زیادہ جانی نقصان نہیں ہوا تھا لیکن ابوسفیان کے سوا اُن کے تمام علمبردار اور سردار جہنم رسید ہوئے تھے اور جو فوج باقی رہ گئی تھی وہ فوج نہیں محض عوام کی ایک غیر منظم بھیڑ بن گئی تھی۔

اگرچہ مسلمانوں نے ابتدا میں فرار ہو کر اور بھاری جانی نقصان اُٹھا کر تاریخ کو اپنا گواہ تو بنا لیا تھا لیکن چند مومن جو ثابت قدم رہے اُن کی جانفشانی کے انعام کے طور پر اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت کے طفیل فتح بالآخر اسلام کی پیشانی کا جھومر بنی۔

جنگ ختم ہو چکی تھی۔ شکست کے بعد ابوسفیان ہارے ہوئے جواری کی طرح اِدھر اُدھر ناکام و نامراد پھر رہا تھا۔ وہ ایک پہاڑ پر چڑھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نظر پڑی تو اپنی خجالت کو چھپانے

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۷۶

Presented by Ziaraat.Com

کی خاطر نعرہ لگایا، ''اے ہبل تُو بلند رہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی جوابی نعرہ بلند کیا، ''اللہ بلند اور جلیل ہے۔'' ابوسفیان بولا ''ہمارے لیے عزّیٰ ہے تمہارے لیے عزّیٰ نہیں ہے۔'' صحابہؓ بولے، ''اللہ ہمارا مددگار ہے تمہارا کوئی مددگار نہیں۔'' پھر ابوسفیان نے چیلنج دیا کہ آئندہ سال بدر میں پھر ہمارا تمہارا مقابلہ ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس کا چیلنج قبول فرمایا اور ایک صحابی کے ذریعے جواب دیا کہ ٹھیک ہے یہ بات ہمارے تمہارے درمیان طے ہوگئی۔ [1]

یہ جواب سُن کر ابوسفیان اپنے لشکر کو لے کر پلٹ گیا۔ اُس کا منصوبہ ناکام ہو چکا تھا جس کا اُسے احساس ہوگیا۔ قریش نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شہید کرنے میں کامیاب ہوئے تھے اور نہ ہی مسلمانوں کو شکستِ فاش دے کر ہلاک و اسیر کر سکے تھے۔

اگلے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قریش کے تعاقب کا فیصلہ کیا۔ مجاہدین نے اس پر لبیک کہا اور ایک نئے ولولے اور عزم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ اُسی روز شام کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حمراء الاسد میں پڑاؤ ڈالا اور لشکر کی حفاظت کے لئے سخت انتظامات کیے تا کہ دشمن شبخون نہ مار سکے۔ صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک مضبوط دفاعی مورچہ قائم کیا اور مجاہدین کی صف بندی فرمائی۔ مومنین کے دِل قوتِ ایمانی سے سرشار تھے اور اُن کا جذبۂ جہاد اپنے عروج پر تھا چنانچہ جب وہ صف آراء ہوئے تو ہیبت و طاقت کا ایک فقید المثال نظارہ پیش کر رہے تھے۔ اُدھر ابوسفیان مسلمانوں کے مکمل استیصال کے لیے بھرپور تیاری کیے بیٹھا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اب کے زبردست حملہ کر کے مسلمانوں کا صفایا کر دوں گا۔ اُسے مجاہدین کے حمراء الاسد میں اس طرح صف آراء ہونے کی خبر ملی تو اُس کا دل بیٹھ گیا اور وہ خوف اور مایوسی کے عالم میں بے نیل و مرام مکّہ لوٹ گیا۔ [2]

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اوّل ص ۱۸۸

[2] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ص ۵۱۷

ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، سیرۃ ابن ہشام، ج ۲ ص ۱۷۲

Presented by Ziaraat.Com

جب مشرکین مکّہ لوٹ گئے تو بعض صحابہ کے دلوں میں خدشہ پیدا ہوا کہ مبادا وہ لوٹ کر مدینہ منورہ پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ وہ دشمنوں کے تعاقب میں جائیں اور تسلی کریں۔ حضرت علی علیہ السلام نے اُن کا تعاقب کیا اور یہ خبر لائے کہ مشرکین مکّہ کی طرف چلے گئے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سُن کر فرمایا کہ آج کے بعد کفار قریش کبھی کامیاب نہ ہوں گے اور انشا اللہ ہمیں مکّہ مکرمہ کی فتح نصیب ہوگی۔[1]

تاریخ طبری میں اس کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) کو حکم دیا کہ تم مشرکین کے پیچھے جا کر دیکھو کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور آئندہ کیا چاہتے ہیں؟ اگر اُنہوں نے گھوڑوں کو کوتل (بغیر سوار کے خالی گھوڑے) ساتھ لیا ہو اور خود اُونٹوں پر سوار ہوں تو سمجھ لینا کہ اب وہ مکّہ پلٹ رہے ہیں اور اگر اس کے برعکس وہ گھوڑوں پر سوار ہوں اور اُونٹوں کو خالی ساتھ لے جا رہے ہوں تو سمجھ لینا کہ اُن کا ارادہ مدینہ کا ہے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر وہ مدینہ کا رُخ کریں گے تو میں فوراً مدینہ پہنچ کر اُن سے لڑوں گا۔ علی علیہ السلام کہتے ہیں کہ حسبِ حکم میں اُن کے پیچھے چلا کہ دیکھوں وہ کیا کرتے ہیں؟ جب میں نے دیکھا کہ اُنہوں نے گھوڑوں کو کوتل کر دیا ہے اور اُونٹوں پر سوار ہو گئے ہیں تو میں نے سمجھ لیا کہ اب وہ مکّہ جا رہے ہیں۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جہاد

اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاملِ معجزات و کرامات تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام حالاتِ زندگی میں اپنی قوتِ اعجاز سے کام لینا پسند نہیں فرماتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو تیرہ سالہ مکی دور میں کفار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طرح طرح کی اذیتیں دینے میں کامیاب نہ ہوسکتے اور نہ ہی جنگِ اُحد میں کوئی

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۷۷

[2] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اوّل ص ۱۸۸

Presented by Ziaraat.Com

زخم جسم اطہر پر آ سکتا۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ میں اپنی مدافعت بھی فرمائی اور اس مقصد کے لئے اسلحے کا استعمال بھی کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت میں بھی کوئی حکم ایسا نہیں تھا جو جنگ میں مدافعانہ طور پر اسلحے کے استعمال میں مانع ہوتا، بلکہ اسلام میں تو جہاد ایک اہم اُصول کی حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنفس نفیس جہاد بھی کیا۔ اس ضمن میں روایت ہے کہ جنگِ اُحد میں ایک مشرک ابی بن خلف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کے ارادے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کی گردن پر نیزہ مارا، اُسے معمولی زخم آیا مگر وہ ہلاک ہو گیا۔

طبری میں اس روایت کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے، ''ابن شہاب الزہری سے مروی ہے کہ شکست اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کی خبر مشہور ہو جانے کے بعد جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہیں تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کی معیت میں درّے کی طرف روانہ ہوئے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درّے میں جا کر بیٹھ گئے تو ابی بن خلف یہ کہتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہاں ہیں؟ میں ہلاک ہو جاؤں اگر وہ زندہ بچ جائیں۔ صحابہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم دیں تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حفاظت کی خاطر اپنی آڑ میں لے لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، نہیں، اس کی ضرورت نہیں، اُسے آنے دو۔ جب وہ قریب آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حارث بن الصمہؓ کا بھالا اُٹھایا۔ راوی کہتا ہے کہ اُس موقع پر بعض لوگوں سے یہ بات بھی نقل ہوئی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھالا اُٹھایا تو ایک بجلی سی کوند گئی اور ہم اس طرح جھرجھرائے جس طرح کہ اُونٹ جھرجھری لیتا ہے اور اُس کے روئیں جھڑ جاتے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کے سامنے جا کر وہ بھالا (نیزہ) اُس کی گردن پر مارا جس سے وہ کئی مرتبہ اپنے گھوڑے پر چکر کھا گیا۔ پھر وہ قریش کی طرف پلٹ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نیزے سے اُسے معمولی سی خراش آئی تھی مگر وہ کہنے لگا، ''بخدا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے مار ڈالا۔'' قریش نے اُسے سمجھایا کہ بلاوجہ خوف سے تیرا دَم نکلا جا رہا ہے، تیرا زخم مہلک نہیں

Presented by Ziaraat.Com

ہے۔ اُس نے کہا کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مکّہ میں تھے تو اُنہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تجھ کو قتل کروں گا، اس لئے اگر وہ مجھ پر تھوک ہی دیتے تو مجھے ہلاک کر دیتے یا بقولے اُس نے کہا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے منہ پر کھجور کی گٹھلی ہی مار دیتے تو بھی میں مارا جاتا، پس، جب قریش اُسے واپس مکّہ لے جا رہے تھے تو اُس دشمنِ خدا کا راستے ہی میں کام تمام ہو گیا۔ عبدالرحمٰن بن عوف سے مروی ہے کہ اس واقعہ سے پہلے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب ملتا تھا تو کہا کرتا تھا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں اپنے گھوڑے عود کو روزانہ دلے ہوئے جو کھلا رہا ہوں تا کہ اس پر سوار ہو کر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کروں۔ اُس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے کہ انشاء اللہ میں ہی تجھے قتل کروں گا۔ [1]

میں نے جب تاریخ کی کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک سے ایک کافر کے قتل ہونے کا واقعہ پڑھا تو اُلجھ کر رہ گیا اور بہت دیر تک اس پر غور و فکر کرتا رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا اور بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلا تفریق مذہب و ملت تمام انسانوں بلکہ حیوانوں کے لئے بھی سراپا رحمت ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک سے ایک انسان کا قتل ہو جانا میرے خیالِ کم مایہ میں نہیں سما رہا تھا۔ تا دیر مختلف قسم کی تاویلات سے دست و گریبان رہنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ کئی کام ایسے بھی تو ہیں جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انجام نہیں دیے جبکہ وہ مستحب تھے یا پھر اُن میں کوئی شرعی رکاوٹ بھی حائل نہیں تھی جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اذان نہیں دی، یا اپنی کسی زوجہ کو طلاق نہیں دی۔ اِن دونوں افعال کی تاویل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر اذان دیتے تو جس جس کی سماعت تک اُس اذان کے کلمات پہنچتے اُس کا نماز کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف چلے آنا واجب ہو جاتا چاہے وہ جس حالت میں ہوتا اور جو بھی عذر مانع ہوتا۔ بالفاظ دیگر حکمِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بجا لانا اُس کے لئے ضروری ہوتا، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اوّل ص ۱۸۴
شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۷۵

Presented by Ziaraat.Com

اُمت کی آسانی کے لئے اذان نہیں دی۔ دوسرا آپ ﷺ نے کسی بیوی کو طلاق نہیں دی جس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اگر آپ ﷺ ایسا کرتے تو طلاق کا عمل سنتِ رسول ﷺ بن جاتا جسے لوگ اپنے مقاصد کے لئے یا بلاوجہ ہی محض اس لئے بخوشی اور متواتر انجام دیتے کہ یہ سنتِ رسول ﷺ ہے، اس طرح معاشرتی نظام درہم برہم ہوکر رہ جاتا۔اس دوسری توجیہہ سے یہ معاملہ سمجھنے میں قدرے آسان ہوجاتا ہے یعنی رسول گرامی ﷺ کا کسی عمل کو انجام دینا یا اُس سے اجتناب کرنا اُمتِ رسول ﷺ کے لئے ایک نمونہ ہے۔ پس اگر آپ ﷺ جنگ میں دشمن پر حملہ نہ کرتے یا اپنا دفاع نہ کرتے تو اُمتِ مسلمہ کے لئے یہ عمل بھی سنتِ رسول ﷺ بن جاتا اور مجاہدین لڑنے سے گریز کرتے اور ایسی صورت میں جہاد کا تصور ہی ختم ہوکر رہ جاتا۔ چنانچہ میرے نزدیک آپ ﷺ کا یہ عمل بھی اتمامِ حجت کے طور پر ہوگا۔اس خیال کو تقویت مندرجہ بالا روایت کا بغور مطالعہ کرنے سے بھی ہوتی ہے جس میں بہت واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے ابی بن خلف کو نیزہ اس طرح مارا کہ اُس کی گردن پر معمولی سی خراش آئی اور قریش نے اُسے کہا کہ بخدا تجھے ایسا مہلک زخم نہیں آیا جس سے تُو مرجائے۔لیکن اس کے باوجود وہ مرگیا۔اب وہ مرا کیسے؟ ممکن ہے کہ وہ اُس ضرب سے نہ مرا ہو جو نبی رحمۃً للعالمین ﷺ نے لگائی تھی بلکہ اللہ نے اُسے اپنے فرشتوں کے ذریعے مارا ہو جیسا کہ بدر میں ہوا، اور اس طرف گمان اس لئے جاتا ہے کہ ابی بن خلف کو لگنے والی ضرب کے متعلق صحابہ کرام کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بھالا اُٹھایا تو ایک بجلی سی کوندگئی اور ہم اس طرح جھرجھرائے جس طرح کہ اُونٹ جھرجھری لیتا ہے اور اُس کے روئیں جھڑ جاتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے اُس کے سامنے جاکر وہ بھالا (نیزہ) اُس کی گردن پر مارا جس سے وہ کئی مرتبہ اپنے گھوڑے پر چکر کھا گیا۔بجلی کا کوندنا، لوگوں کا جھرجھری لینا اور ابی بن خلف کا ایک معمولی ضرب کے باوجود کئی مرتبہ گھوڑے پر چکر کھا جانا بالکل وہی کیفیت ہے جو بدر میں ملائکہ کی آمد پر نظر آتی ہے۔ (واللہ اعلم)

Presented by Ziaraat.Com

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی علیہ السلام کی تلواریں حضرت فاطمہ علیہا السلام کے سپرد

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ سے واپس تشریف لائے تو اپنی تلوار حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے سپرد کی، جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے اپنی تلوار جناب زہرا علیہا السلام کے سپرد کی اور فرمایا کہ بخدا آج اِس نے میرے ساتھ خوب وفاداری کی۔ اُس موقع پر حضرت علی علیہ السلام نے یہ اشعار بھی کہے:[۱]

افاطم ھاك السیف غیر ذمیم　　فلست برعدید ولا بملیم

اے فاطمہ (علیہا السلام)! یہ تلوار لو جس سے مجھے کوئی شکایت نہیں

اور نہ ہی میں بزدل اور نکما ہوں

لعمری لقد قاتلت فی حب احمد　　وطاعة رب بالعباد رحیم

قسم ہے میری جان کی میں احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت

اور اپنے رب کی اطاعت میں جو اپنے بندوں پر رحیم ہے، لڑا

وسیفی بکفی کالشھاب اھزہ　　اجذبه من عاتق وضمیم

اس حال میں کہ تلوار میرے ہاتھ میں روشن ستارے کی طرح تھی

جسے میں چلا رہا تھا اور اس سے کاندھوں اور پسلیوں کو قطع کر رہا تھا

فما ذلت حتی فضی ربی جموعھم　　وحتی شفینا نفس کل حلیم

میں اسی طرح شمشیر زنی کرتا رہا یہاں تک کہ میرے رب نے اُن کی جماعت کو پراگندہ کر دیا اور ہم نے ہر حلیم شخص کے دل کو دشمن کے قتل سے ٹھنڈا کر دیا

---

[۱] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اوّل ص ۱۹۲

Presented by Ziaraat.Com

واقعاتی تسلسل سے متعلق ایک اہم وضاحت

جنگ اُحد کے حالات کا باریک بینی سے جائزہ لینے پر واقعاتی تسلسل کا فقدان واضح طور پر محسوس ہوتا ہے۔ کبھی تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جنگ کے ابتدائی حصّہ ہی میں شہید ہو گئے تھے اور کبھی لگتا ہے کہ دوسرے حصّے میں شہید ہوئے۔ اِسی طرح بعض اوقات یہ نظر آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار کے نرغے میں تن تنہا کھڑے ہیں اور پہلے ابودجانہ انصاری رضی اللہ عنہ اور بعد میں ایک خاتون اُم عمارہ انصاریہ رضی اللہ عنہا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور کبھی یہ دکھائی دیتا ہے حضرت علی علیہ السلام اور چند اور جانباز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے سینہ سپر ہیں۔ اس واقعاتی تضاد کی وجہ سے روایات معتبر نظر نہیں آتیں جبکہ حقیقت یہ نہیں ہے، روایات قابلِ اعتبار ہیں لیکن اُنہیں بیان کرنے کا انداز صحیح نہیں ہے۔

معروف تاریخ نگار علامہ علی نقی نقوی صاحب لکھتے ہیں، ''سابق زمانہ کے مؤرخین کی یہ عادت نہ تھی کہ واقعہ کو مسلسل لکھیں۔ راویوں سے جو منتشر طور پر بیانات ملتے تھے انہیں پاشان و پریشاں طریقہ پر درج کر دیتے تھے۔ راویوں نے بھی زیادہ تر تسلسل کے ساتھ پورا واقعہ بیان نہیں کیا بلکہ حسبِ موقع واقعہ کے جس جزو کے بیان کی جس وقت ضرورت محسوس ہوئی بس اتنا بیان کر دیا۔ اب بعد کے مورخین کو وہ سب بیانات یکجا ملتے ہیں تو اُن میں ترتیب قائم کرنے میں بڑی دِقت محسوس ہوتی ہے اور اسی بے ترتیبی سے بعض اوقات واقعات میں تضاد محسوس ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ آدمی موجود ہیں، کہیں پر یہ معلوم ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آس پاس کوئی بھی نہیں ہے۔ ساتھ کے آدمیوں میں کبھی زیادہ تعداد نظر آتی ہے اور کبھی بہت مختصر۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ واقعہ کے بیان میں کوئی اختلاف کی صورت نہیں ہے بلکہ جنگ بگڑنے کے بعد یکے بعد دیگرے جنگ کے مختلف دور سامنے آئے ہیں۔ پہلا دور وہ ہوگا جس میں اکثریت کے قدم اُٹھ گئے مگر حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ساتھ ابودجانہ انصاری رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور شاید ڈیڑھ دو

Presented by Ziaraat.Com

سو مجاہدین ابھی مصروف پیکار تھے جس کی قطعی دلیل شہدائے اُحد کی تعداد ہے جو متفق علیہ حیثیت رکھتی ہے یعنی ستر آدمی مسلمانوں میں سے شہید ہوئے۔ اگر یہ مانا جائے کہ پورے اسلامی لشکر نے فرار اختیار کیا تو آخر یہ مجاہدین کیونکر قتل ہوئے؟ ماننا پڑتا ہے کہ ایک معتد بہ (کثیر) تعداد ایسی تھی جو مصروف جہاد رہی اور اُن کی دیکھا دیکھی بہت سے لوگ ابھی نتیجہ کے انتظار میں تذبذب کے عالم میں ہوں گے اور یہ وہ دور تھا جس میں براہ راست پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملے نہیں ہو رہے ہوں گے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک کے زخمی ہونے کی نوبت آئی ہوگی۔ اس کے بعد دوسرا دور وہ ہوگا جب جانباز مجاہدین کی شہادت کی وجہ سے رفتہ رفتہ اُن کی تعداد تیزی سے کم ہوتی گئی ہوگی۔ اس طرح وہ منزل آئی کہ اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اتنے سپاہی نہیں رہ گئے تھے جن کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حملوں سے محفوظ رہ سکیں، اُس وقت ایک موقع وہ آیا ہوگا جب مردانِ میدان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالکل قریب ابودجانہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے اور اب اُن کو بجائے دشمنوں سے بڑھ بڑھ کے جنگ کرنے کے یہی صورت جاں نثاری کی نظر آئی کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سپر بن کر کھڑے ہو جائیں جس کا تذکرہ پہلے آچکا ہے۔ پھر ابودجانہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد وہ وقت آیا ہوگا جب اُمِ عمارہ رضی اللہ عنہا کو اس کی ضرورت پڑی ہوگی کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سپر بن کر دشمنوں کا دفعیہ کریں مگر ظاہر ہے کہ ایک خاتون کا بس کثیر التعداد دشمنوں کے سامنے کہاں چل سکتا تھا۔ اُدھر میدان جہاد میں ایک حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام رہ گئے تھے، وہ دشمنوں سے لڑنے میں مصروف تھے اور اِدھر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے جو اب دشمنوں کے حملہ کا مرکز بن گئے تھے۔''[1]

جنگ میں مسلمان خواتین کی خدمات

جنگِ اُحد میں مسلمان خواتین نے بھی اپنی بساط کے مطابق حصہ لیا اور جذبۂ انسانی و ایمانی سے سرشار ہو کر ایسی خدمات انجام دیں جو مستقبل کے لیے مشعلِ راہ بن گئیں۔ اس جنگ میں مجاہدین

---

[1] علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۴۸

Presented by Ziaraat.Com

بڑی تعداد میں زخمی یا شہید ہوئے تھے۔ بقولے، شہداء کی تعداد ستّر اور زخمیوں کی چالیس تھی۔ جب اس کی خبر مدینہ منورہ پہنچی تو مسلمان خواتین سے نہ رہا گیا اور وہ اپنے دینی بھائیوں کی مدد کرنے میدانِ جنگ میں پہنچ گئیں۔ وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں، پانی پلاتیں اور اُن کی خدمت اور دیکھ بھال کرتیں۔ اِن خواتین میں جناب سیدۃ نساء العالمین حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام سب سے نمایاں تھیں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ''نرسنگ'' کی بانی فلورنس نائٹنگ ایل (Florence Nightingale) تھی (پیدائش ۱۲ مئی ۱۸۲۰ء اٹلی۔ وفات ۱۳ اگست ۱۹۱۰ء برطانیہ)، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس تحریک کا سنگِ بنیاد دراصل خاتونِ جنت سیدۃ نساء العالمین حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام نے جنگِ اُحد میں رکھا تھا۔

جاں نثارانِ اُحد کا مختصر تذکرہ

حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وفادار بھائی اور جاں نثار وزیر تھے۔ آپ علیہ السلام نے آغوشِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آنکھ کھولی اور سایہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پرورش پائی۔ ہمیشہ نبی گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے سرِ تسلیم خم رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لئے سینہ سِپر رہے۔ اُحد میں آپ کے کارناموں کا تفصیلی ذِکر اُوپر آچکا ہے۔

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ

حضرت امیر حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے۔ اپنے بھائی حضرت ابو طالب علیہ السلام کے بعد ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ڈھال بنے رہے۔ ان کی موجودگی میں قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ اُحد میں جن تین افراد کی شجاعت تاریخ کے اوراق پر سنہری حروف میں رقم ہے، اُن میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا نام بہت نمایاں ہے۔ ایک سیاہ فام غلام نے جس کا نام وحشی ابو وسمہ تھا، چھپ کر وار کیا جس سے ان کی شہادت ہوئی۔

Presented by Ziaraat.Com

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا پس منظر

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ ایک عام سپاہی کی طرح میدانِ جنگ میں لڑتے ہوئے اتفاقاً شہید نہیں ہوئے تھے، مؤرخین لکھتے ہیں کہ اُن کی شہادت کے پیچھے ایک گہری سازش تھی جسے ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ اور جبیر بن مطعم نے تیار کیا تھا۔ اُن دونوں کو جنگِ بدر میں اپنے اقرباء کے مارے جانے کا شدید غم وغصہ تھا جس کی بنا پر اُنہوں نے جبیر بن مطعم کے غلام وحشی ابووسمہ بن حرب کو لالچ دے کر تیار کیا کہ وہ مسلمانوں کی تین اہم ترین شخصیات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امیرالمومنین علی علیہ السلام اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ میں سے کسی ایک کو قتل کرے گا تو اُسے آزاد کردیا جائے گا۔[1] وحشی ابووسمہ ایک خطرناک ہتھیار ''حربہ'' کے استعمال میں بہت مہارت رکھتا تھا اور اُس کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا تھا۔

جبیر کا چچا طیعمہ جنگ بدر میں جناب علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ اُس نے وحشی سے کہا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چچا کو میرے چچا طیعمہ کے بدلے میں قتل کردو میں تمہیں آزاد کردوں گا۔ ہندہ بنت عتبہ کا یہ حال تھا کہ جب وہ وحشی کے پاس سے گزرتی یا وہ اُس کے پاس سے گزرتا تو اُسے کہتی، ''اے ابووسمہ! تُو میرا دل ٹھنڈا کر اور اپنا بھی''۔[2]

''بخاری'' میں جعفر بن عمر بن اُمیہ ضمری سے مروی ہے کہ وہ اور عبیداللہ بن عدی سفر میں تھے کہ حمص سے گذرتے ہوئے اُس وحشی کے ہاں گئے جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ اُنہوں نے وحشی سے کہا کہ تم ہمیں حضرت حمزہؓ کی شہادت کے بارے میں کچھ بتاؤ۔ وحشی نے کہا، ''حمزہ نے طیعمہ بن عدی کو بدر میں مار ڈالا تھا اُس پر میرے مالک جبیر بن مطعم نے کہا کہ اگر تُو حمزہ کو میرے چچا کے بدلہ میں قتل کردے تو میں تجھے آزاد کردونگا۔ پس جنگ کے دن میں ایک بڑے

---

[1] آیت اللہ جعفر سبحانی، دی میسیج (The Message)، باب ۳۲

[2] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ ح اوّل ص ۱۷۴

Presented by Ziaraat.Com

پتھر کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب حمزہ میرے قریب سے گذرے تو میں نے اپنا حربہ اُن پر پھینکا۔ میں نے ناف اور عافہ کے درمیان نشانہ لگایا تھا یہاں تک کہ وہ اُن کی رانوں کے درمیان سے نکل گیا اور اُن کے لئے جان لیوا ثابت ہوا۔''

اربابِ سیر بیان کرتے ہیں جب وحشی طیعمہ بن عدی کے کہنے پر اُحد کی طرف چلا تو راہ میں ہندہ بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان ملی۔ وہ وحشی کے پاس پہنچی اور کہا کہ جب تک تُو ہماری خاطرداری نہ کریگا تجھے آزادی نہیں ملے گی، میں بھی تجھے بہت کچھ دوں گی کیونکہ میرے باپ عتبہ کو روز بدر حمزہ نے ہی مارا تھا۔ وحشی کہتا ہے کہ میں نے میدانِ جنگ میں حمزہ کو دیکھا کہ وہ شیرِ مست کی مانند اپنی قوم سے نکل کر آرہے ہیں اور لشکرِ قریش کی صفوں کو درہم برہم کر رہے ہیں۔ پھر سباع بن عبدالعزیٰ خزاعی کفّار کی صفوں سے نکل کر آیا اور اپنا مقابل مانگا۔ حمزہ اُس کے مقابل ہوئے اور اُسے مارڈالا۔ میں ایک پتھر کی اوٹ میں گھات لگائے بیٹھا تھا۔ میں حربہ خوب چلاتا ہوں اور میرا نشانہ کم ہی خطا ہوتا ہے۔ پس جب وہ بے خبری میں میرے پاس سے گذرے تو میں نے اپنا حربہ اُن کے عافہ پر پھینکا جو دوسری طرف پار ہوگیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ میری طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ میں یہ دیکھتے ہی بھاگ کھڑا ہوا، پھر وہ زمین پر آرہے۔ کچھ دیر بعد میں پھر اُن کی طرف گیا اور اپنے خنجر سے پیٹ چاک کرکے اُن کا جگر نکالا اور اُسے ہندہ کے پاس لے آیا اور کہا کہ یہ ہے تیرے باپ کے قاتل حمزہ کا جگر۔ اُس نے مجھ سے لے لیا اور منہ میں چبا کر تھوک دیا (گویا کہ ہندہ نے وحشی سے کہہ رکھا تھا کہ جب تُو حمزہ کو شہید کردے تو اُن کا جگر میرے پاس لانا، یا پھر یہ سیاہ قاسی القلب ازخود اُسے اُس کے پاس لے گیا تھا کیونکہ اُس نے اسے لالچ دے رکھا تھا) تب ہندہ نے اپنے کپڑے، زیور اور تمام سونا چاندی مجھے دے دیے اور وعدہ کیا کہ جب مکّہ پہنچوں گی تو تجھے سرخ سونے کی دس اشرفیاں اور دوں گی۔ ہندہ نے مجھ سے کہا کہ مجھے وہ جگہ دکھاؤ جہاں حمزہ کی لاش ہے۔ میں اُسے وہاں لے گیا۔ اُس نے ناک، کان اور ہاتھ پاؤں کاٹ لیے اور

Presented by Ziaraat.Com

اپنے ساتھ مکّہ لے آئی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر چبانے کی وجہ سے ہی ہندہ کو ”آکِلَۃُ الْاَکْبَاد“ یعنی ”جگر خورہ“ کہا جاتا ہے۔[1]

حضرت ابو دجانہ انصاری رضی اللہ عنہ

اس جنگ میں حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کے فخر وغرور اور شجاعت کا واقعہ بہت دلچسپ ہے۔ زبیر سے مروی ہے، ”جنگِ اُحد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک تلوار ہاتھ میں لئے اُسے بغور دیکھ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کون ہے جو اس کو لے کر اس کا حق ادا کرے؟ میں نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اس کا مستحق ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری طرف سے منہ پھیر لیا اور پھر فرمایا کہ کون ہے جو اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے؟ میں نے پھر کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اس کا مستحق ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ کون ہے جو اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے؟ اس مرتبہ ابو دجانہ سماک بن خرشہ نے آگے بڑھ کر کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اس کا حق ادا کروں گا اور مجھے بتایئے کہ وہ حق کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس تلوار کا حق یہ ہے کہ اس سے کسی مسلمان کو قتل نہ کیا جائے اور کوئی کافر اس کے وار سے بچ نہ پائے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ تلوار اُن کو دے دی۔ ابو دجانہ کی عادت تھی کہ جب لڑنے نکلتے سر پر ایک کپڑا باندھ لیتے۔ میں نے سوچا دیکھوں کہ آج یہ کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ اُنہوں نے تلوار اُٹھائی اور جو مشرک سامنے آتا اُسے پاش پاش کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگے یہاں تک کہ وہ دامنِ کوہ میں ایسی جگہ جا پہنچے جہاں مشرکین کی عورتیں دف بجا رہی تھیں۔ ایک عورت گا رہی تھی:

نحن بنات طارق نمشی علی النمارق

ان تقبلوا نعائق او تدبروا نفارق

فراق غیر وامق

ابو دجانہ (رضی اللہ عنہ) نے اُسے مارنے کے لئے تلوار اُٹھائی مگر رُک گئے اور اُسے چھوڑ دیا۔ میں نے اُن

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء) مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۶۵

Presented by Ziaraat.Com

سے کہا کہ اے ابودجانہ! میں نے تمہاری ساری کارگزاری دیکھی ہے مگر تم نے اُس عورت پر تلوار اُٹھائی پھر اُسے چھوڑ کیوں دیا؟ ابودجانہ (رضی اللہ عنہ) نے جواب دیا کہ میرے نزدیک ایک عورت کو قتل کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار کے شایانِ شان نہیں تھا پس میں نے اُسے چھوڑ دیا۔ [1]

ابنِ اسحٰق سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب فرمایا کہ کون ہے جو اس تلوار کو لے اور اس کا حق ادا کرے تو کئی اصحاب اُٹھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ تلوار اُن میں سے کسی کو نہ دی۔ بنوساعدہ کے ابودجانہ (رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا کہ میں اس تلوار کا حق ادا کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلوار اُن کو دے دی۔ ابودجانہ (رضی اللہ عنہ) بڑے شجاع آدمی تھے، لڑائی میں اکڑتے تھے اور سرخ رومال اپنے سر پر باندھتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک سے تلوار لے کر اُنہوں نے اپنا سرخ رومال سر پر باندھا اور پھر دونوں صفوں کے بیچ اکڑتے ہوئے چلنے لگے۔ بنوسلمہ کے ایک انصاری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں اس طرح اکڑ کر چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ یوں تو ایسی چال سے اللہ عزوجل ناراض ہوتا ہے مگر اِس موقع پر نہیں۔ [2]

حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے جنگ کے ابتدائی مرحلے میں نہایت شجاعت و مردانگی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا لیکن دوسرے مرحلے میں جب کئی مسلمان رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ چھوڑ کر جا چکے تھے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُوپر جھک گئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آنے والے تیروں کو اپنی پشت پر لے رہے تھے۔ یہاں تک کہ تیروں نے ان کا پیکرِ وفا چھلنی کر دیا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہو گئے۔ [3]

روایت ہے کہ جب کئی مسلمان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میدان میں تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اور

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اوّل ص ۱۸۰

[2] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اوّل ص ۱۸۰

[3] علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۴۴

Presented by Ziaraat.Com

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس صرف امیر المومنین علی علیہ السلام اور حضرت ابودجانہ انصاری رضی اللہ عنہ رہ گئے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو دُعا دی اور فرمایا، ''ابودجانہ! تم بھی چلے جاؤ میں تم کو اپنی بیعت سے آزاد کرتا ہوں۔'' یہ سُن کر ابودجانہ رضی اللہ عنہ رونے لگے اور آسمان کی طرف منہ کر کے بولے، ''نہیں! خدا کی قسم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت سے آزاد نہیں ہوں گا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں کہاں جاؤں؟ کیا اپنی بیوی کے پاس جو ایک دن مر جائے گی؟ اور اپنے بیٹے کے پاس جو ایک روز موت سے ہم کنار ہو جائے گا؟ اور اپنے گھر جو ایک دن کھنڈر بن جائے گا؟ اور اپنے مال ومتاع کی حفاظت کروں جو آخر فنا ہو جائے گا؟ اور پھر موت کی طرف رُخ کروں جو انسان کے بہت نزدیک ہے؟'' ابودجانہ رضی اللہ عنہ کے ایمان وایثار سے لبریز یہ کلمات سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن پر لطف وکرم فرمایا اور جنگ کی اجازت دے دی اور آخر کار وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نثار ہو گئے۔ [1]

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ ایک عمر رسیدہ مومن تھے۔ بڑھاپے اور ناتوانی کی وجہ سے اُن کی کمر جھک چکی تھی، اُن کا ایک پاؤں بھی کسی حادثے میں زخمی ہو گیا تھا مگر اس کے باوجود اُن کے حوصلے جوان اور جذبۂ ایمانی مضبوط تھا۔ اُن کے چار جوان بیٹے تھے جنہیں وہ جہاد پر روانہ کر چکے تھے اور خوش تھے کہ وہ سچائی اور ایمان کے راستے پر گامزن ہوئے۔ اُن کی شدید خواہش تھی کہ وہ بھی جہاد میں حصہ لیں اور اپنی جان اللہ کی راہ میں قربان کریں لیکن اُن کے رشتہ دار اُنہیں منع کرتے تھے کہ اس عمر اور حالت میں آپ پر جہاد واجب نہیں۔ اپنے احباب کی اس توجیہہ سے وہ مطمئن نہیں تھے لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے احباب مجھے جنگ میں حصہ لینے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم پر اس عمر میں جہاد واجب نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس عمر میں اللہ کی

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصّہ اوّل ص ۱۸۰

Presented by Ziaraat.Com

طرف سے آپ ان ذمہ داریوں سے مستثنیٰ ہیں۔ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گذارش کی کہ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری درخواست قبول فرمائیں اور مجھے اذنِ جہاد عطا فرمائیں۔ اُن کے اقرباء پھر اُنہیں سمجھانے لگے لیکن نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کا جذبۂ جہاد دیکھتے ہوئے اُن لوگوں سے فرمایا کہ انہیں حق کی راہ میں جان فدا کرنے سے مت روکو۔ چنانچہ عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ جہاد کے لئے گھر سے لئے نکلے تو دعا کی، ''الٰہی! مجھے اپنی راہ میں جان فدا کرنے میں کامیاب فرما اور مجھے میرے گھر میں واپس نہ بھیجنا۔''[۱]

رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ

جنگِ اُحد میں جہاں ایک طرف مسلمانوں کا ایک گروہ جنگ پر جانے سے گریزاں تھا تو دوسری طرف بہت سے مسلمان بچے ایسے تھے جو جہاد میں حصہ لینے کے لئے بیتاب تھے۔ کئی بچوں کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی کم سنی اور معصومیت کی بنا پر واپس بھیج دیا مثلاً ابو سعید خدری، عرابہ بن اوس، زید بن ثابت، اسید بن ظہیر، براء بن عازب اور عبداللہ بن عمیر یا عبداللہ بن عمرو غیرہ، لیکن کچھ بچے ایسے بھی تھے جو کسی صورت واپسی پر آمادہ نہیں تھے۔ اُن کا جذبۂ جہاد اور شوق و ولولہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو محاذ پر جانے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ اُن بچوں میں رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کا نام تاریخ میں بہت نمایاں ہے۔

رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بہت کم عمر تھے۔ جہاد کے لئے بضد بچوں کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو پیش کیا گیا تو وہ ایڑیاں اُٹھا کر اور اپنے پنجوں کے بل اُچک کر کھڑے تھے تاکہ اُن کا قد بڑا نظر آئے اور وہ کم عمر معلوم نہ ہوں۔ کم سن مجاہد کی شوقِ جہاد سے بھرپور یہ معصومانہ حرکت دیکھ کر رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس بچے کو ساتھ چلنے دو۔ بروایتے وہ ماہر تیر انداز بھی تھے اور اُن کے انتخاب کی وجہ اُن کی یہی مہارت تھی۔

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ اپنی کم سنی کی بنا پر رافع سے پہلے واپس بھیجے جا چکے تھے۔ اُنہوں نے جب

---

[۱] آیت اللہ جعفر سبحانی، دی میسیج (The Message)، ص ۳۴۸

Presented by Ziaraat.Com

دیکھا کہ رافع کو منتخب کرلیا گیا ہے تو وہ مچل گئے۔ اُنہوں نے اپنے سرپرست مری بن سنان کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے رافع کو جنگ پر جانے کی اجازت دے دی ہے حالانکہ میں اُس سے زیادہ قوی ہوں اور دعویٰ کرتا ہوں کہ اگر اُس کے ساتھ کشتی لڑوں تو اُسے پچھاڑ دوں گا۔ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کا یہ طفلانہ استدلال پسند آیا، فرمایا ٹھیک ہے کشتی لڑو۔ چنانچہ کشتی ہوئی اور واقعی سمرہؓ نے رافعؓ کو پچھاڑ دیا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں بھی جنگ پر جانے کی اجازت مرحمت فرمادی۔[1]

بقولے رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اور سمُرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی عمریں پندرہ سال سے کم تھیں۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

دستورِ عرب کے مطابق لڑائی میں کم از کم دو پرچم ہوتے تھے، ایک بڑا اور ایک چھوٹا۔ بڑے جھنڈے کو ''رایۃ'' کہتے تھے جبکہ چھوٹا ''لواء'' کہلاتا تھا۔ لشکرِ اسلام میں ہمیشہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام حاملِ رایت ہوا کرتے تھے جبکہ لواء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو بھی عطا کردیا جاتا تھا۔ اُحد میں بھی حسبِ روایت حاملِ رایت امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لواء حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔ یہ عین شبابِ جنگ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب لڑ رہے تھے کہ ابنِ قمیہ لیثی کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ مصعب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لواء بھی علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے سپرد کردیا۔[2]

حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ

حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا تعلق انصاری قبیلہ بنی الحارث بن خزرج سے تھا۔ دورانِ جنگ وہ لاپتہ ہوگئے تھے۔ جنگ کے اختتام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کون ہے جو سعد بن ربیع کی خبر

---

[1] آیت اللہ جعفر سبحانی، دی میسیج (The Message)، ص ۳۴۸

[2] علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۴۵۔ ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ ص ۱۸۳

Presented by Ziaraat.Com

لائے کہ وہ زندوں میں ہیں یا شہیدوں میں؟ چنانچہ ایک انصاری اُن کی تلاش میں روانہ ہوئے اور میدان جنگ میں ایک جگہ اُنہیں ایسی حالت میں پایا کہ وہ زخموں سے چُور چُور تھے اور آخری سانسیں لے رہے تھے۔ اُنہوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے تمہاری تلاش میں بھیجا ہے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا۔ ''رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں میرا اسلام عرض کرنا اور کہنا کہ اللہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو وہ بہترین جزا عطا فرمائے جو کسی بھی نبی کو اُس نے عطا کی ہو۔ اور میری قوم کو میرا اسلام پہنچانا اور میری طرف سے کہنا کہ جب تک تم میں سے ایک بھی متنفس باقی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بال بھی بیکا نہ ہونے پائے ورنہ روزِ قیامت خدا کے سامنے تمہارے پاس کوئی جواب نہ ہوگا۔'' اتنا کہہ کر سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ (۱)

حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ

حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ یا عمارہ بن زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ (نام میں اشتباہ ہے کیونکہ دونوں نام کتابوں میں ملتے ہیں۔ مؤلف) انصار کی ایک جماعت کے ساتھ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے مصروفِ جہاد تھے۔ اُن کے تمام ساتھی ایک ایک کر کے شہید ہو گئے تھے۔ وہ بھی شدید زخمی ہو کر گرے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں میرے قریب لاؤ۔ چنانچہ اُن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لا کر لٹا دیا گیا۔ بن سکن کی خوش بختی ملاحظہ ہو کہ جب اُنہوں نے جان جانِ آفریں کے سپرد کی تو اُن کا رخسار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں پر تھا۔ (۲)

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ غسیل الملائکہ

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ ایک نو بیاہتا نوجوان تھے اور شاید اسی وجہ سے اُحد میں حاضر نہ ہو سکے تھے۔ جب اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کی افواہ یا جنگ میں مسلمانوں کی بگڑتی ہوئی

---

(۱) علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۴۵، ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ ص ۱۸۳

(۲) علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۴۵، ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ ص ۱۸۳

Presented by Ziaraat.Com

صورتِ حال کی خبر سنی تو وہ حالتِ جنابت میں تھے۔ جذبۂ ایمانی سے سرشار ہو کر بغیر غسل کیے کہ مبادا دیر ہو جائے، بے تحاشا اُحد کی طرف بھاگے اور جاتے ہی کفار پر ٹوٹ پڑے۔

''بُرے والدین کی اچھی اولاد'' والا محاورہ حضرت حنظلہؓ اور اُن کی بیوی پر خوب صادق آتا ہے۔ اُن کا باپ ابو عامر، نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدترین دشمنوں میں سے ایک تھا۔ عجب اتفاق ہے کہ جنگ اُحد میں وہ قریش کی طرف سے لڑ رہا تھا جبکہ حنظلہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی طرف سے میدان میں آئے تھے۔ وہ ابھی چوبیس سال کے نہیں ہوئے تھے کہ جنگ اُحد سے ایک دن پہلے اُن کی شادی قبیلہ اوس کے مشہور منافق عبداللہ بن اُبی کی بیٹی سے ہوئی۔ حنظلہ رضی اللہ عنہ نے حکمِ جہاد سنا تو پریشان ہو گئے کیونکہ آنے والی رات اُن کی سہاگ رات تھی اور چڑھنے والا دن کفر و ایمان کے درمیان جنگ کا دن تھا۔ اسی پریشانی کے عالم میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک شب کے لئے اجازت طلب کی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں ایک رات کی رخصت عطا فرمائی۔

علامہ مجلسی کہتے ہیں کہ مندرجہ ذیل آیت کریمہ اسی ضمن میں نازل ہوئی:[1]

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ[2]

(مؤمن تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان رکھتے ہیں اور جب کسی اجتماعی معاملہ میں رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ہوتے ہیں تو جب تک آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اجازت نہیں لیتے کہیں نہیں جاتے۔ (اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) بے شک جو لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اجازت

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، بحار الانوار، ج ۲۰ ص ۵۷

[2] سورۃ النور، آیت ۶۲

Presented by Ziaraat.Com

مانگتے ہیں وہی اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس جب وہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اپنے کسی خاص کام کیلئے اجازت مانگیں تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُن میں سے جسے چاہیں اجازت دے دیں اور اُن کیلئے اللہ سے مغفرت طلب کریں۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔)

شبِ عروسی گزار کر وہ مردِ مومن میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہو رہے تھے کہ اُن کی ایک شب کی دُلہن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُس نے اُنہیں کہا کہ تھوڑی دیر کے لئے رُک جائیں۔ چنانچہ حنظلہ رُک گئے اور دُلہن نے چار معزز افراد کو وہاں بلوایا جو کسی عذر کے سبب جنگ پر نہیں جا سکے تھے۔ دُلہن نے حنظلہ کی موجودگی میں اُن سے کہا کہ گواہ رہنا کہ میری شادی حنظلہ سے ہو چکی ہے اور گزشتہ شب اِنہوں نے حقوقِ زوجیت ادا کیے ہیں۔ معززین نے کہا کہ ہمیں یہ سب بتانے کی کیا ضرورت تھی؟ دُلہن نے کہا، ''رات میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان شگافتہ ہوا اور میرا شوہر اُس میں داخل ہو گیا پھر آسمان پہلے کی طرح ہو گیا۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ حنظلہ شہید ہو جائیں گے یعنی ان کی روح آسمان کی طرف پرواز کر جائے گی۔''

پس حنظلہ فوراً ہی اُحد کی طرف روانہ ہو گئے اور جاتے ہی کفار پر ٹوٹ پڑے، دورانِ جنگ اُنہوں نے لشکرِ کفار کے سالار ابوسفیان کو دیکھا تو اُس سے گتھم گتھا ہو گئے اور اُسے گرا کر چاروں شانے چت کر دیا اور پھر اُس کا کام تمام کرنے کے لئے اُس کے سینے پر سوار ہو گئے۔ ابوسفیان کی چیخ و پکار سُن کر ایک مشرک شداد بن اسود اُس کی مدد کو آیا اور حنظلہ رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا۔ ابوسفیان تو بچ نکلا لیکن وہ خود شہید ہو گئے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''میں نے دیکھا کہ حنظلہ کو ملائکہ نے غسل دیا۔''[1] اسی وجہ سے انہیں ''غسیل الملائکہ'' کہا جانے لگا اور یہ لقب حضرت حنظلہ کی نسل میں خاندانی لقب کے طور پر چلتا رہا۔ روایت ہے کہ جب اہلِ مدینہ نے یزید کی بداعمالیوں کی وجہ سے اُس کی بیعت سے انکار کیا تو انہی حنظلہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۳ ص ۲۱

Presented by Ziaraat.Com

کو اپنا سردار بنایا جو یوم حرہ (جب یزید کی فوج نے مدینہ میں قتل عام کیا) شہید ہوئے۔ (۱)

حضرت اُمِ عمارہ انصاریہؓ

اُحد میں جہاں کئی ''مرد'' جان بچانے کی خاطر بھاگ گئے تھے وہاں اِس خاتون کی جاں نثاری قابلِ رشک ہے۔ یہ میدانِ جنگ میں زخمی مجاہدوں کی مرہم پٹی کے لئے آئی تھیں، جب دیکھا کہ کئی مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنہا پا کر مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ آور ہو رہے ہیں تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ڈھال بن کر کھڑی ہوگئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آنے والے تیروں کو اپنے نازک بدن پر لینے لگیں۔ پھر دشمن نے نیزوں اور تلواروں سے حملہ کیا تو یہ بھی تلوار سونت کر مقابلہ پر اُتر آئیں یہاں تک کہ شدید زخمی ہوگئیں۔ (۲)

یہودی مخریق کی جاں نثاری

اُحد میں ایک یہودی جس کا نام مخریق تھا، کی جاں نثاری بھی کتابِ تاریخ کا ایک سنہری ورق ہے۔ روایت ہے کہ جب اُحد میں مسلمانوں پر سخت پریشانی کا دور آیا اور حالات دِگرگوں ہوئے تو مخریق نے اپنی قوم سے کہا کہ تم پر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حمایت لازم ہے۔ یہودیوں نے کہا کہ آج تو ہفتہ کا دن ہے جس میں ہم کوئی کام نہیں کرتے۔ اُس نے کہا ہفتہ وفتہ کچھ نہیں۔ وہ مسلح ہوا اور میدان کی طرف چل پڑا۔ چلتے وقت اُس نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر میں قتل ہو جاؤں تو میرا تمام مال محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ہے، وہ اُس کا جو چاہیں کریں۔ مخریق میدان میں پہنچا اور حمایتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جنگ کرنے لگا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہوگیا۔ (۳)

---

(۱) علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۴۶

(۲) علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۴۶۔ خواجہ محمد لطیف، اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ ج ۱ ص ۹۹
ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء) سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۸۴

(۳) علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۶۶۔ ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۳ ص ۲۱

Presented by Ziaraat.Com

حضرت عمرو بن ثابتؓ

عمرو بن ثابت ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ جب اُنہیں معلوم ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مشکل وقت آیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ کے لئے تشریف لے گئے ہیں تو اُنہوں نے اپنی تلوار اور سپر اُٹھائی اور اُحد کی طرف روانہ ہوگئے۔ بروایتے اُنہوں نے کلمہ شہادت پڑھا، اور لشکر کفار پر ٹوٹ پڑے۔ عمرو جہاد کرتے کرتے شدید زخمی ہوگئے اور زخموں کی تاب نہ لاکر بالآخر گر پڑے۔ انصار میں سے ایک شخص اُن کی طرف سے گزرا تو وہ کشتوں کے درمیان پڑے ہوئے تھے مگر ابھی زندہ تھے۔ انصاری نے اُن سے پوچھا کہ اے عمرو! کیا تم اپنے پہلے دین پر ہو؟ کہا خدا کی قسم نہیں، میں خدا کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔ اتنا کہا اور واصلِ رحمت الٰہی ہوگئے۔

ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! عمرو بن ثابت مسلمان ہوتے ہی مارے گئے، کیا وہ شہید ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، واللہ وہ شہید ہے اور ایسا کہ جس نے ایک رکعت نماز بھی نہیں پڑھی مگر جنت میں جا پہنچا۔[۱]

شہدائے اُحد کی تجہیز و تدفین

ابن الوردی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی جس میں سات تکبیریں کہیں۔ پھر دوسرے شہداء کو باری باری اُن کے پہلو میں رکھا جاتا اور اُن کی نماز جنازہ بشمول حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پڑھائی جاتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح تمام شہداء کی نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہر نماز میں شامل تھے۔ پھر اُن کو ایک قبر میں علیحدہ دفن کیا گیا۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اور عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اِن کے درمیان بہت اتحاد تھا لہٰذا اِنہیں ایک ہی قبر میں اکٹھا دفن کرو۔[۲]

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب ج ۲ ص ۵۶۵

[۲] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۳ ص ۲۱

Presented by Ziaraat.Com

اور باقی تمام شہداء کو اجتماعی طور پر الگ دفن کیا گیا۔ ایک روایت کے مطابق کچھ لوگ اپنے شہداء کو اُٹھا کر مدینہ لے گئے اور وہاں دفن کیا پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرما دیا اور کہا کہ جہاں اِن کا مقتل ہے اِن کو وہیں دفن ہونا چاہیے۔ [۱]

شہدائے اُحد کا ماتم

ابن جریر سے روایت ہے کہ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، انصار کے دو قبیلوں بنی عبدالاشہل اور بنی ظفر کے مکانات کی طرف سے گذرے تو جنگِ اُحد میں شہید ہونے والوں کی خواتین کو نوحہ و ماتم کرتے سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور فرمایا حمزہ رضی اللہ عنہ پر رونے والیاں نہیں ہیں۔ دو انصاری صحابہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ واپس ہوئے اور خواتین کو ہدایت کہ وہ جائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کا ماتم کریں۔ [۲]

علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ وہ تمام خواتین حضرت سیّدہ فاطمہ زہرا علیہا السلام کے پاس آئیں اور آپ علیہا السلام کو جناب حمزہ رضی اللہ عنہ کا پرسا دیا۔ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لے جا رہے تھے کہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے گھر سے رونے کی صدائیں سنیں تو رونے والی خواتین کے لئے دعائے خیر کی اور فرمایا تم نے ہمدردی و غم خواری کا حق ادا کیا۔ [۳]

مشہور مؤرخ ابن سعد واقدی نے لکھا ہے کہ اس کے بعد انصار کی خواتین میں یہ رواج بن گیا کہ جب اُن کا کوئی عزیز فوت ہوتا تو وہ پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا نام لے کر روتیں پھر مرنے والے پر گریہ زاری کرتیں۔ [۴]

---

[۱] علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۶۷

[۲] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۳ ص ۲۱

[۳] علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۶۷

[۴] محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد، بحوالہ تاریخ احمدی ص ۴۵، ۴۶

Presented by Ziaraat.Com

حضرت زینب بنت خزیمہؓ سے نکاح

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃً لِلعالمین تھے چنانچہ کچھ ایسی بیوہ عورتوں کو جن کا کوئی پرسان حالِ نہیں ہوتا تھا، معاشرتی تحفظ فراہم کرنے کی خاطر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح میں لیا اور سایہ رحمت فراہم کیا۔ ایسی ہی ایک خاتون حضرت زینب بنت خزیمہؓ تھیں جو اپنی فیاضی کیوجہ سے اُمّ المساکین کے لقب سے مشہور تھیں ۔ یہ تین بار بیوہ ہوچکی تھیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے نکاح فرمایا۔لیکن نکاح کے دو یا تین ماہ بعد ہی وہ انتقال کر گئیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی نماز جنازہ پڑھائی اور جنت اُلبقیع میں سپردخاک کیا۔[1]

غزوۂ حمراء الاسد

(ہفتہ ۱۶ شوال ۳ ہجری/ یکم اپریل ۶۲۵ء)

حمراء الاسد مدینہ سے آٹھ میل دُور ہے۔بقولے یہ غزوہ وہاں پر واقع ہوا جس کی وجہ سے اسے غزوۂ حمراء الاسد کہا جاتا ہے۔بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ اُحد سے واپس آ کر اگلے ہی دن یعنی بروز ہفتہ ۱۶ شوال ۳ ہجری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ ہم دشمن کے تعاقب میں روانہ ہونگے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن تمام مسلمانوں کے ساتھ جو اُحد کی جنگ میں شریک ہوئے تھے قریش کے تعاقب میں حمراء الاسد تک تشریف لے گئے۔قریش تو وہاں سے آگے مکّہ کی طرف نکل گئے تھے لہٰذا تین دن وہاں قیام فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لے آئے۔ بروایتے یہ اقدام دشمن پر یہ ظاہر کرنے کے لئے تھا کہ اُحد کے واقعہ سے ہم ہمت نہیں ہارے اور ہم میں لڑنے کی جرأت ابھی ہے۔[2]

عصرِ حاضر کے بعض محققین کا خیال ہے کہ مندرجہ بالا روایت کچھ خوش عقیدہ مؤرخین

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۵۲۵

[2] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۳ ص ۲۸

Presented by Ziaraat.Com

نے مسلمانوں کی کمزوری کو چھپانے اور اُن کی وفاداری کو امکانی حد تک پایہ ثبوت کو پہنچانے کے لئے تصنیف کی ہے۔[۱]

اس کا استدلال یوں پیش کیا گیا ہے:

اوّل، جنگ اُحد کے اختتام پر دونوں فریقین کے درمیان یہ قول وقرار ہو گیا تھا کہ جنگ اب آئندہ سال ہو گی تو اس کے بعد دِرایتی طور پر یہ بات قابل قبول نہیں رہتی کہ اُن کا تعاقب کیا جاتا۔

دوم، مسلمانوں میں اُحد میں جو عملی کمزوریاں نمایاں ہوئیں تھیں وہ اتنی واضح تھیں کہ جنگ کے بعد اس طرح کا کوئی نمائشی مظاہرہ ممکن نہیں لگتا۔

سوم، جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کو اُن کے تعاقب میں روانہ کر کے پہلے ہی یہ اطمینان کر چکے تھے کہ وہ لوگ مکّہ کی طرف گامزن ہو چکے ہیں اور اُن کی واپسی کا کوئی امکان نہیں تو پھر یہ نمائشی اہتمام شانِ رسالت کے مطابق معلوم نہیں ہوتا۔ پس اس غزوہ کی روایت کو پائیدار نہیں کہا جا سکتا۔ (واللہ اعلم)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ○

---

[۱] علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۱۷۲

Presented by Ziaraat.Com

سنہ ۴ ہجری

سریہ ابو سلمہؓ مخزومی

(یکم محرم ۴ ہجری/ ۱۳ جون ۶۲۵ء)

سنہ ۳ ہجری کے آخری ماہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ فید کے کوہستانی علاقے قطن کے میں طلحہ بن خویلد اور اُس کا بھائی سلمہ بن خویلد جو قبیلہ بنو اسد کے سردار تھے اپنی قوم کو مدینہ منورہ پر چڑھائی کے لیے جمع کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس فتنہ کو ختم کرنے کے لیے یکم محرم ۴ ہجری بمطابق ۱۳ جون ۶۲۵ کو حضرت ابو سلمہؓ کی قیادت میں ڈیڑھ سو مجاہدین کا ایک سریہ روانہ فرمایا۔ دشمنوں کو اُن کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو منتشر و روپوش ہو گئے۔[۱]

سریہ عبداللہ بن انیسؓ

(۵ محرم ۴ ہجری/ ۱۷ جون ۶۲۵ء)

سریۂ ابو سلمہ مخزومی کے فوراً بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی کہ بنو لحیان کا رئیس سفیان بن خالد، عُرنہ میں اہلِ اسلام کے خلاف جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہے اور اُس کا ارادہ اس فتنہ کو دوسرے قبیلوں تک پھیلانے کا بھی ہے۔ اُس کا منصوبہ کامیاب ہو جاتا تو یقیناً ایک بہت بڑا تصادم ہوتا اور کئی قیمتی جانوں کا ضیاع ہوتا۔ چنانچہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس شریر کی شرارتوں کو فرو کرنے کیلئے ۵ محرم ۴ ہجری/ ۱۷ جون ۶۲۵ء کے دن حضرت عبداللہ بن انیسؓ کو روانہ کیا۔ عبداللہ بن انیسؓ نے اُس کو واصل جہنم کر دیا اور کامیاب واپس لوٹے۔ بروایتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں انعام کے طور پر ایک عصا عطا فرمایا۔[۲]

---

[۱] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۵۳۲

محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد ۲: ۳۵۰۔ ابن قیم، زاد المعاد (اردو) ۲: ۱۹۹

[۲] عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۹۲۔ ڈاکٹر نصیر احمد، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۵۳۳

Presented by Ziaraat.Com

رجیع کا المیہ

(صفر ۴ ہجری/ جولائی، اگست ۶۲۵ء)

اُحد کے بعد جو دوسرا اندوہناک واقعہ پیش آیا وہ رجیع کا تھا۔ [۱] یہ المیہ ہجرت کے چھتیسویں مہینے، ماہِ صفر ۴ ہجری میں بمطابق جولائی، اگست ۶۲۵ء، مکّہ اور غسفان کے درمیان، حجاز کے نواح میں ہذیل کی طرف پیش آیا۔ اس کو سریہ رجیع اور سریہ ابی مرثد الغنویٰ بھی کہتے ہیں۔

قبائل عرب نے جن کے نام علامہ طبرسی نے عضل وریش بیان کئے ہیں، اور ابن خلدون نے عضل اور قارہ بنی الہون ابن خزیمہ اخوۃ بنی اسد لکھے ہیں، [۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس ایک وفد بھیجا اور درخواست کی کہ ہم اسلام لانا چاہتے ہیں اس لئے اپنے کچھ آدمی ہمارے پاس بھیجئے تا کہ وہ ہمیں دین کی تعلیم دیں۔ اُنہیں یہ معلوم ہوگا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکّہ میں تھے تو اسی قسم کی خواہش مدینہ والوں نے بھی کی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو اُن کے ہاں بھیج دیا تھا لہٰذا اگر ہم بھی ویسی خواہش کریں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہماری دعوت بھی قبول کرلیں گے۔

مؤرخین کا کہنا ہے کہ جنگ اُحد میں کافروں کی ایک علمبردار سلافہ بنت سعد زنِ طلحہ بن ابی طلحہ کا شوہر اور بیٹے مارے گئے تھے، اُس نے اعلان کر رکھا تھا کہ جو اُن کے قاتلوں کے سر لائے گا اُسے سو بہترین اُونٹ انعام میں دے گی۔ [۳] چنانچہ دشمنِ اسلام وفتنہ گر سفیان بن خالد ہذلی (شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب نے مدارج النبوت میں یہی نام لکھا ہے جو کہ اس لحاظ سے اشتباہ پیدا کرتا ہے کہ سفیان بن خالد تو ماہِ محرم میں ہونے والے سریہ عبداللہ بن انیس میں مارا جا چکا تھا۔ اسلامیہ یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر نصیر احمد ناصر صاحب اپنی کتاب میں اس کا نام

---

[۱] مسٹر کے اے حمید، تاریخ مسلمانانِ عالم، ج ص ۷۷

[۲] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۷۲ بحوالہ طبرسی و تاریخ ابن خلدون ج ۱ ص ۶۸۷

[۳] عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۸۵، جمال الدین محدث، روضۃ الاحباب

Presented by Ziaraat.Com

خالد بن سفیان لکھتے ہیں لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ وہ تو قتل ہو گیا لیکن اُس کے قبیلے والوں یعنی بنی لحیان نے اس کے منصوبے کو عملی جامہ پہنایا۔اس نام کا اشتباہ تو بہر حال ہے اس لئے ہم یہاں وہی نام استعمال کریں گے جو ہمیں روایت میں ملا۔ واللہ اعلم) نے لالچ میں آ کر ایک سازش تیار کی اور اپنی قوم کے چند لوگوں کو تیار کر کے مدینہ منورہ کی طرف روانہ کیا جنہوں نے جھوٹ موٹ کا اسلام ظاہر کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے درخواست کی کہ صحابہ کی ایک جماعت کو ہمارے ساتھ روانہ کریں تا کہ وہ ہماری قوم کو قرآن کی تعلیم دیں اور اسلامی شعار سکھائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سات اور بروایتے دس صحابہ رضی اللہ عنہم کو جن کے امیر حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ یا حضرت مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ تھے روانہ فرما دیا۔اس جماعت میں شامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام یہ تھے:

ا۔حضرت عاصم بن ثابت بن ابی الاقلح رضی اللہ عنہ

۲۔حضرت مرثد بن ابی مرثد الغنوی رضی اللہ عنہ

۳۔حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ

۴۔حضرت معتّب بن اسید رضی اللہ عنہ

۵۔حضرت خالد بن ابی بکر لیثی رضی اللہ عنہ

۶۔حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ

۷۔حضرت زید بن الدثنہ بن بیاضہ رضی اللہ عنہ

یہ سات یا دس صحابہ منافقوں کی اُس جماعت کے ساتھ روانہ ہو گئے اور ابھی موضع ''بدہ'' جو عسقان اور مکّہ کے درمیان میں واقع تھا پہنچے تھے کہ سفیان بن خالد کو خبر ہوئی اور وہ دو سو کافروں کے ساتھ اور بروایتے تین سو تیر اندازوں کے ساتھ نکلا۔اُسے پتا چلا کہ مسلمان بدہ سے رجیع کی طرف بڑھ چکے ہیں تو وہ اُن کے تعاقب میں دوڑا اور معصوم اور بے خبر مسلمانوں کو راستے میں جا

Presented by Ziaraat.Com

لیا۔ اہل ایمان نے بڑی جوانمردی سے اُن کا مقابلہ کیا لیکن تین سو مسلح غنڈوں کے سامنے جنہوں نے دھوکے سے وار کیا تھا، دس افراد زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکے اور یکے بعد دیگرے راہِ شہادت پر گامزن ہو گئے۔ [1]

بقولے قاتلوں کی شدید خواہش تھی کہ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کا سر کاٹ کر سو اُونٹ انعام حاصل کریں لیکن اُن کی یہ آرزو حسرتِ ناتمام بن کے رہ گئی۔ پہلے تو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی نعش پر شہد کی مکھیوں نے ہجوم کیا جس کی وجہ سے وہ کوشش کے باوجود قریب نہ آسکے، پھر موسلا دھار بارش شروع ہو گئی جو اُن کی نعش کو نہ جانے کہاں بہا لے گئی اور یوں اُن کا ارمان پورا نہ ہو سکا۔ [2]

ایک روایت یہ ہے کہ جب مسلمان مقابلے پر اُتر آئے تو حملہ آوروں نے کہا کہ ہم تمہاری جاں بخشی کرتے ہیں مگر اس شرط پر کہ ہم تمہیں گرفتار کر کے مکّہ لے جائیں گے اور تمہارے بدلے تاوان وصول کریں گے۔ اس پر حضرت مرثد رضی اللہ عنہ اور اُن کے دو ساتھیوں نے انکار کر دیا اور مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ باقیوں کو اُنہوں نے قید کر لیا اور مکّہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ایک مجاہد نے راستے میں لڑ کر جان قربان کر دی جبکہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اور زید رضی اللہ عنہ کو اُنہوں نے مکّہ میں لے جا کر قریش کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ [3]

بروایتے باقی ماندہ کو سفیان بن خالد ہذلی مکّہ لے گیا تھا جنہیں سخت ترین ایذائیں دینے کے بعد پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے گلے میں جب پھانسی کا پھندا ڈالا گیا تو اُنہوں نے چند شعر کہے جن کا ایک ایک لفظ جذبۂ ایمانی سے لبریز تھا۔ اُنہوں نے کہا: [4]

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۸۵ تا ۱۹۰

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۵۳۳ تا ۵۳۵

[2] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۵۳۴

[3] ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)، تاریخ ابن خلدون، ج ۲ ص ۲۲۸

[4] مسٹر کے اے حمید، تاریخ مسلمانانِ عالم، ص ۷۷

Presented by Ziaraat.Com

میں اس مقتل میں بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہوں

قاتلوں نے مجھے ایک شہتیر کے پاس لا کھڑا کیا ہے

کفار کا ایک جم غفیر میرے گرد جمع ہے

میرا تماشا دکھانے کو عورتیں اور بچے بھی بلائے گئے ہیں

یہ کہتے ہیں اگر میں کفر اختیار کروں

تو میری جاں بخشی کر دیں گے

میں تو کفر پر موت کو ترجیح دیتا ہوں

میں موت سے نہیں ڈرتا

مگر دوزخ کی آگ سے ڈرتا ہوں

میں ان کے سامنے عاجزی کروں گا اور

نہ ہی روؤں اور چلاؤں گا

مجھے یقین ہے میں بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونے جا رہا ہوں

اے عرش کے مالک! تُو مجھے اس مصیبت کبریٰ میں صبر عطا فرما

ان کافروں نے میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہیں

اور میں زندگی سے مایوس ہو چکا ہوں

خدا کی قسم! میں اسلام پر فدا ہو رہا ہوں

مجھے اس کی پروا نہیں کہ میں کس پہلو گرتا ہوں

اور کس طرح جان دیتا ہوں۔

Presented by Ziaraat.Com

المیہ بئرِ معونہ/سریۂ منذر بن عمرو/سریۃ القریٰ

(صفر ۴ ہجری/ جولائی اگست ۶۲۵ ء)

سریہ بئر معونہ غزوۂ اُحد کے چار ماہ بعد ہجرت کے چوتھے سال ماہِ صفر میں واقع ہُوا۔[1]

امیرِ سریہ حضرت منذر بن عمروؓ کے نام سے اس کو سریۃ المنذر بن عمرو بھی کہا جاتا ہے۔ سریۃ القریٰ بھی اسی سریہ کو کہتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ اس سریہ میں شامل اکثر اصحاب کو قراء صحابہ یعنی تعلیم یافتہ صحابہ کہا جاتا تھا۔ بئر معونہ بِلاد ہذیل کے ایک موضع کا نام ہے جو مکّہ اور عسفان کے درمیان ہے۔ اس سریہ کی رُوداد سریہ رجیع سے کافی مماثلت رکھتی ہے۔

روایت ہے کہ قبیلہ نجد و بنی عامر کا ایک شخص ابو براء عامر بن مالک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے دعوتِ اسلام دی۔ اُس نے قبولِ اسلام کرنے کی بجائے دینِ اسلام کی تعریف کی اور کہا میں جانتا ہوں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دین مبارک اور حنیف (سچا) ہے، میری قوم بہت بڑی ہے اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صحابہ کی ایک جماعت میرے ہمراہ بھیج دیں تو ممکن ہے کہ وہ دینِ اسلام کو قبول کر لیں۔

گو یا اُس کا مطلب یہ تھا کہ میں تو چاہتا ہوں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعوت قبول کرلوں لیکن مجھے اپنی قوم کا خیال ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نجدی سرکشی کریں گے۔ ابو براء نے کہا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کا اندیشہ نہ فرمائیں میں کسی کو ایسا موقع نہ دوں گا کہ وہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہ سے تعرض کریں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ستر اصحاب کو اور بروایتے چالیس کو اور بقولے بیس سے تیس کو اُس کے ہمراہ روانہ کر دیا اور امیرِ سریہ حضرت منذر بن عمروؓ کو مقرر فرمایا۔[2]

الغرض خوش کردار حفاظِ قرآن کی وہ جماعت روانہ ہوگئی یہاں تک کہ بئر معونہ نامی کنویں کے پاس پہنچ کر قیام کیا اور اپنے ایک ساتھی حزام بن ملحانؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط دے کر وہاں کے

---

[1] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۷۴، مراۃ الجنان للیافی مطبوعہ حیدر آباد دکن ج ۱ ص ۹

[2] علامہ علی نقی، تاریخ اسلام ص ۲۷۵، ابوعبداللہ محمد بن عمر واقدی (متوفی ۸۲۲ء)، المغازی للواقدی، ج ۱ ص ۳۴۷

Presented by Ziaraat.Com

سردار عامر بن طفیل کے پاس بھیجا۔ عامر بن طفیل، ابو براء عامر بن مالک کا بھتیجا تھا اور دینِ اسلام کا مخالف اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ حزام بن ملحان رضی اللہ عنہ اُس کے پاس پہنچے تو وہ شقی القلب، قاصدِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے ہی آگ بگولا ہو گیا اور تمام سفارتی اصول اور آداب بالائے طاق رکھتے ہوئے ایک شخص کو اشارہ کیا جس نے عقب سے نیزہ مارا جو اُن کے جسم کے آر پار ہو گیا۔

بروایتے عامر بن طفیل نے خود حضرت حزام رضی اللہ عنہ کو شہید کیا پھر اپنے قبیلے کو اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کرنے پر اُکسایا لیکن وہ آمادہ نہ ہوئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کی یہ جماعت اس وقت ابو براء کی امان میں ہے۔ پھر عامر بن طفیل نے دیگر قبائل سلیم، عصیہ، رعل اور ذکوان کو ساتھ ملا کر ایک لشکر تیار کیا اور جنگ کے لیے بئر معونہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ مسلمانوں نے بڑی جوانمردی اور ثابت قدمی سے اُن کا مقابلہ کیا لیکن بالآخر سب کے سب شہید ہو گئے۔ [1]

اُن شہداء کے دو ساتھی عمرو بن اُمیہ ضمری اور حارث بن صمہ اتفاق سے لڑائی کے وقت اُن کے ساتھ نہیں تھے۔ وہ دونوں کافی دُور چراگاہ میں اُن مویشیوں کو چرا رہے تھے جو وہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ اُنہوں نے ایسے پرندوں کو فضا میں منڈلاتے دیکھا جو عموماً لاشوں پر جمع ہو جایا کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ پریشانی کے عالم میں اُس طرف بھاگے اور وہاں پہنچ کر اپنے تمام ساتھیوں کو خاک و خون میں آغشتہ پایا۔ عمرو نے کہا کہ ہمیں جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر کرنی چاہیے مگر حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں تو اس سعادت سے محروم نہیں رہوں گا کہ اُسی میدان میں لڑتے ہوئے اپنی جان قربان کر دوں جہاں ہمارے ساتھی شہید ہوئے ہیں۔ چنانچہ اُنہوں نے کافروں کو للکارا اور دو کو فی النار کرتے ہوئے خود بھی شہید ہو گئے۔ عمرو بن اُمیہ مدینہ نہ جا سکے اور کافروں کے ہاتھوں اسیر ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق علامہ طبرسی کا بیان ہے کہ عمرو بن اُمیہ ہی نے مدینہ جا کر حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سانحہ کی اطلاع دی جس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت صدمہ ہوا اور مجسمِ ضبط و تحمل، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اپنے جسم اطہر پر

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۹۱ تا ۱۹۳

علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۷۵۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۵۳۶

Presented by Ziaraat.Com

پتھروں کی بارش سہہ کر بھی دشمنوں کے لئے بددعا نہ کیا کرتے تھے اُن بے گناہوں کے قتل سے اتنے متاثر ہوئے کہ اُن کا خونِ ناحق بہانے والوں کے نام لے لے کر مدتوں اُن پر لعنت کرتے رہے۔[1]

غزوۂ بنی نُضیر

(ربیع الاوّل ۴ ہجری/ اگست ستمبر ۶۲۵ء)

یہ غزوہ ربیع الاوّل ۴ ہجری/ اگست ستمبر ۶۲۵ء میں پیش آیا۔ یہودیوں کے ایک قبیلہ بنونُضیر کے نام کی نسبت سے اس غزوہ کو غزوۂ بنونُضیر کہا جاتا ہے۔

شر پسند اور جنگجو بنونُضیر قلعوں میں رہتے تھے اور اُن کے پاس اسلحے کے بڑے بڑے ذخائر تھے۔ میثاقِ مدینہ کے پابند ہونے کے باوجود وہ قریش کے لئے مسلمانوں کی جاسوسی بھی کیا کرتے تھے اور اسی لئے راس المنافقین عبداللہ بن اُبیّ کے حلیف بھی تھے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اُن کا وجود ایک مستقل خطرہ تھا کیونکہ وہ درپردہ سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتے تھے۔ جنگِ اُحد کے بعد وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے کہ اسی دوران بنو عامر کے دو اشخاص کے خون بہا کی ادائیگی کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کے پاس جانا پڑا، کیونکہ بنونُضیر ایک طرف مسلمانوں کے معاہد تھے تو دوسری طرف بنو عامر کے بھی تھے۔ بروایتے بنو عامر کے وہ مقتولین عمرو بن اُمیہ ضمری کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے پاس تشریف لے گئے تو وہ بظاہر بڑے تپاک سے ملے لیکن حقیقت میں بہت خوش تھے کہ اُنہیں اپنے ناپاک منصوبے پر عمل کرنے کا ایک سنہری موقع ہاتھ آ رہا تھا۔

اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت احترام کے ساتھ ایک دیوار کے سائے میں بٹھایا اور ایک

---

[1] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۷۶ بحوالہ طبری و ابوعبداللہ محمد بن عمرو واقدی (متوفی ۸۲۲ء)، المغازی للواقدی مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی، ج ۱ ص ۳۴۷

Presented by Ziaraat.Com

شخص عمرو بن حجاش نُضری کو مامور کیا کہ وہ چھت پر چڑھ کر ایک بھاری پتھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گرائے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیغمبرانہ بصیرت نے اُن کے ارادے پہچان لئے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور وہاں سے تشریف لے گئے۔

علامہ طبرسی لکھتے ہیں، ''جبرائیل امین (علیہ السلام) اُترے اور اُنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی کہ ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف یہ منصوبہ بنایا ہے۔''[۱] ابن خلدون نے بھی ایسا ہی لکھا ہے، ''اللہ نے بذریعہ وحی اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع دی۔''[۲]

اپنے اس ناپاک منصوبے میں ناکام ہونے کے بعد اُنہوں نے ایک اور سازش تیار کی جس کا تانا بانا رجیع اور بئر معونہ کے واقعات کی روشنی میں تیار کیا گیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کی ترویج و تبلیغ کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں اور اس سلسلے میں کوئی درخواست کی جائے تو اسے رد نہیں فرماتے، لہٰذا اُنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ ہم اپنے علمائے دین کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مناظرہ کرانا چاہتے ہیں، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف لے آیئے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے علماء کو لاجواب کر کے اسلام کی حقانیت ثابت کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہم سب مسلمان ہو جائیں گے۔ اُن کے درپردہ عزائم یہ تھے کہ اُن کے آدمی خنجروں وغیرہ سے مسلح ہونگے جو دورانِ مناظرہ یکبارگی حملہ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس مرتبہ بھی اُن کے مذموم ارادے کی خبر ہو گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے ہاں تشریف نہیں لے گئے۔

بنونُضیر کی روز افزوں بڑھتی ہوئی فتنہ انگیزیوں سے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ کئے گئے اپنے تحریری معاہدے (میثاقِ مدینہ) سے روگردانی کر رہے ہیں جو صریحاً ایک قسم کی بغاوت تھی۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی بغاوت کو فرو کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

---

[۱] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۷۹ بحوالہ طبرسی

[۲] ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)، تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۲۷۱

Presented by Ziaraat.Com

اُدھر بنونُضیر نے بھی مسلمانوں پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنالیا، اُنہیں اس منصوبے میں قریش، عبداللہ بن اُبیّ اور اپنے چند حلیف قبیلوں کی معاونت حاصل تھی۔ ایک قبیلہ بنوقریظہ، بنونضیر کا ہم مذہب تھا۔ بنونُضیر اُس کے ساتھ بھی معاہدہ حلف کرنا چاہتے تھے حالانکہ وہ پہلے ہی میثاقِ مدینہ کے تحت مسلمانوں کے حلیف تھے لیکن بنونضیر کے ارادوں کے پیشِ نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہل کر کے بنوقریظہ سے تجدیدِ عہد کروالیا اور اسطرح بنونُضیر کو ایک دفعہ پھر منہ کی کھانی پڑی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے خلاف کوئی تادیبی کاروانی کرنے سے پہلے اتمام حجت کے طور پر کہا کہ اپنے معاہدے کی تجدید کرو لیکن عبداللہ بن اُبی کی شہہ اور مدد کے وعدے پر اُنہوں نے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ میثاقِ مدینہ کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں دس دن کے اندر اندر مدینہ سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔[1]

بروایتے اُنہوں نے یہ حکم منظور کرلیا تھا بلکہ اس پر عمل بھی شروع کر دیا تھا لیکن رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے بھڑکانے پر انکار کر دیا اور جنگ کے لئے قلعہ بند ہو گئے۔[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کی تادیب کے لئے ایک جماعت کو لے کر روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم حضرت علی علیہ السلام کو دیا اور قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ یہودیوں نے قلعہ سے تیر برسانے شروع کر دیے، ایک تیر پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیمے میں بھی آیا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیمہ وہاں سے دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا۔ حضرت علی علیہ السلام اُن تیراندازوں کو سبق سکھانے کے لئے متفکر تھے کہ اُن کے ایک ماہر تیرانداز عزوار اور دو پہلوانوں کو ایک کمین گاہ سے برآمد ہوتے دیکھا۔ شیرِ خدا جناب علی علیہ السلام فوراً اُن پر حملہ آور ہوئے۔ آپ نے عزوار کو قتل کیا اور اُس کا سر لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ باقی دونوں پہلوانوں کو آپ کے ساتھیوں نے جہنم رسید

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۵۳۶

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۹۶

Presented by Ziaraat.Com

کر دیا۔اس کے بعد کسی کو قلعہ سے نکلنے کی جرأت نہ ہوئی۔

عبداللہ بن اُبی اور بنو نضیر کے حلیف قبیلوں میں سے کسی کو بھی اُن کی مدد کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ جب کسی طرف سے کوئی کمک نہ ملی تو محصور رہتے رہتے وہ عاجز آ گئے اور پندرہ روز بعد ہتھیار ڈال کر جلا وطنی پر آمادہ ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہؓ کے ذریعے اُنہیں پیغام بھیجا کہ تین دن کے اندر اندر مدینہ سے نکل جاؤ۔ چنانچہ اُن میں سے کچھ لوگ شام اور وادی القریٰ کی طرف کوچ کر گئے اور باقی خیبر میں جا بسے جن میں اِن کے سردار حیی بن اخطب اور ابورافع بن ابو حُقیق وغیرہ بھی شامل تھے۔ بنو نُضیر کے مدینہ بدر ہو جانے سے مدینے کا دفاع مضبوط تر ہو گیا اور مسلمانوں کو ایک مہلک مارِ آستین سے نجات مل گئی۔ بروایتے یہ ہجرت کے چھتیس ماہ بعد ربیع الاوّل کا واقعہ ہے۔[1]

غزوۂ ذات الرقاع

(جمادی الاوّل ۴ ہجری/ اکتوبر، نومبر ۶۲۵ء)

یہودی قبیلے بنو نُضیر کا فتنہ ابھی ختم ہوا ہی تھا کہ جمادی الاوّل ۴ ہجری میں بنو غطفان کے جنگجو قبائل، بنی محارب اور بنی ثعلبہ نے سر اُٹھالیا۔ اُن کا ارادہ مدینہ کو تاخت و تاراج کرنے کا تھا۔ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کے ناپاک عزائم کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار سو اور بروایتے سات سو مجاہدین کے ساتھ اُن کی سرکوبی کے لئے نجد روانہ ہوئے، وہاں سے ذات الرقاع پہنچے جہاں وہ تمام شر پسند عناصر جمع تھے۔ جب اُنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ فرار ہو گئے اور جنگ کی نوبت نہیں آئی۔[2]

---

[1] سید محسن امین عاملی (متوفی ۱۹۵۳ء)، اعیان الشیعہ، ج ۲ ص ۲۱۱

[2] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۵۴۱

Presented by Ziaraat.Com

ہم پہلے ذِکر کر چکے ہیں کہ ہجرت کے تیسرے سال محرم میں اور بروایتے بارہ ربیع الاوّل کو بھی ایک غزوہ واقع ہوا تھا جس کو غزوۂ ذی امر، غزوۂ بنی ام، غزوۂ انمار اور غزوۂ غطفان بھی کہا جاتا ہے۔[1]

ذی امر، قبیلہ غطفان کے ایک چشمہ کا نام تھا اور اسی نسبت سے ابن سعد نے طبقات میں اس غزوہ کا نام غزوۂ غطفان لکھا ہے۔[2]

اس غزوہ میں نجد کے قبیلہ غطفان کے دو گروہوں، بنی ثعلبہ اور بنی محارب نے اپنے سردار ''دعشور غطفان'' اور بقولے خطیب بغدادی، ''غواث'' کی سرکردگی میں مدینہ پر حملہ کا منصوبہ بنایا۔ وہ لوگ نجد کے علاقے مقام ذی امر میں جمع ہو کر غارت گری کی تیاریوں میں ابھی مصروف ہی تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اُن کے عزائم کی خبر ہوگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم محرم ۳ ہجری/ جون ۶۲۴ء میں چارسو اور بقولے چارسو پچاس مجاہدین کے ساتھ اُن کی سرکوبی کے لئے نجد تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس غیر متوقع پیش قدمی سے وہ لوگ گھبرا کر بھاگ گئے اور پہاڑوں میں روپوش ہو گئے۔ غزوۂ ذی امر، غزوۂ بنی ام، غزوۂ انمار یا غزوۂ غطفان وغیرہ اور غزوہ ذات الرقاع کے حالات وواقعات اور کردار یعنی قبیلے ایک ہی ہیں۔ تاریخ میں ان دونوں غزوات کا ذِکر آیا ہے۔ ہوسکتا ہے دونوں غزوات دراصل ایک ہی ہوں جنہیں مختلف ناموں کے ساتھ مختلف ادوار میں بیان کیا گیا ہو یا واقعی دونوں غزوات الگ ہوں۔ (واللہ اعلم)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ○

---

[1] ابن ہشام، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۴۶

[2] سید محسن امین عاملی (متوفی ۱۹۵۳ء)، اعیان الشیعہ، ج ۲ ص ۱۷۸، علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۱۹

Presented by Ziaraat.Com

ولادتِ امام حسین علیہ السلام

۳ شعبان ۴ ہجری (۷ جنوری ۶۲۶ء)

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر نصیر احمد ناصر صاحب لکھتے ہیں:

''یوں تو سارے بچے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیارے تھے لیکن حضرت فاطمۃ الزہرا (علیہا السلام) اور حضرت علی (علیہ السلام) کی طرح اُن کی اولاد بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھی۔ اس حوالے سے سنہ ۴ ہجری کا اہم واقعہ ۵ شعبان کو حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی ولادتِ سعید ہے جن کی قسمت میں شہادتِ عظمیٰ لکھی تھی۔'' [۱]

امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ ولادت کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسین علیہ السلام کی آنکھوں میں لعاب دہن مبارک لگایا اور اپنی زبان اُن کے منہ میں دے کر بڑی دیر تک چساتے رہے۔ اس کے بعد دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی پھر دُعائے خیر فرما کر حسین نام رکھا۔ [۲]

حسین (علیہ السلام) نام رکھنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ علیہا السلام سے فرمایا کہ بیٹی جس طرح حسن (علیہ السلام) کا عقیقہ کیا گیا تھا اُسی طرح حسین (علیہ السلام) کے عقیقہ کا بھی انتظام کرو اور جس طرح حسن (علیہ السلام) کے بالوں کے ہم وزن چاندی تصدق کی گئی تھی اُسی طرح حسین (علیہ السلام) کے بالوں کے ہم وزن چاندی تصدق کرو۔ چنانچہ ایک مینڈھا منگوایا گیا اور رسمِ عقیقہ ادا کی گئی۔ [۳]

علامہ نجم الحسن کراروی صاحب بحوالہ علامہ حسین واعظ کاشفی رقمطراز ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کی ولادت کے بعد خلاقِ عالم نے جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ زمین پر جا کر میرے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میری طرف سے حسین (علیہ السلام) کی ولادت پر مبارکباد دو اور ساتھ ہی ساتھ اُن کی شہادتِ عظمیٰ سے بھی اُنہیں مطلع کر کے تعزیت ادا کرو۔ جناب جبرائیل علیہ السلام بحکمِ ربِّ جلیل

---

[۱] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۵۳۶

[۲] علامہ نجم الحسن کراروی، چودہ ستارے ص ۲۱۳ بحوالہ نور الابصار ص ۱۱۳

[۳] علامہ نجم الحسن کراروی، چودہ ستارے ص ۲۱۳ بحوالہ مطالب السؤل ص ۲۱۳

Presented by Ziaraat.Com

زمین پر وارد ہوئے اور اُنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر تہنیت اور تعزیت پیش کی۔[1]

اُم الفضلؓ سے روایت ہے کہ ایک دن میں بچہ کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے آغوش میں لے کر پیار کیا اور پھر رونے لگے۔ میں نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ ابھی ابھی جبرائیل میرے پاس آئے اور بتایا کہ یہ بچہ اُمت کے ہاتھوں نہایت ظلم وستم سے شہید ہوگا۔ اور اے اُم الفضل وہ مجھے اِس کے مقتل کی سُرخ مٹی بھی دے گئے ہیں۔[2] پھر فرمایا کہ یہ بات فاطمہ (علیہا السلام) سے کوئی نہ کہے ورنہ وہ سخت پریشان ہوں گی۔

ملّا جامی لکھتے ہیں کہ اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ نے بیان کیا کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر اس حال میں تشریف لائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرِ مبارک کے بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر گرد پڑی ہوئی تھی۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس پریشان حالی میں دیکھ کر پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا بات ہے؟ فرمایا، ابھی ابھی جبرائیل مجھے عراق کے مقام کربلا میں لے گئے تھے۔ وہاں میں نے حسین کا مقتل دیکھا۔ میں اُس جگہ سے یہ مٹی لایا ہوں۔ اے اُم سلمہ! اسے اپنے پاس محفوظ رکھو، جب یہ خون ہوجائے تو سمجھنا کہ میرا حسین شہید ہوگیا۔[3]

آپ ۱۰ محرم (۶۱ ہجری) کو کوفہ ودجلہ کے درمیان کربلا کے میدان میں شہید ہوئے۔[4]

آپ کو ابوالآئمہ ثانی بھی کہا جاتا ہے کیونکہ آپ کی نسل پاک سے نو امام (علیہم السلام) متولد ہوئے۔

رضاعتِ امام حسین علیہ السلام

روایت ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے ولادت کے بعد کبھی اپنی والدہ محترمہ یا کسی دائی کا دُودھ نوش نہیں کیا۔ جب آپ بھوکے ہوتے تو جناب سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے اور اپنی زبان

---

[1] علامہ نجم الحسن کراروی، چودہ ستارے ص ۲۱۴

[2] مشکوۃ ج ۸ ص ۱۴۰ طبع لاہور۔ مسند امام رضا ص ۳۸

[3] مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامیؒ (متوفی ۱۴۹۲ء)، شواہد النبوت ص ۱۷۴

[4] اکمال فی اسماء الرجال در مشکوۃ (اردو) ج ۳ ص ۳۳۶

Presented by Ziaraat.Com

مبارک آپ کے دہن اقدس میں دے دیتے اور آپ اُسے چوستے رہتے یہاں تک کہ سیر وسیراب ہوجاتے۔ پس معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ کی پرورش لعاب دہنِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت مشابہہ تھے۔ [1]

شہزادوں کے نام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود رکھے

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں، ''جب حسن (علیہ السلام) پیدا ہوا تو اُس کا نام حمزہ رکھا گیا اور جب حسین (علیہ السلام) پیدا ہوا تو اُس کا نام اُس کے چچا کے نام پر جعفر رکھا گیا۔ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلا کر فرمایا کہ مجھے اِن کے نام تبدیل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اُس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے نام حسن (علیہ السلام) اور حسین (علیہ السلام) رکھے۔'' [2]

حسنین علیہم السلام کے نام اللہ نے حجاب میں رکھے تھے

مفضل سے روایت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حسن اور حسین (علیہم السلام) کے ناموں کو حجاب میں رکھا یہاں تک کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بیٹوں کا نام حسن اور حسین (علیہم السلام) رکھا۔ [3]

حسنین علیہم السلام کے نام اہلِ جنت کے نام ہیں

عمران بن سلیمان سے روایت ہے کہ حسن اور حسین (علیہم السلام) اہلِ جنت کے ناموں میں سے دو نام ہیں جو کہ دَورِ جاہلیت میں پہلے کبھی نہیں رکھے گئے۔ [4]

---

[1] علامہ نجم الحسن کراروی، چودہ ستارے ص ۲۱۴ بحوالہ نور الابصار، ص ۱۱۳

[2] احمد بن حنبل، المسند ا:۱۵۹۔ ابویعلیٰ (متوفی ۹۱۹ھ)، المسند، ا:۳۸۴۔ حاکم، المستدرک، ۴:۳۰۸۔ ابن عساکر (متوفی ۱۱۷۵ء)، تاریخ دمشق الکبیر ۷:۱۱۶۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء ۳:۲۴۷

[3] علی بن محمد ابن اثیر الجزری (متوفی ۸۳۸ھ)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ۲:۲۵۔ انووی، تہذیب الاسماء ا:۲۸

[4] ابن حجر مکی (متوفی ۹۷۴ھ)، الصواعق المحرقۃ ۱۶۲۔ علی بن محمد ابن اثیر الجزری (متوفی ۸۳۸ھ)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ۲:۲۵

Presented by Ziaraat.Com

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حسنین علیہم السلام میرے بیٹے ہیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن وحسین (علیہم السلام) کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا، ''یہ میرے بیٹے ہیں۔''[۱]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں ہی اِن کا نسب ہوں

سیّدۃ نساء العالمین جناب فاطمہ زہراء علیہا السلام سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر عورت کے بیٹوں کا خاندان ہوتا ہے جس کی طرف وہ منسوب ہوتے ہیں ماسوائے فاطمہ (علیہا السلام) کی اولاد کے، پس میں ہی اُن کا ولی ہوں اور میں ہی اُن کا نسب ہوں۔[۲]

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ماں کے بیٹوں کا آبائی خاندان ہوتا ہے جس کی طرف وہ منسوب ہوتے ہیں سوائے فاطمہ (علیہا السلام) کے بیٹوں کے، پس میں ہی اُن کا ولی اور میں ہی اُن کا نسب ہوں۔[۳]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہر عورت کے بیٹوں کی نسبت اُن کے باپ کی طرف ہوتی ہے ماسوائے فاطمہ (علیہا السلام) کی اولاد

---

[۱] ذہبی، سیر اعلام النبلاء ۳: ۲۸۴۔ حافظ دیلمی (متوفی ۵۵۸ ہجری)، کتاب الفردوس، ۴: ۳۳۶۔
ابن جوزی، صفوۃ الصفوہ ۱: ۷۶۳

[۲] حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (متوفی ۳۶۰ ہجری)، المعجم الکبیر ۲۲: ۴۲۳۔
ابویعلیٰ (۹۱۹ ہجری)، المسند ۱۲: ۱۰۹۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ۴: ۲۲۴۔ حافظ دیلمی (متوفی ۵۵۸ ھ)، کتاب الفردوس ۳: ۲۶۴۔ خطیب بغدادی (متوفی ۱۰۷۱ء)، تاریخ بغداد ۱۱: ۲۸۵۔ عجلونی، کشف الخفا ۲: ۱۵۷

[۳] حاکم، المستدرک ۳: ۱۷۹۔ ابویعلیٰ (۹۱۹ ہجری)، المسند ۲: ۱۰۹۔
حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (متوفی ۳۶۰ ہجری)، المعجم الکبیر ۳: ۴۴

Presented by Ziaraat.Com

کے، کہ میں ہی اُن کا نسب ہوں اور میں ہی اُن کا باپ ہوں۔ [1]

حضرت عمر بن خطابؓ ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن میرے حسب ونسب کے سواء ہر سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ ہر بیٹے کی باپ کی طرف نسبت ہوتی ہے ماسوائے اولادِ فاطمہ (علیہا السلام) کے، کہ اُن کا باپ بھی میں ہوں اور اُن کا نسب بھی میں ہی ہوں۔ [2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کی مشابہت

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ لوگوں میں حسین علیہ السلام سے زیادہ کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہت نہیں رکھتا تھا۔ [3] حضرت ابو جحیفہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے۔ حسن بن علی علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہ تھے۔ [4]

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حسن علیہ السلام سینے سے سر تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے زیادہ مشابہ تھے اور حسین علیہ السلام سینے سے نیچے۔ [5]

حضرت علی علیہ السلام ہی سے روایت ہے کہ جس شخص کی یہ خواہش ہو کہ وہ لوگوں میں ایسی ہستی کو دیکھے جو چہرے سے گردن تک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے کامل شبیہ ہو تو وہ حسن بن علی (علیہ السلام)

---

[1] حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (متوفی ۳۶۰ ہجری)، المعجم الکبیر ۳:۴۴۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ۴:۲۲۴۔ شوکانی، نیل الاوطار ۶:۱۳۹۔ صنعانی، سبل السلام

[2] احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ ۲:۶۲۶۔ حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (متوفی ۳۶۰ ہجری)، المعجم الاوسط ۶:۳۶۷۔ حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (متوفی ۳۶۰ ہجری)، المعجم الکبیر ۳:۴۴۔ حسینی، البیان والتعریف ۲:۱۴۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ ۷:۶۴۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ۴:۲۷۲

[3] جامع ترمذی ج ۲ حدیث نمبر ۳۵۴۶

[4] جامع ترمذی ج ۲ حدیث نمبر ۳۵۴۷

[5] جامع ترمذی ۵:۶۶۰۔ احمد بن حنبل، المسند ۱:۹۹۔ ابن حبان، الصحیح ۱۵:۴۳۰

Presented by Ziaraat.Com

کو دیکھ لے اور جس شخص کی یہ خواہش ہو کہ وہ لوگوں میں ایسی ہستی کو دیکھے جو گردن سے ٹخنوں تک رنگت اور صورت دونوں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے کامل شبیہ ہو تو وہ حسین بن علی (علیہ السلام) کو دیکھ لے۔[1]

حسنین علیہم السلام وارثانِ اوصافِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں

جناب خاتون جنت سیّدہ فاطمہ زہراء علیہا السلام سے روایت ہے کہ وہ اپنے بابا حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الوصال کے دوران حسن علیہ السلام اور حسین علیہ السلام کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حسن (علیہ السلام) میری ہیّبت وسرداری کا وارث ہے اور حسین (علیہ السلام) میری جرأت وسخاوت کا۔[2]

حسنین علیہم السلام تمام جنتی جوانوں کے سردار ہیں

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، حسن (علیہ السلام) اور حسین (علیہ السلام) تمام جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔[3]

حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، حسن (علیہ السلام) اور حسین (علیہ السلام) جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔[4]

یہ حدیث مبارکہ متعدد صحابہ کرام سے متعدد احادیث کی کتب میں روایت کی گئی ہے۔

---

[1] حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (متوفی ۳۶۰ ہجری)، المعجم الکبیر ۳:۹۵

[2] ابن حجر مکی، الصواعق المحرقۃ ۲:۵۶۰۔ طبرانی، المعجم الکبیر ۲۲:۴۲۳۔ شوکانی، در السحابہ ۳۱۰

[3] بزار، المسند ۳:۱۰۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر ۳:۳۶۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ۹:۱۸۲

[4] ترمذی، ۵:۶۵۶۔ نسائی، السنن الکبریٰ ۵:۵۰۔ احمد بن حنبل، المسند ۳:۳۔ حاکم، المستدرک ۳:۱۸۲

Presented by Ziaraat.Com

حسنین علیہم السلام سے محبت کرنا واجب ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جس نے مجھ سے محبت کی، اُس پر لازم ہے کہ وہ اِن دونوں (حسن علیہ السلام اور حسین علیہ السلام) سے بھی محبت کرے۔ (۱)

یہ حدیث مبارکہ کئی جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعدد کتبِ احادیث میں روایت کی گئی ہے۔

حسنین علیہم السلام سے بغض رکھنے والا مبغوض ہے

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، جس نے حسن و حسین (علیہم السلام) سے بغض رکھا اُس نے مجھ سے بغض رکھا، اور جس نے مجھ سے بغض رکھا وہ اللہ کے ہاں مبغوض ہو گیا اور جو اللہ کے ہاں مبغوض ہوا، اُسے اللہ نے آگ میں داخل کر دیا۔ (۲)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حسنین علیہم السلام کی خاطر منبر سے نیچے تشریف آوری

حضرت ابوبریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مسجد میں) خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اتنے میں حسنین کریمین علیہم السلام تشریف لائے، اُنہوں نے سرخ رنگ کی قمیضیں پہنی ہوئی تھیں اور وہ (صغر سنی کی وجہ سے) لڑکھڑا کر چل رہے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اُنہیں دیکھ کر) منبر سے نیچے تشریف لائے، دونوں شہزادوں کو اُٹھایا اور اپنے سامنے بٹھا لیا، پھر فرمایا میں نے اِن بچوں کو لڑکھڑا کر چلتے دیکھا تو مجھ سے نہ رہا گیا حتیٰ کہ میں نے اپنی بات کاٹ کر انہیں اُٹھا لیا۔ (۳)

حسنین علیہم السلام پشتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ادا کر رہے تھے تو حسن و حسین علیہم السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت مبارک پر سوار ہو گئے۔ لوگوں نے اُن کو منع کیا تو آپ

---

(۱) نسائی، السنن الکبریٰ ۵: ۵۰۔ ابن خزیمہ، الصحیح ۲: ۴۸۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ۹: ۱۷۹

(۲) حاکم، المستدرک ۳: ۱۸۱۔ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (متوفی ۳۶۰ھ)، المعجم الکبیر ۳: ۵۰

(۳) ترمذی ۵، الجامع الصحیح: ۶۵۸۔ نسائی، السنن ۳: ۱۹۲۔ احمد بن حنبل، المسند ۵: ۳۴۵۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن

Presented by Ziaraat.Com

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اِن کو چھوڑ دو، اِن پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ [1]

یہ حدیث مبارکہ کئی مشہور و معروف کتب میں الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کی گئی ہے لیکن مفہوم سب کا تقریباً ایک جیسا ہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طوالتِ سجدہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے میں ہوتے تو حسن یا حسین علیہم السلام آتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمر مبارک پر سوار ہو جاتے جس کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدوں کو لمبا کر لیتے۔ ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدوں کو طویل کر دیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر میرا بیٹا سوار تھا اس لئے جلدی کرنا (سجدے سے سر اٹھانا) اچھا نہ لگا۔ [2]

کیا اچھے سوار ہیں

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حسن و حسین (علیہم السلام) کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کندھوں پر (سوار) دیکھا تو حسرت بھرے لہجے میں کہا کہ آپ کے نیچے کتنی اچھی سواری ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا، ذرا یہ بھی دیکھو کہ سوار کتنے اچھے ہیں۔ [3]

احمد بن حنبل نے المسند میں اور حاکم نے المستدرك میں اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ○

[1] طبرانی، المعجم الکبیر ۳:۴۷۔ ابن حبان، الصحیح ۱۵:۴۲۶۔ ابن ابی شیبہ، المصنف ۶:۳۷۸۔

[2] ابو یعلیٰ (۵۹۱۹)، المسند ۶:۱۵۰۔ ھیثمی، مجمع الزوائد ۹:۱۸۱

[3] بزار، المسند ۱:۴۱۸۔ ھیثمی، مجمع الزوائد ۹:۱۸۱۔ شوکانی، در المسحابہ فی مناقب القابة والصحابہ ۳۰۸۔ ابن عدی، الکامل ۲:۳۶۲۔

Presented by Ziaraat.Com

حُرمتِ شراب

بروایتے ۴ ہجری میں اور بقولے ٦ ہجری میں اور ایک قول کے مطابق ۸ ہجری میں شراب کو حرام قرار دیا گیا۔[۱] اسلام سے پہلے، لوگ کئی طرح کی بُری عادات میں اس طرح مبتلا تھے کہ وہ بُری عادتیں معاشرے کا ایک جزوِ لاینفک بن کر رہ گئی تھیں۔ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس معاشرتی بگاڑ کو سنوارنے کے لئے اور اُن عادتوں کے تدارک کے لئے ایک حکیمِ حاذق کی طرح بیماری کی نوعیت کے حساب سے قوم کو علاج فراہم کیا۔ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ عادات کو ترک کرنا آسان نہیں ہوتا جبکہ نشے جیسی عادت کو چھوڑنا تو مشکل ترین عوامل میں سے ایک ہے۔ شراب نوشی کی عادت اسلام سے پہلے عرب معاشرے میں اس طرح سرایت کر چکی تھی کہ معزز طبقے کے اکثر لوگوں میں اس کا استعمال جمالیاتی ذوق کا آئینہ دار سمجھا جانے لگا۔ چنانچہ اس شیطانی تصور کو ذہنوں سے مٹانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرحلہ وار ذہنی تربیت کا آغاز کیا اور لوگوں پر یہ حقیقت آشکار کی کہ شراب حَسین نہیں بلکہ کریہہ ہے لہٰذا اسے جمالیاتی ذوق کا آئینہ دار سمجھنا محض ایک فریبِ نظر ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوند متعال ہوا:[۲]

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

(کھجور اور انگور کے پھلوں سے بھی جن سے تم نشہ آور عرق بھی بنا لیتے ہو اور بہترین رزق بھی ہیں یقیناً اس میں ایک نشانی ہے اُن لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔)

یعنی کھجور اور انگور کے پھلوں سے جو تم نشہ آور عرق بنا لیتے ہو، اُس سے بہتر رزق بھی موجود ہے اگر تم سمجھ سکو تو، اور اس بات میں عقل والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

اس آیت مبارکہ کے ذریعے اُن لوگوں پر جو اسے ایک جمیل اور لطیف شے سمجھتے تھے یہ واضح کر دیا

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۰۳

[۲] سورۃ النحل، آیت ۶۷

Presented by Ziaraat.Com

کہ نہ یہ حسین ہے اور نہ لطیف ہی ہے بلکہ ایک نشہ آور عرق ہے جو عقل ودانش کو گمراہی کے اندھیروں میں دھکیل دیتا ہے جبکہ لطیف وحسین اور بہترین رزق تو کچھ اور ہے جسے وہی جان سکتے ہیں جو عقل والے ہیں۔اس کی صراحت کے لئے قرآن حکیم نے اور واضح تراکیب واسالیب کے ذریعے یوں سمجھایا:[1]

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ

(اے میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے شراب اور جوئے کے متعلق دریافت کرتے ہیں، کہہ دیجئے کہ ان میں بڑا نقصان (یا گناہ) ہے اگرچہ ان میں لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں مگران کا نقصان (یا گناہ) ان کے فائدے سے بہت بڑا ہے)

یعنی اب یہ بتایا کہ اگرچہ شراب میں کچھ لوگوں کے لئے چند فوائد بھی ہیں لیکن سمجھ لو کہ یہ کام ہے نقصان اور گناہ کا، اب تمہاری مرضی کہ تھوڑے سے فائدے کے لئے بہت بڑے نقصان یا گناہ کا سودا کرو یا اس سے بچو۔بالفاظ دیگر ایک کوڑھ مغز اور بدذوق شخص ہی تھوڑے سے فائدے پر بہت بڑے نقصان کو ترجیح دے گا۔ایسا شخص اہلِ دانش میں شمار ہوسکتا ہے نہ اہلِ ذوق میں۔

تیسرے مرحلے پر مسلمانوں پر یہ پابندی لگادی کہ خبردار! تمہیں اس کی اجازت نہیں کہ کسی قسم کا نشہ کرو اور پھر نشہ کی حالت میں نماز کے قریب جاؤ، چنانچہ ارشادِ خالق ہوا:[2]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ

(اے ایمان والو۔نماز کے قریب مت جاؤ جب تم نشہ کی حالت میں ہو یہاں تک کہ (نشہ اُتر جائے اور) تمہیں معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو....؟)

یہ پابندی کوئی معمولی نہیں تھی۔اس سے ترکِ نماز کا ارتکاب ہوتا تھا جو کہ ایک گناہِ کبیرہ ہے۔

---

[1] سورۃ البقرہ، آیت ۲۱۹

[2] سورۃ النساء، آیت ۴۳

Presented by Ziaraat.Com

چوتھے اور آخری مرحلے پر شراب نوشی کو ایک شیطانی عمل قرار دے کر اس سے صریحاً منع فرما دیا، پس خداوند متعال نے بڑی وضاحت کے ساتھ فرما دیا:[1]

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ﴿٩١﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا ۚ فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٩٢﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوا وَّآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوا وَّآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوا وَّأَحْسَنُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿٩٣﴾

(شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب اور جوئے کے ذریعہ سے بغض و عداوت ڈالے۔ اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے باز رکھے (روکے)۔ کیا اب تم (ان چیزوں سے) باز آؤ گے؟ اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اور (نافرمانی سے) بچتے رہو اور اگر تم نے روگردانی کی تو پھر تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذمہ تو صرف واضح طور پر (ہمارا پیغام) پہنچا دینا ہے اور بس۔ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اُن پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ جو وہ (پہلے) کھا پی چکے ہوں۔ جبکہ (اب) پرہیز کریں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔ اور پھر اس ایمان و پرہیز پر قائم و ثابت قدم بھی رہیں اور پھر تمام برے کاموں سے پرہیز کرتے رہیں اور نیکیاں کرتے رہیں اور اللہ نیک عمل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے)

مندرجہ بالا احکاماتِ الٰہی سورۃ المائدہ کی متواتر تین آیات کے ہیں جن میں پروردگار نے تسلسل کے ساتھ فرمایا کہ:

ا۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب وغیرہ کے ذریعے بغض و عداوت ڈالے اور

[1] سورۃ المائدہ، آیت ۹۱ تا ۹۳

Presented by Ziaraat.Com

تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے باز رکھے۔

یعنی شراب نوشی کو ایک شیطانی فعل قرار دیتے ہوئے آگاہ کیا کہ یہ بغض وعداوت کا سبب بھی ہے اور اللہ کی یاد سے غافل کرنے کا ذریعہ بھی۔

۲۔ پھر فرمایا کہ کیا یہ جان لینے کے بعد تم ایسی بُری چیز سے باز آؤ گے؟ اور میں اور میرا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو تمہیں اس سے منع کرتے ہیں تو کیا تم ہماری اطاعت کرو گے اور ہماری نافرمانی سے بچتے رہو گے؟

۳۔ پھر تنبیہ کردی کہ اگر تم باز نہ آئے اور نافرمانی کی تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ تو صرف واضح طور پر ہمارا پیغام پہنچا دینا ہی ہے اور بس۔

یعنی اُن کا کام تھا کہ تمہیں اچھے بُرے کی تمیز کرادینا اب تمہاری مرضی کہ اس پر عمل کرکے صالح اور پرہیزگار بندوں میں شامل ہو جاؤ یا نافرمان اور گمراہ لوگوں میں۔

۴۔ ساتھ ہی یہ وضاحت بھی فرمادی کہ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اُن پر اُس میں کوئی گناہ نہیں ہے جو وہ (پہلے) کھا پی چکے ہوں جبکہ (اب) پرہیز کریں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اور پھر اس ایمان و پرہیز پر قائم وثابت قدم بھی رہیں اور پھر تمام برے کاموں سے پرہیز کرتے رہیں اور نیکیاں کرتے رہیں اور اللہ نیک عمل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

یعنی اہلِ ایمان اس حکم سے پہلے اگر شراب نوشی کرتے رہے ہیں تو اُس پر اُنہیں کوئی گناہ نہیں ہوگا، البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ آئندہ اس سے اجتناب کریں اور ثابت قدم رہیں کیونکہ اللہ اُنہی لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو پرہیزگار اور عملِ صالح کرنے والے ہوتے ہیں۔

اب اتنی وضاحت اور صراحت کے باوجود بھی کوئی یہ کہے کہ قرآن میں کہیں شراب کی ممانعت نہیں کی گئی تو ایسے لوگوں کی عقل پر ماتم کرنے کے سوا اور کیا کیا جاسکتا ہے؟

Presented by Ziaraat.Com

حضرت اُمّ سلمہؓ سے نکاح

(شوال ۴ ہجری/ مارچ ۶۲۶ء)

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شوال ۴ ہجری میں حضرت اُمّ سلمہؓ سے نکاح فرمایا۔[1]

غزوۂ بدر الموعد یا بدر الاُخریٰ

(ذیقعد ۴ ہجری/ اپریل ۶۲۶ء)

جنگِ اُحد کے اختتام پر سالارِ قریش ابوسفیان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو چیلنج دیا تھا کہ اگلے سال بدر کے میدان میں پھر مقابلہ ہوگا۔[2] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس کی دعوتِ مبارزت کو قبول کرلیا تھا چنانچہ اُسی للکار کے جواب میں یکم ذیقعدہ کو ہجرت کے ۴۵ ماہ بعد[3] اور بروایتے ماہِ شعبان میں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لشکرِ اسلام کے ساتھ بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لشکر کا علم حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کو دیا۔[4] ابوسفیان بھی غالباً اس خیال سے کہ جنگِ اُحد کی ہولناکیوں کے بعد مسلمانوں کو جنگ کی ہمت نہیں ہوگی اور وہ بدر میں نہیں آئیں گے لہٰذا اس طرح ہم بغیر لڑے ہی کامیاب وکامران ہوجائیں گے، اپنی فوج لے کر مکّہ سے نکلا۔ ظہران پہنچ کر اُسے اپنے مخبروں سے اطلاع ملی کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنا لشکر لے کر کوچ کر چکے ہیں اور جنگ کے لئے بالکل تیار ہیں تو اُس کی اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔ اُسے پیش قدمی کی جرأت نہ ہوئی اور وہیں سے واپس پلٹ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بدر میں ایک ہفتہ تک قیام فرمایا اور سولہ دن بعد مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔[5]

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ص ۵۴۲

[2] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اوّل ص ۱۸۸

[3] محمد بن عمر واقدی (متوفی ۸۲۲ء)، المغازی للواقدی ص ۳۴۸۔ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۸۱

[4] محمد بن عمر واقدی، المغازی للواقدی ص ۳۸۴۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۰۸

[5] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۸۲

Presented by Ziaraat.Com

وفات حضرت فاطمہؓ بنت اسد

(۴ یا ۵ ہجری/ سنہ ۶۲۶ء)

ہجرت کے چار یا پانچ سال بعد سنہ ۶۲۶ء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ماں بن کر پالنے والی عظیم ہستی حضرت فاطمہؓ بنت اسد بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو داغِ مفارقت دے گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کی وفات سے بہت صدمہ پہنچا۔ حضرت انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ جب حضرت فاطمہؓ بنت اسد کا انتقال ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے گھر تشریف لے گئے اور اُن کے سرہانے بیٹھ کر فرمایا، ''اے میری ماں! خدا آپ کو اپنی حفاظت میں رکھے، بہت دفعہ آپ نے مجھے کھلانے کے لیے خود بھوک برداشت کی، آپ نے ایسی اچھی چیزیں مجھے کھلائیں اور ایسا اچھا پہنایا جن سے آپ نے خود کو (میری خاطر) محروم رکھا، خدا یقیناً آپ کے ان اعمال سے خوش ہے کیونکہ آپ کی نیت اللہ کی رضا حاصل کرنا اور آخرت میں کامیاب ہونا تھی۔'' اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے (کفن کے) لیے اپنا کرتہ عنائت فرمایا اور اُن کی قبر میں خود اُتر کر اُسے ملاحظہ کیا اور اُن کا جسم اقدس اُس میں اتارا۔ کثیر اربابِ سیر نے اس روایت کو نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے کفن کے لیے اپنا کرتہ مبارک عطا فرمایا اور جب اُنہیں لحد میں اُتارا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی لحد میں اُن کے ساتھ لیٹ گئے تھے۔[1] آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے حق میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرے چچا ابوطالب کے بعد میرے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا اُن سے بڑھ کر اور کوئی نہ تھا۔

---

[1] علی بن محمد اثیر الجزری (متوفی ۶۳۸ھ)، اسد الغابۃ ج۵ ص ۵۱۷
طبرانی، المعجم الکبیر ۲۴: ۳۵۱۔ طبرانی المعجم الاوسط ۱: ۶۷۔ ابن عبد البر، الاستیعاب ۴: ۱۸۹۱۔ ابونعیم، حلیۃ الاولیاء ۳: ۱۲۱۔ ابن جوزی، العلل المتناھیۃ ۱: ۲۶۹۔ ابن جوزی، صفوۃ الصفوۃ ۲: ۵۴۔ عسقلانی، الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ۸: ۶۰۔ ھیثمی، مجمع الزوائد ۹: ۲۵۶

Presented by Ziaraat.Com

سنہ ۵ ہجری

غزوۂ دومۃ الجندل

(۲۵ ربیع الاوّل ۵ ہجری/ ۲۴ اگست ۶۲۶ء)

دومۃ الجندل ایک پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ سے کوفہ کی طرف دس منزل پر واقع ہے۔ اربابِ سیر کہتے ہیں کہ دومۃ الجندل ایک قلعہ کا نام ہے جس کی بنیاد پتھر پر رکھی گئی تھی۔ مواہب میں کہا گیا ہے کہ اسکے اور دمشق کے درمیان پانچ روز کی مسافت ہے اور یہ مدینہ منورہ سے پندرہ سولہ روز کی مسافت ہے۔ یہ نام دومی بن اسماعیل کے نام پر ہے جس نے وہاں قیام کیا تھا۔ قاموس میں کہا گیا ہے اسے دوماجندال بھی کہتے ہیں۔[۱] یہ غزوہ وہاں پر واقع ہوا اس لئے اسے غزوۂ دومۃ الجندل کہا جاتا ہے۔

اسلام سے پہلے عرب کے کئی قبیلوں کا پیشہ رہزنی اور ڈکیتی تھا۔ اسلامی مملکت کے قیام کے بعد اُن کو مسلمانوں کی طرف سے شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا کیونکہ جب کبھی مدینہ کے گرد و نوح میں وہ ایسی کسی کاروائی کی کوشش کرتے تو مسلمان دستے اُن کی سرکوبی کو پہنچ جاتے۔ کفار، دِین اسلام کو اپنے آبائی مذہب کے لئے خطرہ سمجھتے ہوئے پہلے ہی اس کے بہت بڑے دشمن تھے اب جو اُن کی اسطرح کی پیشہ ورانہ سرگرمیوں میں رکاوٹ پیدا ہونے لگی تو وہ اس کا سدباب کرنے کے لئے فکرمند ہونے لگے۔ چنانچہ اُنہوں نے سوچا کہ اسلامی حکومت کے مرکز پر حملہ کر کے اُسے تباہ و برباد کر دیا جائے اور پھر مدینہ اور اسکے نواح میں خوب لوٹ مار اور غارت گری کی جائے۔

ربیع الاوّل ۵ ہجری/ ۲۴ اگست ۶۲۶ء کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خبر ملی کہ مشرکین کی ایک بڑی تعداد مدینہ کو تاراج کرنے اور اردگرد کے علاقوں اور قافلوں کو لوٹنے کے لئے دومۃ الجندل میں جمع ہو

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۳۷

Presented by Ziaraat.Com

رہی ہے۔ مدارج النبوت میں ہے کہ وہاں کا حاکم اکیدار نصرانی تھا جو ایک بہت بڑا لشکر لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ کے لئے آیا تھا۔[1]

بروایتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سباع بن عرفطہ غفاری کو مدینہ کا عامل مقرر کیا اور ایک ہزار مجاہدین کا دستہ لے کر اُن کی سرکوبی کے لئے فوراً دومۃ الجندل کی جانب کوچ کیا۔[2]

مشرکین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو گھبرا کر فرار ہو گئے اس طرح اس فتنے کو سر اُٹھاتے ہی دبا دیا گیا۔

غزوۂ مریسیع یا غزوۂ بنی المصطلق

(شعبان ۵ ہجری/ ۲۸ دسمبر ۶۲۶ء)

تاریخ ابن خلدون میں ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شعبان ۶ ہجری تک مدینہ میں قیام فرمایا اس کے بعد غزوہ بنی مصطلق وقوع میں آیا۔[3] ابن العماد حنبلی نے بھی اس غزوہ کا ذِکر ۶ ہجری کے واقعات میں کیا ہے۔[4] مدارج النبوت میں ہے کہ یہ غزوہ دوشعبان ۵ ہجری میں ہوا۔[5]

مریسیع مدینہ سے باہر ایک مقام کا نام ہے جہاں یہ غزوہ ہُوا اس وجہ سے اسے غزوۂ مریسیع کہا جاتا ہے اور قبیلہ بنوالمصطلق کی وجہ سے غزوۂ بنی المصطلق کہلاتا ہے۔روایت ہے کہ قبیلہ خزاعہ کے بنوالمصطلق کا ایک سردار حارث بن ابی ضرار ایک لشکر لے کر حملہ کے لئے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا تو حضرت نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مریسیع کے ایک کنویں پر اُس کا مقابلہ کیا۔[6]

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۳۷

[2] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۵۴۶

[3] ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)، تاریخ ابن خلدون مطبوعہ ۱۹۶۵، ج ۲ ص ۷۸۱

[4] شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۱

[5] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۱۱

[6] سید محسن امین عاملی (متوفی ۱۹۵۳ء)، اعیان الشیعہ، ج ۲ ص ۲۱۹

Presented by Ziaraat.Com

حارث بن ابی ضرار کے ساتھ اُس کے قبیلے والوں کے علاوہ آس پاس کے کئی دشمنانِ اسلام بھی تھے۔ خدا کی قدرت سے اُن پر لشکرِ اسلام کی ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ خزاعہ والوں کا ساتھ دینے والے اردگرد کے تمام لوگ اُس کا ساتھ چھوڑ کر فرار ہو گئے اور حارث اپنے قبیلے کے ساتھ میدان میں تنہا رہ گیا۔ اسلامی لشکر نے اُن پر یکبارگی حملہ کر دیا جس کے نتیجے میں اُن کے دس آدمی مارے گئے اور باقی سب قیدی بنا لئے گئے۔ [1]

حضرت جوریہؓ سے نکاح

حضرت جویریہؓ قبیلہ بنو المصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی تھیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح فرمایا اور تالیف قلوب کی خاطر اُن کے تمام جنگی قیدیوں کو رہا کر دیا۔

حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح

یوں تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ہر پہلو اہلِ فکر و نظر کے لئے بہترین نمونہ ہے لیکن آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازدواجی زندگی معاشرتی حیات کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے والوں کے لئے نہایت بصیرت افروز ہے۔ رشتہء ازدواج صرف میاں بیوی کے درمیان ایک تعلق ہی کا نام نہیں بلکہ دو خاندانوں، دو معاشروں اور بسا اوقات دو قوموں کے درمیان گہرے اور مضبوط روابط اور مراسم کا ذریعہ بھی ہوتا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایک قبیلے یا قوم کے راہبر نہیں تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ساری انسانیت کے قائد اور راہنما تھے۔ یہی وجہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر قول و فعل ظلمتِ حیات میں شمعِ فروزاں کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازدواجی زندگی بھی صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات تک محدود نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنوں بیگانوں کی تالیفِ قلوب کی خاطر اور کبھی دینی یا معاشرتی مصلحتوں کی بنا پر بحکمِ الٰہی نکاح کی ذمہ داریوں کو قبول فرمایا۔ چنانچہ

---

[1] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۸۲

Presented by Ziaraat.Com

حضرت زینب بنت جحش سے نکاح کے معاملے میں محققین کا کہنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امتثالِ امر الٰہی میں عربوں کے اس غلط اور غیر فطری عقیدے کا بطلان کرنا تھا کہ متبنیٰ (لے پالک بیٹا) حقیقی بیٹے کی طرح ہوتا ہے اور اُسکی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح ناجائز ہے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:[1]

وَمَا جَعَلَ اَدۡعِيَآءَكُمۡ اَبۡنَآءَكُمۡ ؕ ذٰلِكُمۡ قَوۡلُكُمۡ بِاَفۡوَاهِكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوۡلُ الۡحَقَّ وَهُوَ يَهۡدِى السَّبِيۡلَ ﴿۴﴾

(اور نہ ہی اُس (اللہ) نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا (حقیقی) بیٹا بنایا ہے اور وہی (سیدھے) راستے کی ہدایت کرتا ہے۔)

اور پھر اس کی مزید وضاحت یوں فرمادی:[2]

وَاِذۡ تَقُوۡلُ لِلَّذِىۡۤ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَاَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِ اَمۡسِكۡ عَلَيۡكَ زَوۡجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخۡفِىۡ فِىۡ نَفۡسِكَ مَا اللّٰهُ مُبۡدِيۡهِ وَتَخۡشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشٰٮهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَيۡدٌ مِّنۡهَا وَطَرًا زَوَّجۡنٰكَهَا لِكَىۡ لَا يَكُوۡنَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ حَرَجٌ فِىۡۤ اَزۡوَاجِ اَدۡعِيَآئِهِمۡ اِذَا قَضَوۡا مِنۡهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمۡرُ اللّٰهِ مَفۡعُوۡلًا ﴿۳۷﴾

(اے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! وہ وقت یاد کریں) جب آپ اُس شخص (زید بنت حارث رضی اللہ عنہ) سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے اور آپ نے احسان کیا تھا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے (اُسے نہ چھوڑ) اور اللہ سے ڈر۔ اور آپ (اُس وقت) وہ بات اپنے دل میں چھپا رہے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں (کی طعن وتشنیع) سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ آپ اُس سے ڈریں (بہرحال) جب زید نے اُس عورت (زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا) سے اپنی حاجت پوری کرلی (اُسے طلاق دے دی) تو ہم نے اُس خاتون کی شادی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

---

[1] سورۃ الاحزاب، آیت ۴

[2] سورۃ الاحزاب، آیت ۳۷

Presented by Ziaraat.Com

سے کر دی تا کہ اہلِ ایمان پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے (نکاح کرنے) کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہ جائے جب وہ اُن سے (اپنی) حاجت پوری کر چکے ہوں (یعنی اُنہیں طلاق دے کر فارغ کر چکے ہوں) اور اللہ کا حکم تو بہر حال ہو کر رہتا ہے۔)

حضرت زینب بنت حجش ؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی زاد تھیں اس لحاظ سے اُن کا تعلق قریش کے بہت معزز گھرانے سے تھا۔ زمانہ قدیم کے نامعقول لسانی، قومی اور رنگ ونسل جیسے امتیازات کو ختم کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کا نکاح اپنے ایک آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارث ؓ سے کر دیا۔ زید بن حارث ؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا منہ بولا بیٹا رکھا تھا۔ اسلامی نقطہ نظر سے انسانی مساوات کی یہ ایک شاندار مثال تھی۔ لیکن زوجین میں تفاوتِ مزاج اور تضادِ ذوق کی وجہ سے نباہ نہ ہو سکا اور باوجود رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کئی کوششوں کے فریقین میں مصالحت نہ ہو سکی اور بیچ کے فاصلے اتنے بڑھ گئے کہ بات طلاق تک جا پہنچی۔

اُس زمانے میں عرب میں منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کا درجہ دیا جاتا تھا اور اس وجہ سے اُس کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح جائز نہیں سمجھا جاتا تھا۔ خداوند متعال نے لوگوں کے اس غیر فطری اور خود ساختہ عقیدے کے استیصال کے لئے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے مُتبنّیٰ حضرت زید ؓ کی مطلقہ بیوی حضرت زینب بنت حجش ؓ سے نکاح کرنے کا حکم صادر فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقریباً اٹھاون برس کی عمر میں شوال ۵ ہجری میں اُن سے نکاح فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ○

Presented by Ziaraat.Com

غزوۂ احزاب یا جنگِ خندق

(ذیقعد یا شوال ۵ ہجری)

غزوۂ خندق ۲۸ ذیقعد ۵ ہجری میں[1] اور بروایتے شوال ۵ ہجری میں ہوا۔[2] خواجہ محمد لطیف انصاری نے ذیقعد ۵ ہجری کے ساتھ عیسوی تاریخ مارچ اپریل ۶۲۷ء لکھی ہے۔[3]

روضۃ الاحباب میں بھی یہ غزوہ ۵ ہجری میں بیان کیا گیا ہے لیکن یہ بھی مشہور ہے کہ یہ چوتھے سال میں ہوا۔[4]

اس غزوہ میں مدینہ کے اردگرد خندق کھودی گئی تھی اس وجہ سے اسے غزوۂ خندق کہا جاتا ہے۔ اس کو غزوۂ احزاب کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ کیونکہ احزاب کے معنی ''گروہ'' کے ہیں اور اس جنگ میں قریش، یہود اور دیگر قبائل متحد ہو کر یعنی گروہ کی صورت میں مسلمانوں کے خلاف نکلے تھے۔

اس غزوہ سے پہلے غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں قریش نے اپنی ساری طاقت جھونک دی تھی لیکن مسلمانوں کو زیر کرنے کی بجائے نہ صرف شکستِ فاش سے دوچار ہوئے بلکہ اپنے تقریباً تمام سرداروں کو بھی مروا بیٹھے تھے۔ کچھ ایسا ہی حال یہودیوں کا بھی تھا۔ اُنہوں نے جب بھی بغاوت کیلئے سر اُٹھایا منہ کی کھائی، کبھی تحریری معاہدے کر کے جان بچائی اور کبھی ملک بدر ہو کر۔ پس قریش اور یہود، دونوں نے اپنی اپنی جگہ یہ جان لیا تھا کہ ہم اکیلے مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے لہٰذا ہمیں متحد ہو کر اور اسلام مخالف تمام اندرونی و بیرونی قوتوں کو یکجا کر کے مسلمانوں سے فیصلہ کُن جنگ کرنا ہو گی۔

---

[1] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۸۴۔ عبدالباری ایم اے، دعوت دہلی سیرۃ طیبہ نمبر ربیع الاوّل ۱۳۷۹ھ

[2] سید محسن امین عاملی (متوفی ۱۹۵۳ء)، اعیان الشیعہ، ج ۲ ص ۲۲۲

[3] خواجہ محمد لطیف انصاری، اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ ج ۱ ص ۱۰۹

[4] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۱۹ بحوالہ روضۃ الاحباب

Presented by Ziaraat.Com

اسلام مخالف بیرونی قوتیں وہ تھیں جو کھلم کھلا اسلام کی دشمن تھیں یعنی مشرکینِ مکّہ اور وہ غیر مسلم جو مسلمانوں کے ساتھ کسی معاہدے میں شریک نہیں تھے اور اندرونی قوتیں وہ تھیں جو تحریری معاہدوں کی وجہ سے بظاہر مسلمانوں کی حلیف تھیں لیکن در پردہ دشمن تھیں، اُن میں یہود اور دیگر ایسے لوگ شامل تھے جو بظاہر غیر جانبدار رہتے تھے یا اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے لیکن حقیقت میں منافق تھے۔

چنانچہ اس منصوبے پر عمل پیرا ہونے کیلئے ایک طرف تو سرداران یہود حیّٔ بن اخطب، سلام بن ابی حقیق، سلام بن مشکم اور کنانہ بن ربیع وغیرہ مکّہ جا پہنچے اور مشرکینِ مکّہ کے ساتھ مل کر مدینہ پر اجتماعی چڑھائی کا منصوبہ بنایا تو دوسری طرف مشرکین کا سردار ابوسفیان تھا جو بہت خوش اور پر جوش تھا۔[1]

علامہ طبرسی کے بقول یہودی بنو کنانہ اور بنو غطفان کے پاس بھی گئے اور کہا کہ مسلمانوں کے خلاف قریش بھی ہمارے ساتھ ہیں لہٰذا تم بھی ہمارا ساتھ دو، اور وہ اس پر تیار ہو گئے۔[2]

دشمنانِ اسلام کی پیش قدمی

جب اسلام دشمن تمام عناصر متحد ہو گئے تو مکّہ سے قریش کا لشکر لیکر ابوسفیان نکلا، قبیلہ غطفان کی قیادت عنیہ بن حصین بن فزارہ نے کی، بنی مرہ کو لے کر حارث بن عوف اور قبیلہ اشجع کے ساتھ دبرۃ بن طریف نے پیش قدمی کی۔ یہود کا کوئی لشکر اُن کے ساتھ نہیں تھا کیونکہ اُن کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ مدینہ کے اندر سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوں گے اور اس طرح مسلمان چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پس کر رہ جائیں گے۔[3]

---

[1] ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)، تاریخ ابن خلدون، ج ۲ ص ۷۴۷۔ علامہ طبرسی، اعلام الوریٰ

[2] علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوریٰ

[3] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۸۵

لشکرِ کفار کی تعداد

لشکر قریش میں ایک ہزار (۱۰۰۰) اُونٹ اور تین سو (۳۰۰) گھوڑے تھے۔ قبائل عرب اسلم، اشجع، ابومرہ، کنانہ، فرازہ اور غطفان بھی بڑی تعداد میں آکر شامل ہوئے تھے۔ اس طرح اُن سب کی مجموعی تعداد دس ہزار (۱۰۰۰۰) ہوگئی تھی۔ [۱]

لشکرِ اسلام کی تعداد

لشکر اسلام کی مجموعی تعداد تین ہزار (۳۰۰۰) تھی جن میں صرف چھتیس (۳۶) گھوڑے تھے۔

خندق

اُدھر مشرکین نے مدینہ کی طرف کوچ کیا اِدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر ہوگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ کی حکمت عملی تیار کرنا شروع کی۔ واقدی نے لکھا ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ دشمن کا رستہ روکنے کے لئے مدینہ کے گرد خندق کھودی جائے۔ [۲] مشہور مؤرخ کے اے حمید بھی لکھتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایران میں ایسے موقعوں پر شہر کے گرد خندق کھودی جاتی ہے تاکہ دشمن اُسے عبور کر کے شہر میں داخل نہ ہوسکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ تجویز پسند آئی چنانچہ مدینہ کے اردگرد ایک گہری خندق تیار کی گئی۔ [۳] خندق کی کھدائی ماہِ صیام کے آخری ایام میں شروع ہوئی اور پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس دس آدمیوں کے ذمہ چالیس چالیس گز زمین کھودنے کے لئے لگائی (یعنی چار گز فی کس)۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ عمر رسیدہ ہونے کے باوجود نہایت پرعزم اور قوت ایمانی سے مالا مال

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۱۹

[۲] ابوعبداللہ محمد بن عمر واقدی (متوفی ۸۲۲ء)، المغازی للواقدی ص ۴۴۵

[۳] مسٹر کے اے حمید، تاریخ مسلمانان عالم، ج ص ۷۹

Presented by Ziaraat.Com

تھے اور اکیلے دس آدمیوں کے برابر کام کرتے تھے۔ اُن کی یہ ہمت و جانفشانی اور جذبۂ ایمانی دیکھ کر مہاجرین و انصار کے درمیان ایک دلچسپ بحث شروع ہوگئی، ہر جماعت یہ چاہتی تھی کہ سلمان اُس میں شامل ہوجائیں۔ مہاجرین و انصار کا یہ محبت بھرا مباحثہ سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''سَلْمَانُ مِنَّا اَھْلَ الْبَیْتِ'' یعنی سلمان میری اہل بیت میں سے ہیں۔ [۱]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود بھی مسلمانوں کے ساتھ خندق کھودنے میں مصروف رہتے حالانکہ بھوک کی وجہ سے شکمِ اقدس پر پتھر بندھا ہوا ہوتا تھا۔ [۲]

رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شکمِ اطہر پر بھوک کی وجہ سے پتھر بندھے ہونے کا سبب مؤرخین نے یہ لکھا ہے کہ اس واقعے سے مہینوں پہلے مدینہ میں قحط آیا تھا۔ خرمے کی پوری فصل تباہ ہوگئی تھی اور خوراک کی کمی تھی۔ کفار کے حملے کی وجہ سے بیرونی رسد کا سلسلہ بھی منقطع ہوگیا تھا۔ پس مسلمانوں پر فقر وفاقہ کی کیفیت طاری تھی۔ اس پر تندوتیز ہوائیں چلتی تھیں اور ابرو باراں بھی تھا، دن بہ دن پتھریلی زمین کا کھودنا بڑے بڑے دلیروں کے کلیجے ہلا دیتا تھا۔ [۳]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم خندق کھودنے میں مصروف تھے کہ اچانک ایک بہت بڑا اور سخت پتھر نکل آیا جس پر کدال کا وار کوئی اثر نہیں کرتا تھا۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! ایک پتھریلی چٹان خندق کی کھدائی میں حائل ہوگئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ سُن کر کھڑے ہوگئے حالانکہ بھوک کیوجہ سے شکم اطہر پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس چٹان پر ضرب ماری تو وہ ریت کی مانند ریزہ ریزہ ہوگئی۔ [۴]

---

[۱] مسٹر کے اے حمید، تاریخ مسلمانانِ عالم ج ا ص ۷۹

[۲] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۲۸

[۳] خواجہ محمد لطیف انصاری، اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ، ج ا ص ۱۱۱

[۴] صحیح بخاری حدیث ۴۱۰۴، مسند احمد نسائی حدیث ۳۱۷۸

Presented by Ziaraat.Com

جب تک خندق کی کھدائی جاری رہی، رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفسِ نفیس اُس میں شامل رہے۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ روزِ احزاب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خندق کو کھودا اور لوگوں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خندق کی مٹی کو اُٹھا رہے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بطن اقدس کی تابانی کو اُس مٹی نے ڈھانپ لیا تھا۔ (۱)

اربابِ سیر کہتے ہیں کہ خندق کی کھدائی کا کام بیس روز تک جاری رہا۔ واقدی نے چوبیس روز اور نووی نے پندرہ دن بیان کئے ہیں۔ بعض روایتوں میں ایک پورا مہینہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ چھ دن میں کام مکمل ہوگیا تھا۔ (۲)

خندق کی حدود

مدینہ منورہ، مکّہ سے آنے والے راستے کو چھوڑ کر باقی تمام اطراف سے پہاڑوں اور دشوار گذار راستوں میں گھرا ہوا تھا۔ قریش کی فوج کو مکّہ کی طرف سے ہی آنا تھا چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے اُسی طرف خندق کھودی گئی۔ واقدی کے مطابق خندق کی حدود ہذاد سے ذیاب تک اور پھر راتج تک تھیں۔ بذاد بنوسلمہ کی ایک شاخ کا مملوکہ ٹیلا تھا جو مسجد فتح کے مغرب میں تھا، راتج وہ پہاڑی تھی جو کوہ بنی عبید کے پہلو میں بطحان کے مغرب میں واقع تھی۔ (۳)

لشکرِ کفار کی آمد

اِدھر خندق کی کھدائی مکمل ہوئی اُدھر کفار کی فوجیں مدینہ کے قریب پہنچیں اور راہ میں حائل خندق کو دیکھ کر ششدر رہ گئیں۔ عربوں نے اس سے پہلے خندق نہیں دیکھی تھی، وہ پریشانی کے عالم میں خندق پار کرنے کا کوئی طریقہ ڈھونڈتے رہے پھر ناکام ہوکر وہیں خندق کے پاس صف آرا

---

(۱) صحیح بخاری، حدیث ۲۸۳۷۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۲۱

(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۲۲ بحوالہ روضۃ الاحباب

(۳) مسٹر کے اے حمید، تاریخ مسلمانان عالم، ج ۱ ص ۷۹

Presented by Ziaraat.Com

ہو گئے۔ اب خندق کے ایک طرف مدینہ کی جانب مسلمان مورچہ بند تھے جبکہ دوسری طرف کفار کا اتحادی لشکر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مورچہ بندی بیس دن سے زیادہ جاری رہی اور اس دوران تیراندازی اور سنگ باری ہوتی رہی جبکہ باقاعدہ جنگ کی نوبت نہ آئی۔ [۱]

بنو قریظہ کی بغاوت

مؤرخین لکھتے ہیں کہ غزوۂ خندق کا ایک اہم محرک یہودی قبیلہ بنو نُضیر تھا جسے مسلمانوں کے ہاتھوں ملک بدر ہونا پڑا تھا۔ اُنہی کی کوششوں اور ریشہ دوانیوں کی وجہ سے مشرکین مکّہ اور یہود میں یہ اتحاد قائم ہوا تھا۔ مسلمان اس گٹھ جوڑ سے آگاہ تھے اور اس کا سامنے کرنے کے لئے پوری طرح تیار بھی تھے لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ ایک خطرناک سانپ اُن کی آستین میں بھی چھپا بیٹھا ہے۔

ایک یہودی قبیلہ بنو قریظہ جو مدینہ کے اندر آباد تھا اور بظاہر اپنے دوستی کے معاہدے پر قائم تھا، در پردہ اپنے ہم مذہب قبیلوں کے ساتھ مل چکا تھا۔ اس قبیلے میں ساڑھے سات سو (۷۵۰) جنگجو موجود تھے۔ منصوبہ یہ تھا کہ جب اتحادی فوجیں مدینہ پہنچ کر سامنے سے حملہ آور ہوں گی تو یہ اندر سے حملہ کر دیں گے۔ لہٰذا ابوسفیان نے مدینہ کے قریب پہنچ کر بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب کو یاد دلایا اور کہا کہ مدینہ کے اندر جا کر بنو قریظہ کو منصوبے کے مطابق تیار کرو اور اُن سے کہو کہ وہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ کیا گیا معاہدہ (میثاقِ مدینہ) توڑنے کا اعلان کریں۔ [۲]

حیی بن اخطب خفیہ طور پر بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا اور اُسے عہد شکنی پر تیار کر لیا۔ کعب بن اسد نے عہد نامے کی تحریر لا کر حیی بن اخطب کو دے دی جسے اُس نے اپنے ہاتھوں سے چاک کر کے بنو قریظہ میں اعلانِ بغاوت کر دیا۔ [۳]

---

[۱] علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوریٰ

[۲] ابوعبداللہ محمد بن عمر واقدی (متوفی ۸۲۲ء)، المغازی للواقدی، ص ۴۵۴

[۳] ابوعبداللہ محمد بن عمر واقدی (متوفی ۸۲۲ء)، المغازی للواقدی، ص ۴۵۶

Presented by Ziaraat.Com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس وقت مجاہدین اسلام کے ساتھ خندق میں تھے کہ حضرت عمر بن خطابؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیمہ میں آئے اور کہا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! مجھے اطلاع ملی ہے کہ بنی قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے اور برسرِ جنگ ہو گئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ اطلاع بہت شاق گزری۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو اس خبر کی تصدیق کے لئے بھیجنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے اصرار کیا کہ زبیر کو بھیجئے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبیر کو بھیج دیا۔ زبیر نے آکر بتایا کہ بنو قریظہ لڑائی کے لئے تیار ہیں اور اپنے قلعے کی حفاظت کا سامان کر رہے ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد بن معاذ انصاریؓ، سعد بن عبادہؓ اور اسید بن حضیرؓ جیسی ممتاز شخصیات کو بنو قریظہ سے مذاکرات کے لئے روانہ فرمایا۔ ان حضرات کا شمار مدینہ کے قدیم اور معزز افراد میں ہوتا تھا اور یہ روسائے یہود کے ساتھ برابری کے تعلقات بھی رکھتے تھے۔ خصوصاً حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے تو اُن کے ساتھ بہت قریبی روابط تھے۔

جب مسلمان معززین کا یہ وفد بنو قریظہ کے ہاں پہنچا تو خلافِ توقع اُنہوں نے ان کا استقبال بہت توہین آمیز طریقے سے کیا۔ اِنہوں نے بات چیت شروع کرنا چاہی تو یہودی فحش گالیوں اور بیہودہ کلمات پر اُتر آئے۔ یہ لوگ ناکام و دلبرداشتہ واپس آگئے اور رمزیہ انداز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واقعہ سے آگاہ کیا۔ اگرچہ اُنہوں نے تمام صورتِ حال نہایت رازداری سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوش گذار کی تھی لیکن ایسی خبریں کہاں چھپی رہ سکتی ہیں؟ اگلے دن تک یہ بات تمام مسلمانوں کے بیچ گردش کر رہی تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کئی کمزور دل اور ناپختہ ایمان رکھنے والے مسلمان خوف و دہشت میں مبتلا ہو کر بوکھلا گئے، اُن کی آنکھیں پھر گئیں، کلیجے منہ کو آنے لگے، حتیٰ کہ وہ اللہ عزوجل کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ یہ موقع سخت آزمائش اور تکلیف کا تھا۔ پس ارشادِ پروردگارِ عالم ہوا:[1]

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ

---

[1] سورۃ الاحزاب، آیت ۱۰ تا ۱۱

Presented by Ziaraat.Com

الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۝۱۰ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا۝۱۱

(جب وہ تم پر اُوپر اور نیچے سے چڑھ آئے اور (خوف سے تمہاری) آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اُس وقت ایمان والوں کو خوب آزمایا گیا اور اُنہیں خوب جھنجھوڑا گیا)

واقدی لکھتے ہیں، ''فکان ابو بکر الصدیق یقول لقد خفنا علی الذراری بالمدینة من بنی قریظه اشد من خوفنا من قریش وغطفان ولقد کنت وفی علیٰ سلع فانظر الی بیوت المدینة فاذا رایتهم هادئین حمدت الله عزوجل''[1]

(حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ ہمیں اب سامنے والے دشمن قریش وغطفان وغیرہ سے زیادہ بنو قریظہ کا خوف لاحق ہو گیا تھا کہ ہمارے اہل وعیال جو مدینہ میں تھے اُن کے رحم وکرم پر تھے اس لئے میں سلع پہاڑی پر چڑھ کر مدینہ کے مکانوں پر نظر ڈالتا اور جب وہاں سکون پاتا تو خدا کا شکر ادا کرتا)

کئی مسلمان خوفزدہ ہو کر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یہ وقت یہاں رُکنے کا نہیں لہٰذا واپس چلو۔ بنو حارثہ بن الحارث کے اوس بن قیظی نے اپنی قوم کی طرف سے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم سے کہا کہ ہمارے گھر دشمن کی زد میں ہیں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم ہمیں اجازت دیں کہ ہم اپنے گھروں کو چلے جائیں۔[2] قرآن حکیم میں اس کا ذِکر یوں آیا ہے:[3]

وَإِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يَآأَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ إِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۛ إِنْ يُّرِيْدُوْنَ إِلَّا فِرَارًا۝۱۳

(اور وہ وقت یاد کرو جب اُن میں سے ایک گروہ کہنے لگا کہ اے یثرب والو! اب (یہاں)

---

[1] ابوعبداللہ محمد بن عمر واقدی (متوفی ۸۲۲ء)، المغازی للواقدی ص ۴۶۰

[2] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اوّل ص ۱۸۸

[3] سورۃ الاحزاب، آیت ۱۳

Presented by Ziaraat.Com

تمہارے ٹھہرنے کا موقع نہیں ہے سو واپس چلو اور اُن میں سے ایک گروہ یہ کہہ کر پیغمبرِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اجازت مانگ رہا تھا کہ ہمارے گھر خالی (غیر محفوظ) ہیں حالانکہ وہ خالی (غیر محفوظ) نہیں تھے وہ تو صرف (محاذ سے) بھاگنا چاہتے تھے)

بقولے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواباً یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی، ''وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا'' [1] (اور اپنے پروردگار پر توکل کرو بے شک اللہ تعالیٰ کارسازی کیلئے کافی ہے)۔

مدارج النبوت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ'' [2] (ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہ بڑا اچھا کارساز ہے)

بنوقریظہ کی بغاوت کا سدباب

بنوقریظہ کے ساتھ مذاکرات ناکام ہو چکے تھے، تلوار کی زبان میں بھی بات نہیں کی جاسکتی تھی کیونکہ وہ تو چاہتے ہی یہی تھے کہ مسلمانوں کو چکی کے دونوں پاٹوں میں لا کر پیس دیا جائے، لہٰذا آگے کنواں پیچھے کھائی والی اُس صورت حال میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دانش اور تدبر پر دل بے اختیار سبحان اللہ پکار اُٹھتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلامی لشکر کو خندق پر چھوڑ کر خود تو کہیں جا نہیں سکتے تھے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمہ بن اسلم اشہلیؓ کو دوسو آدمیوں کے ساتھ اور حضرت زید بن حارثہؓ کو تین سو آدمیوں کے ساتھ مقرر کیا کہ دو جانب سے مدینہ کے اندر صدائے تکبیر بلند کرتے ہوئے جایا کرو تا کہ گھروں میں موجود مسلمانوں کی ڈھارس بندھی رہے اور وہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے رہیں اور دشمن بھی یہ جان لے کہ ہم غافل نہیں اور نہ کمزور ہی ہیں۔ یہ ایک ایسی تدبیر تھی جس نے مسلمانوں کو بھی حوصلہ دیا اور بنوقریظہ کی ہمت بھی پست کردی اور اُنہیں اندر سے حملہ آور ہونے کی جرأت نہ ہوسکی۔ [3]

---

[1] سورۃ الاحزاب، آیت ۳

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۲۲

[3] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۹۳۔ ابوعبداللہ محمد بن عمر واقدی، المغازی للواقدی ص ۴۶۰

Presented by Ziaraat.Com

مقابلہ

مدینہ کے اندر سے اُٹھنے والی بنوقریظہ کی شورش کو تو اندر ہی اندر دبا لیا گیا تھا لیکن مشرکین کی فوجیں ہنوز خندق کے دوسری طرف موجود تھیں۔ اُن کے جنگجو اس کوشش میں تھے کہ کسی طرح خندق پار کر کے مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں مگر اس میں اُنہیں کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ چنانچہ وہ اپنا غم و غصہ تیر اندازی اور سنگ باری کر کے نکال رہے تھے اور جواباً مسلمان بھی اسی طریقہ پر عمل پیرا تھے۔ پھر اُن کے کچھ سورما کسی نہ کسی طرح خندق پار کر کے مسلمانوں کے سر پر آ پہنچے جو انفرادی مقابلوں میں جناب علی علیہ السلام کے ہاتھوں فی النار ہو گئے۔ مشرکین کو بالآخر پسپا ہونا پڑا اور یوں معرکہ خندق کفار کی شکست و ہزیمت اور مسلمانوں کی فتح و نصرت کا باب تاریخ میں رقم کر گیا۔

مشہور مؤرخ مسٹر کے۔ اے۔ حمید (بی۔ اے، لندن، بیرسٹر ایٹ لاء لاہور) لکھتے ہیں، ''بیس دن تک دشمنوں نے مدینہ کا محاصرہ رکھا لیکن باوجود انتہائی کوشش کے وہ شہر میں داخل نہ ہو سکے۔ فرداً فرداً لڑائیاں ہوتی رہیں جن میں کبھی کفار کامیاب ہوتے کبھی مسلمان۔ حضرت علی علیہ السلام نے مردانگی کے وہ جوہر دکھائے کہ قریش دنگ رہ گئے۔''[۱]

شاہ عبدالحق محدث دہلوی صاحب رقمطراز ہیں، ''حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام نے اس غزوے میں ایسا مقابلہ و مقاتلہ کیا جو عقل و فہم کی حدود سے ماوراء ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا:

لَمُبَارَزَۃُ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ یَوْمَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ اَعْمَالِ اُمَّتِیْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ○ (حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کا یوم خندق مقابلہ کرنا قیامت تک کی میری اُمت کے اعمال سے افضل ہے)۔ ایسا ہی روضۃ الاحباب میں بھی مذکور ہے۔''[۲]

---

[۱] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۹۳ بحوالہ مسٹر کے اے حمید، تاریخ مسلمانان عالم

[۲] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۳۳، ۲۳۴ بحوالہ روضۃ الاحباب

Presented by Ziaraat.Com

تاریخ طبری میں ہے، ''حضرت پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیام فرمایا اور مشرکین بھی قیام پذیر رہے۔ بیس شب و روز سے زیادہ تقریباً ایک مہینہ اور اُن لوگوں کے درمیان کوئی جنگ نہیں ہو رہی ہے سوا تیروں اور پتھروں کے پھینکنے کے۔'' اور پھر لکھا ہے، ''رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیام فرمایا اور دشمن اب سب کو اپنے گھیرے میں لیے رہے بس اس کے سوا اُن کے درمیان کوئی جنگ نہ تھی۔[1]

ابن الوردی لکھتے ہیں، ''مشرکین نے بیس شب و روز سے زیادہ قیام کیا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے مقابلے پر جمے رہے اور اُن کے درمیان اس عرصہ میں کوئی جنگ نہ ہوئی سوا تیر اندازی کے، پھر عمر بن عبدود میدان میں نکلا۔''[2] جو حضرت علی علیہ السلام کی تلوار کا لقمہ بن گیا۔

اسماعیل ابوالفداء کا بیان بھی وہی ہے جو ابن الوردی کا ہے۔[3]

ابن خلدون نے تحریر کیا ہے، ''مسلمان ایک مہینے کے قریب محصور رہے اور کسی جنگ کی نوبت نہیں آئی اور اس سلسلے نے طول کھینچا یہاں تک کہ کچھ شہسوار قریش کے خندق سے اس طرف آ گئے جن میں عکرمہ بن ابی جہل اور عمرو بن عبدود (وغیرہ) تھے۔[4] اور عمرو بن عبدود وغیرہ شیرِ خدا حضرت علی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔

حافظ ذہبی نے اپنی کتاب ''العبر فی خیر من غیر'' میں لکھا ہے، ''اس معرکہ میں بس تیر اندازی ہوتی رہی اور قوتِ برداشت کا مقابلہ بیس دن سے زیادہ رہا اور پھر جنگ کرنے کے لئے عمرو بن عبدود نکلا۔[5] جسے حضرت علی علیہ السلام نے قتل کر دیا۔

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ ص ۵۷۶

[2] ابن الوردی (متوفی ۷۴۹ھ ۱۳۴۹ء) تاریخ ابن الوردی، ج ۱ ص ۱۲۲

[3] ابوالفداء (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابوالفداء، ج ۱ ص ۱۴۲

[4] ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)، تاریخ ابن خلدون، ج ۲ ص ۷۷۵

[5] حافظ ذہبی، العبر فی خیر من غیر، مطبع کویت، ج ۱ ص ۷

Presented by Ziaraat.Com

عمرو بن عبدود

عمرو بن عبدود وہ واحد سورما تھا جس سے قریش کی ساری اُمیدیں وابستہ تھیں کیونکہ اس سے پہلے ہونے والی دو بڑی جنگوں بدر اور اُحد میں اُن کے تمام چوٹی کے سردار اور جنگجو مارے جا چکے تھے۔ عمرو بن عبدود عامری بن ابی قیس، عامر بن لوی بن غالب کی نسل سے تھا۔ وہ جنگِ بدر میں شدید زخمی ہوگیا تھا جس کی وجہ سے اُحد میں شامل نہیں ہوسکا تھا۔ اب خندق میں بہت جوش و خروش سے آیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو بہت ممتاز سمجھتا تھا اسی لئے اُس نے اپنے سر پر ایک امتیازی پٹی باندھ رکھی تھی۔ [۱]

وہ بلا کا طاقتور اور بہادر آدمی تھا۔ راتوں کو بھی خندق کے پاس آکر اپنی دلیری اور طاقت کا مظاہرہ کیا کرتا اور بیچ میں خندق حائل ہونے کے باوجود کئی مسلمان اُسے دیکھ کر دہل جاتے، اُن میں ایک طلاطم بپا ہو جاتا کہ عمرو بن عبدود آگیا اور وہ گھبرائے ہوئے خیمہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بھاگتے اور اکثر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سوتے سے جگا دیتے، تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کی ڈھارس کے لئے بلاوجہ شبِ تار میں خندق کے پاس تشریف لانے کی زحمت گوارا کرنا پڑتی۔ [۲]

مؤرخین لکھتے ہیں کہ عمرو بن عبدود مسلسل اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح خندق پار کرنے کی کوئی صورت نکل آئے۔ وہ خندق کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاتا اور عقابی نگاہوں سے جائزہ لیتا۔ آخرکار اُس نے ایک ایسی جگہ کا انتخاب کرلیا جسے پار کرنا کسی عام شخص کے لئے تو بظاہر ممکن نہیں تھا مگر اُسے اپنی طاقت، جرأت اور شہسواری پر ایسا ناز تھا کہ اُس نے وہاں سے اپنے گھوڑے کے ذریعے جست لگا کر خندق پار کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ ابوجعفر محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں کہ عکرمہ بن ابی جہل مخزومی، قبیلہ بنی محارب کا ضرار بن خطاب، ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی اور

---

[۱] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری (اردو)، ج ۲ ص ۲۱۸

[۲] ابوعبداللہ محمد بن عمر واقدی (متوفی ۸۲۲ء)، المغازی للواقدی

Presented by Ziaraat.Com

نوفل بن عبداللہ جیسے پہلوان بھی اُس کے ساتھ ہو لیے تھے۔ پس، جنگ کو اپنے منطقی انجام تک پہنچانے کا فیصلہ کر کے پہلوانوں کا یہ دستہ مسلح ہو کر اپنے گھوڑوں پر نکلا اور بنو کنانہ کے پاس آ کر کہا، ”لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ، آج تمہیں معلوم ہو گا کہ جواں مرد کون ہے؟“ پھر وہ اُس جگہ پہنچے جہاں سے اُنہوں نے خندق پار کرنا تھی۔ اُنہوں نے اپنے گھوڑوں کو چابک مارے تو عربی گھوڑے جست لگا کر خندق کے پار پہنچ گئے۔ علی ابن ابی طالب علیہ السلام چند مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ پر نکلے اور اُنہوں نے خندق کا وہ حصہ جہاں سے یہ کود کر آئے تھے اپنے قبضہ میں لے کر اُن کی واپسی کا راستہ مسدود کر دیا۔[1]

نامور مؤرخ اور عالم دین جناب علی نقی نقوی صاحب اپنی تالیف تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں، ”ظاہری حیثیت سے دیکھا جائے تو بہادری کے جوش میں اُنہوں نے یہ انتہائی حماقت کا کام کیا تھا اس لئے کہ اس طرح وہ گنتی کے آدمی اپنی پوری فوج سے کٹ کر الگ ہو گئے تھے کیونکہ وہاں کوئی تختے تو ایسے موجود نہ تھے جنہیں وہ خندق پر پُل کر طرح رکھ کر اپنی پوری فوج کو اُن پر سے گذار سکتے۔ اس طرح وہ صرف چار پانچ آدمی ہی تھے اور اِدھر مسلمانوں کا پورا لشکر تھا۔ اگر یہ سب مسلمان نہتے ہی دوڑ پڑتے تو دو چار سپاہیوں کو پیس ڈالنے کے لئے ان کی یورش ہی کافی ہو سکتی تھی مگر کیا کیا جائے کہ اس پوری فوج پر اُس اکیلے عمرو بن عبدود کی ہیبت بری طرح چھائی ہوئی تھی جس میں اُس کی اس حیرت انگیز غیر معمولی جرأت نے (کہ اُس نے خندق کو پار کرنے کی ہمت کس طرح کی) اُس وقت خاص طور پر اضافہ کر دیا تھا اس لئے پوری مسلم فوج ہکا بکا ہو کر بس دیکھ رہی تھی جیسے سُن ہو گئی ہو۔ اُس وقت اُن کا عالم جو تھا، اُس کی مرقع کشی کے لئے تاریخ کے یہ الفاظ کافی ہیں، ”تمام اصحاب یوں بے حس و حرکت تھے جیسے اُن کے سروں پر طائر بیٹھے ہوں۔“[2]

---

[1] ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری (اردو)، ج ۲ ص ۲۱۷، ۲۱۸

[2] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۹۹ بحوالہ حسین بن محمد دیار بکری (متوفی ۸۹۲ھ)، تاریخ خمیس، ج ۱ ص ۴۸۶

Presented by Ziaraat.Com

شیرِ خدا کی جنگ

مندرجہ بالا تمام مؤرخین کی روایات کا بنظرِ غائر جائزہ لینے کے بعد یہی کہا جاسکتا ہے کہ معرکۂ خندق صرف ایک فردِ واحد کے کارنامے کا ہی نام ہے جسے اسد اللہ کہتے ہیں۔ یہ جنگ، علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے کارنامے سے شروع ہوئی اور اُسی پر ختم ہوگئی۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب عمرو بن عبدود اپنے ساتھی پہلوانوں کے ساتھ خندق پار کر کے آ گیا تو اُس نے مسلمانوں کو للکارا۔ اُس کی للکار سُن کر مسلمان سہم گئے۔ حضرت علی علیہ السلام اُس وقت پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں موجود تھے، اُس کی للکار سُنی تو فوراً کہا، ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اس کا مقابلہ کروں گا۔''

پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معنی خیز انداز میں فرمایا، ''علی! بیٹھ جاؤ۔ کیا تم جانتے نہیں کہ وہ عمرو بن عبدود ہے؟''

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ الفاظ قابلِ غور ہیں۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد علی علیہ السلام کو عمرو بن عبدود سے جنگ کرنے سے باز رکھنا تھا؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سمجھتے تھے کہ نوجوان علی علیہ السلام اُس طاقتور پہلوان کو زیر نہیں کر سکیں گے؟ نہیں۔ ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ علی علیہ السلام نے آغوشِ رسالت میں پرورش پائی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے پروردہ کو خوب اچھی طرح جانتے تھے اور اُس کا انداز شجاعت اور فنِ حرب بارہا ملاحظہ فرما چکے تھے۔ بدر اور اُحد میں زورِ بازوِ حیدر کا مظاہرہ تو ابھی کل کی بات تھی۔ پھر وہ کیا وجہ تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، کیا تم نہیں جانتے کہ وہ عمرو بن عبدود ہے؟

محققین کہتے ہیں کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علی علیہ السلام کو اس انداز میں بیٹھنے کو کہنا اس لئے نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی علیہ السلام کو اُس کے بارے میں متنبہ کرنا چاہتے تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح دوسرے مسلمانوں کو دعوتِ فکر و عمل دینا چاہتے تھے۔ ظاہر ہے، علی علیہ السلام میدان میں آتے تو اُس

Presented by Ziaraat.Com

کا خاتمہ کر دیتے۔ پھر عمرو کے مارے جانے کے بعد کوئی یہ بھی تو کہہ سکتا تھا کہ علی (علیہ السلام) نے جلد بازی سے کام لیا، عمرو کے مقابلے میں جانے کا ارادہ تو میرا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار نہیں، تین بار ایسا کیا، ہمارا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کو بھرپور طریقہ سے آزمارہے تھے۔

علامہ علی نقی صاحب لکھتے ہیں کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے مسلمانوں کو بھی موقع دینا چاہتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بھی معلوم تھا کہ عمرو بن عبدود کے متعلق ''جہاندیدہ'' اور ''تجربہ کار'' اصحاب کے کیا تاثرات ہیں اور کیسے کیسے مشاہدات دہرائے جارہے ہیں جس سے تمام فوجِ اسلام کے لئے وہ ایک بہت بڑا ''ہوّا'' بن گیا ہے۔ ہوسکتا تھا اُس وقت کسی کو یہ گمان بھی ہو کہ علی علیہ السلام کمسن ہیں اور اس کمسنی کی بنا پر عمرو بن عبدود کی شخصیت سے واقف نہیں ہیں لہٰذا انہوں نے نوجوانی کے الھڑپن میں بنا سوچے سمجھے یہ بات کہہ دی کہ میں اُس سے مقابلہ کروں گا۔ پس اُن تمام حالی تصورات اور امکانی خیالات کے پیشِ نظر پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معنیٰ خیز انداز میں علی علیہ السلام سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، جانتے بھی ہو کہ وہ عمرو بن عبدود ہے۔[1]

مسلمانوں پر چھائے ہوئے گہرے سکوت سے عمرو کا حوصلہ بڑھا اور للکار کر کہنے لگا، ''کہاں ہے وہ تمہاری جنت، جس کے متعلق تم کہتے ہو کہ تمہارا شہید اُس میں داخل ہوگا، اب کسی کو میری طرف بھیجتے کیوں نہیں؟'' (تاکہ میں اُسے اُس جنت میں پہنچاؤں)

علی علیہ السلام اُس کی للکار سن کر پھر اُٹھے لیکن نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ ارشاد فرمایا، ''علی! بیٹھ جاؤ جانتے نہیں کہ وہ عمرو ہے؟'' مسلمانوں کے لشکر میں پھر سناٹا چھا گیا۔

عمرو بن عبدود نے تیسری مرتبہ پھر مبارزت طلب کی۔ علی علیہ السلام بے قراری سے پھر اُٹھے، رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر وہی جملہ ارشاد فرمایا تو علی علیہ السلام سے نہ رہا گیا، بے ساختہ کہا، ''وہ عمرو ہے تو ہوا کرے'' (مجھے اُس سے کیا؟)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہی چاہتے تھے۔ یعنی تین مرتبہ علی علیہ السلام کو

---

[1] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۰۰

Presented by Ziaraat.Com

روک کر دوسروں کو موقع دیا اور جب کوئی نہ آگے بڑھا تو مردِ میدان حضرت علی علیہ السلام کو اجازت دے دی۔ تاریخ خمیس میں ہے، ''جو مقصد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُس توقف سے تھا وہ حاصل ہو چکا تھا اب پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں اجازت دی۔''(۱)

رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو صرف اذنِ جہاد ہی نہیں دیا بلکہ اپنے دستِ مبارک سے جنگ کے لئے یوں تیار فرمایا کہ علی علیہ السلام کو اپنی تلوار عطا فرمائی، اپنی زرہ پہنائی اور اپنا عمامہ اُن کے سر پر رکھ کر دعائے خیر فرمائی۔ تاریخ خمیس میں ہے، ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب علی علیہ السلام کو اجازت مرحمت فرمائی تو اُنہیں اپنی تلوار ذوالفقار دی اور اپنی زرہٗ خاص پہنائی اور اپنا عمامہ اُن کے سر پر رکھا اور فرمایا میرے اللہ! اُس کے مقابلے میں اِس کی مدد فرما۔ ایک روایت میں ہے کہ اپنا عمامہ آسمان کی طرف بلند کیا اور کہا میرے اللہ! تُو نے روزِ بدر عبیدہ کو مجھ سے لے لیا اور روزِ اُحد حمزہ کو مجھ سے لے لیا، اب یہ ایک علی ہے جو میرا بھائی اور میرے چچا کا فرزند ہے، اب تُو مجھے وارث کے بغیر تنہا نہ چھوڑنا کیونکہ تُو خود بہترین وارث ہے۔''(۲)

قرآن حکیم کے مطابق یہ کلمات ''رَبِّ لَا تَذَرۡنِیۡ فَرۡدًا وَّاَنۡتَ خَیۡرُ الۡوٰرِثِیۡنَ ۝'' حضرت زکریا علیہ السلام سے منسوب ہیں، جیسا کہ سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہوتا ہے:(۳)

''وَزَکَرِیَّاۤ اِذۡ نَادٰی رَبَّہٗ رَبِّ لَا تَذَرۡنِیۡ فَرۡدًا وَّاَنۡتَ خَیۡرُ الۡوٰرِثِیۡنَ ﴿۸۹﴾ فَاسۡتَجَبۡنَا لَہٗ ۫ وَوَہَبۡنَا لَہٗ یَحۡیٰی وَاَصۡلَحۡنَا لَہٗ زَوۡجَہٗ ؕ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا یُسٰرِعُوۡنَ فِی الۡخَیۡرٰتِ وَیَدۡعُوۡنَنَا رَغَبًا وَّرَہَبًا ؕ وَکَانُوۡا لَنَا خٰشِعِیۡنَ ﴿۹۰﴾ (اور زکریا (علیہ السلام) کا (ذِکر) جب اُنہوں نے پکارا اے میرے پروردگار! مجھے (وارث کے بغیر) اکیلا نہ چھوڑ۔ جبکہ تُو خود بہترین

---

(۱) حسین بن محمد دیار بکری (متوفی ۸۹۲ ہجری ۱۵۷۴ء)، تاریخ خمیس ج ۱ ص ۴۸۶

(۲) حسین بن محمد دیار بکری (متوفی ۸۹۲ ہجری ۱۵۷۴ء)، تاریخ خمیس ج ۱ ص ۴۷۷

(۳) سورۃ الانبیاء، آیت ۸۹، ۹۰

Presented by Ziaraat.Com

وارث ہے۔ ہم نے اُن کی دعا قبول کی اور اُنہیں یحییٰ (جیسا بیٹا) عطا کیا اور اُن کی بیوی کو اُن کیلئے تندرست کر دیا۔ یہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہم کو شوق وخوف (اور اُمید وبیم) کے ساتھ پکارتے تھے اور وہ ہمارے لئے (عجز ونیاز سے) جھکے ہوئے تھے۔)

اللہ کے نبی حضرت زکریا علیہ السلام بہت ضعیف تھے، اولاد بھی نہیں تھی اس لئے خود کو لاوارث سمجھتے تھے، پھر اللہ کے حضور دعا گو ہوئے کہ میرے اللہ مجھے وارث کے بغیر تنہا نہ چھوڑ تو اللہ نے اُن کی دُعا قبول فرمائی اور اُنہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صورت میں وارث (بیٹا) عطا فرمایا۔

اور اب پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کے حضور وہی کلمات عرض کر رہے ہیں۔ ''رَبِّ لَا تَذَرۡنِیۡ فَرۡدًا وَّاَنۡتَ خَیۡرُ الۡوٰرِثِیۡنَ ''۝ یعنی اے میرے پروردگار! مجھے وارث کے بغیر اکیلا نہ چھوڑ جبکہ تُو خود بہترین وارث ہے۔ تو نبی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِن کلمات سے اور اپنا عمامہ مبارک حضرت علی علیہ السلام کے سر پر باندھنے سے ایک طرف تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا وارث صرف اور صرف علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہی کو قرار دیا اور باقی تمام مسلمانوں اور صحابہ کرام میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وارث کوئی اور نہ تھا اور دوسری طرف یہ پتا چلتا ہے کہ نبی گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اکلوتے وارث کو راہِ خدا میں روانہ کرنے کے بعد اپنا حامی و مددگار صرف خدائے یکتا کو ہی سمجھ رہے تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرہ اور عمامہ زیب تن کر کے اور ذوالفقار کو ہاتھ میں لے کر حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام نے قدم بڑھایا۔ طبری نے لکھا ہے علی بن ابی طالب علیہ السلام آگے بڑھے تو کچھ اور مسلمان فوجی بھی آپ کے ساتھ ہو لیے۔ آپ نے اُن لوگوں کو اُس تنگ راستے پر کھڑا کر دیا جہاں سے عمرو بن عبدود اور اُس کے ساتھی گھوڑے دوڑاتے ہوئے آئے تھے۔[۱]

جناب امیر المومنین علیہ السلام عمرو کے روبرو آئے تو وہ اپنے مدِ مقابل ایک نوعمر کو دیکھ کر سخت متعجب

---

[۱] ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری (اردو)، ج ۲ ص ۲۱۷، ۲۱۸

Presented by Ziaraat.Com

ہوا۔ پس حیرانی سے پوچھا، ''نوجوان! تم کون ہو؟''

عمرو کی حیرانی بجا تھی۔ کہاں تو یہ عالم تھا کہ تین مرتبہ مبارزت طلب کرنے کے باوجود کوئی سامنے نہیں آیا تھا اور کہاں یہ حال کہ مکّہ کے نام نہاد سورما اور ناقابلِ تسخیر سمجھے جانے والے دیوہیکل پہلوان کے مقابلے پر ایک نوجوان؟

شیر خدا علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے اُس کی متعجب آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پر جلال انداز میں جواب دیا، ''میں علی ہوں۔''

عمرو نے پوچھا، ''عبد مناف کی نسل سے؟''

کہا، ''ہاں! میں علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) ہوں۔''

وہ کہنے لگا، ''بھتیجے! تمہارے چچاؤں میں سے جو تم سے زیادہ بڑا ہو اُسے میرے مقابلے پر بھیجو مجھے تمہارا خون بہانے سے ناگواری محسوس ہوتی ہے۔'' عمرو کا حضرت علی علیہ السلام کو ''بھتیجے'' کہہ کر مخاطب کرنا اور بڑوں کو مقابلے پر بلانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ آپ کو بچہ سمجھ رہا تھا۔

آپ نے سرد لہجے میں فرمایا، ''بخدا! مجھے تیرا خون بہانے سے کوئی ناگواری محسوس نہیں ہوگی۔'' ایسا خشک جواب سُن کر وہ تلملا اُٹھا اور تلوار کھینچ لی جو آگ کا شعلہ معلوم ہوتی تھی۔ [1]

موٴرخین لکھتے ہیں کہ اُس نے تلوار نکالی اور غصہ میں اپنے گھوڑے کے پیروں پر ماری تو اُس کے چاروں پاؤں کٹ گئے، پھر وہ آپ کی طرف بڑھا۔ [2]

حضرت علی علیہ السلام نے اُس سے فرمایا کہ تم نے عہد کر رکھا ہے کہ تمہارا مقابل تمہارے سامنے کوئی سی دو (اور بروایتے تین) خواہشات پیش کرے گا تو تم اُن میں سے ایک ضرور پوری کرو گے۔''

اُس نے کہا، ''بے شک ایسا ہی ہے۔''

---

[1] حسین بن محمد دیار بکری (متوفی ۸۹۲ ہجری ۱۵۷۴ء)، تاریخ خمیس، ج ۱ ص ۴۸۴

[2] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۰۳ بحوالہ ابن الوردی۔ ابوالفداء (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابوالفداء، ج ۱ ص ۱۸۰

Presented by Ziaraat.Com

آپ نے فرمایا، ''میری پہلی خواہش یہ ہے کہ تم اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آؤ۔''

عمرو کہنے لگا، ''مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں، دوسری خواہش بیان کرو۔''

دیار بکری روایت کرتے ہیں کہ علی علیہ السلام نے فرمایا، ''دوسری بات یہ ہے تم واپس چلے جاؤ اور اپنے گھر میں جا بیٹھو۔''

اُس نے کہا، ''بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ عرب کی عورتیں مجھ پر طعنہ زنی کریں گی کہ میں میدان چھوڑ کر بھاگ آیا۔''

آپ نے کہا، ''پھر آگے بڑھو، اور مجھ سے مقابلہ کرو۔''

تاریخ خمیس میں جو مکالمے درج ہیں، اُن کے مطابق اس مقام پر اُس نے کہا، ''مجھے تمہارا قتل کرنا پسند نہیں۔'' تو علی علیہ السلام نے کہا، ''لیکن مجھے تمہارا قتل کرنا پسند ہے۔'' یہ سُن کر وہ جوش میں آیا اور اپنے گھوڑے سے کود پڑا۔ تلوار سے اپنے گھوڑے کے پاؤں قطع کیے پھر اُس کے مُنہ پر وار کیا اور آخر میں حضرت علی علیہ السلام کی طرف بڑھا۔[1]

طبری نے لکھا ہے، ''علی علیہ السلام نے اُس سے کہا، ''اے عمرو! تم ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر قریش کا کوئی شخص میرے سامنے دو باتیں پیش کرے گا تو میں اُن میں سے ایک ضرور مانوں گا۔'' اُس نے کہا، ''ہاں میرا یہی عہد ہے۔'' علی بن ابی طالب علیہ السلام نے اُس سے کہا، ''اچھا تو پھر میں تم کو اللہ عزوجل، اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔'' اُس نے کہا، ''میں نہیں مانتا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔'' علی علیہ السلام نے کہا، ''تو پھر میں تم سے کہتا ہوں کہ گھوڑے سے نیچے آؤ۔'' اُس نے کہا، ''اے میرے بھتیجے یہ کیوں؟ بخدا میں نہیں چاہتا کہ تم کو قتل کروں۔'' علی علیہ السلام نے کہا، ''بخدا میں تو چاہتا ہوں کہ تم کو ضرور قتل کروں۔'' اس جملہ کو سن کر اُسے جوش آ گیا، وہ گھوڑے سے کود پڑا، اُس کو ذبح کر دیا یا اُس کے منہ پر تلوار ماری اور پھر علی علیہ السلام کے مقابلہ

---

[1] حسین بن محمد دیار بکری (متوفی ۸۹۲ ہجری ۱۵۷۴ء)، تاریخ خمیس، ج ۱ ص ۴۸۷

Presented by Ziaraat.Com

پر بڑھا۔‘‘[1]

دونوں اطراف کی فوجوں نے دیکھا کہ میدانِ جنگ سے گرد و غبار بُلند ہوا۔لوہے آپس میں ٹکرائے، ڈھول کے کچھ اور بادل آسمان کی طرف اُٹھے، کچھ نظر نہیں آرہا تھا کہ یکا یک اُس گرد میں سے تکبیر کی صدا بلند ہوئی اور غبار آہستہ آہستہ چھٹنے لگا۔لوگوں نے دیکھا کہ فاتحِ بدر واُحد ایک اور جنگ فتح کر چکا تھا۔حیدر کرار علیہ السلام نے عمرو بن عبدود کا سر تن سے جدا کر دیا تھا۔

ابن الوردی کے مطابق، ’’دونوں نے باہم جنگ کی اور جولانی کرتے رہے۔دونوں پر غبار چھا گیا اور مسلمانوں نے تکبیر کی آواز سُنی تو سمجھے کی علی علیہ السلام نے اُسے قتل کر دیا اور غبار ہٹا تو یہ نظر آیا کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام اُس کے سینہ پر سوار اُس کا سر تن سے جدا کر رہے تھے۔‘‘[2]

ابن خلدون کہتے ہیں، ’’علی بن ابی طالب علیہ السلام نے عمرو بن عبدود کو قتل کر دیا۔‘‘[3]

علامہ طبرسی لکھتے ہیں، ’’حضرت علی علیہ السلام نے اُس کے مقابلہ میں نکل کر اُسے قتل کر دیا۔‘‘[4]

شیخ حسین بن محمد حسن دیار بکری لکھتے ہیں، ’’سابق گفتگو ختم ہونے کے بعد اُس نے حضرت علی علیہ السلام کی جانب رُخ کیا تو آپ سپر لیے ہوئے اُس کے مقابلہ پر آئے مگر اُس نے تلوار کا ایسا وار کیا جو سِپر کو کاٹتی ہوئی آپ کے سر تک پہنچ گئی اور آپ زخمی ہو گئے۔پھر آپ نے اُس پر وار کیا۔ آپ کی تلوار اُس کے کاندھے پر پڑی جس سے وہ گر گیا۔پھر غبار بلند ہوا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر سنی تو سمجھے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اُس کو قتل کر دیا ہے۔‘‘[5]

تاریخ گواہ ہے کہ علی علیہ السلام کے مقابلے میں کبھی کوئی نہیں ٹھہر سکا۔علی علیہ السلام کی ایک ہی ضرب

---

[1] ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری (اردو)، ج ۲ حصہ اوّل، ص ۲۱۸

[2] ابن الوردی (متوفی ۷۴۹ھ)، ج ۲ ص ۱۲۲۔ابو الفداء (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابو الفداء ج ۱ ص ۱۴۲

[3] ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)، تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۷۷۵

[4] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۰۲ بحوالہ علامہ طبرسی (متوفی ۱۱۵۳ء)، اعلام الوریٰ

[5] حسین بن محمد دیار بکری (متوفی ۸۹۲ ہجری ۱۵۷۴ء)، تاریخ خمیس ج ۱ ص ۴۸۴

Presented by Ziaraat.Com

مقابل کا قصہ تمام کردیا کرتی تھی۔ اس کی تائید آپ کی ضرب کی اُس خصوصیت سے ہوتی ہے جو اکثر مؤرخین نے لکھی ہے کہ آپکی تلوار کی ضربیں یکتا ہوا کرتی تھیں، جب آپ سر پر وار کرتے تو لمبائی میں (یعنی اُوپر سے نیچے) کاٹ دیتے اور جب پہلو پر وار کرتے تو عرض میں دو ٹکڑے کر دیتے تھے۔[1]

عمرو بن عبدود اب تک کے مقابلوں میں وہ واحد فرد تھا جو علی علیہ السلام کے سامنے کچھ دیر ٹکا۔ مقابلہ کیا جھبی دھول کے بادل پیدا ہوئے اور وہ بھی ایسے کہ دیکھنے والوں کو لڑائی کا منظر نظر نہیں آرہا تھا، بس صدائے تکبیر سے اندازہ لگایا کہ علی علیہ السلام نے عمرو کا کام تمام کر دیا ہے۔

عربوں میں رواج تھا کہ جنگوں میں جب کوئی کسی کو قتل کرتا تو اُس کے قیمتی لباس یعنی زرہ وغیرہ پر اپنا حق سمجھتے ہوئے اُسے اُتار کر اپنے قبضے میں لے لیتا۔ محمد و آل محمد علیہم السلام نے کبھی اس رواج کو نہیں اپنایا اور اسے اپنی شان کے منافی سمجھتے ہوئے ہمیشہ اس عمل سے درگزر فرمایا۔

عمرو بن عبدود اپنی شخصیت کی مناسبت سے نہایت قیمتی زرہ پہنے ہوئے تھا لیکن حضرت علی علیہ السلام نے اُسے قتل کرنے کے بعد اُس کی زرہ کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا اور اُسے یونہی چھوڑ دیا۔ تاریخ میں ہے کہ جنگ کے بعد اُس کی بہن اُس کی نعش پر پہنچی تو اُس کے جسم پر لباس اور قیمتی زرہ موجود پا کر حیران رہ گئی۔ کہنے لگی کہ لگتا ہے کہ اسے کسی شریف و کریم شخص نے قتل کیا ہے۔ پھر اُس نے قاتل کا نام پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ اسے علی بن ابی طالب علیہ السلام نے قتل کیا ہے۔

کہنے لگی:

لو کان قاتل عمرو غیر قاتله

لکنت ابکی علیه آخر الابد

---

[1] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۰۵

Presented by Ziaraat.Com

لکن قاتله من لا يعاب به

من كان يدعى قديما بيضة البلد [1]

(اگراس قاتل کے علاوہ عمرو کا قاتل کوئی اور ہوتا تو میں ہمیشہ رویا کرتی مگراس کا قاتل تو وہ ہے جس کے ہاتھوں مرنا کوئی عیب نہیں، کیونکہ وہ تو ہمیشہ سے شہر کا ممتاز آدمی سمجھا جاتا رہا ہے۔)

بعض مؤرخین نے یہ اشعار عمرو بن عبدود کی ماں سے منسوب کیے ہیں۔

عمرو بن عبدود کے ساتھی

بالائی صفحات پر ذکر کیا جاچکا ہے کہ عمرو بن عبدود کے ساتھ عکرمہ بن ابی جہل مخزومی، قبیلہ بنی محارب کا ضرار بن خطاب، ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی اورنوفل بن عبداللہ جیسے پہلوان بھی اُس کے ساتھ ہولیے تھے۔اُنہوں نے علی علیہ السلام کے ہاتھوں اپنے سب سے بڑے پہلوان کا یہ انجام دیکھا تو راہِ فرار اختیار کرنے میں ہی عافیت سمجھی اور خندق کے اُس تنگ حصہ کو جہاں سے وہ آئے تھے گھوڑوں کے ذریعے پھلانگ کر واپس پہنچ گئے۔ [2]

ابن خلدون کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خندق کے اُس حصے پر علی علیہ السلام نے جن لوگوں کو مامور کیا تھا وہ اُن بھاگتے ہوئے لوگوں کو روکنے میں کامیاب نہیں ہوسکے یا اُنہوں نے روکنے کی کوشش ہی نہیں کی۔علی علیہ السلام نے خود بھی اُن کا پیچھا نہیں کیا جیسا کہ تاریخ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ آپ بھاگنے والوں کا تعاقب کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔

علامہ دیار بکری لکھتے ہیں کہ عمرو کے قتل کے بعد ضرار بن خطاب اور ہبیرہ بن ابی وہب نے مل کر حضرت علی علیہ السلام پر حملہ کر دیا۔ جب آپ اُن دونوں کی طرف متوجہ ہوئے تو ضرار نے بغور آپ کے چہرے کو دیکھا اور (دونوں نے) یکدم فرار کیا۔ [3]

---

[1] حسین بن محمد دیار بکری (متوفی ۸۹۲ ہجری ۱۵۷۴ء)، تاریخ خمیس ج ۱ ص ۴۸۸

[2] ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)، تاریخ ابن خلدون، ج ۲ ص ۵۷۵

[3] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۰۸

Presented by Ziaraat.Com

علی علیہ السلام کے ہاتھوں ایک اور پہلوان کا قتل

ابنِ خلدون نے تو لکھ دیا کہ عمرو کے باقی ساتھی فرار ہو کر خندق کے پار واپس پہنچ گئے لیکن طبری کے بقول عمرو کے ساتھ دو اور آدمی بھی قتل ہوئے تھے۔ اُن میں سے ایک منبہ بن عثمان بن عبید بن سباق بن عبد دار تھا جسے ایک تیر لگا تھا جس سے وہ زخمی ہوا لیکن جانبر نہ ہو سکا اور مکّہ پہنچ کر ہلاک ہو گیا اور دوسرا بنی مخزوم کا نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ تھا۔ نوفل بن عبداللہ واپسی پر خندق پار کرتے ہوئے اُس میں گر گیا تھا یا بقولے اُس میں کود پڑا تھا۔ [1]

اتنی بلندی سے گرنے کی وجہ سے وہ زخمی ہو گیا۔ مسلمانوں نے اُسے خندق میں پڑے دیکھا تو اُس پر پتھر برسانے لگے۔

زمانہ قدیم میں رواج تھا، جو آج بھی جنگلوں اور بیابانوں میں رہنے والے چند قبیلوں میں پایا جاتا ہے، کہ جانوروں کا شکار کرنے کے لئے زمین میں ایک بہت بڑا گڑھا کھود دیتے ہیں جس میں سے نکلنا جانور کے لئے ممکن نہیں ہوتا تھا۔ جب کوئی جانور اتفاق سے اُس میں جا گرتا تو لوگ اُسے پتھر مار مار کر مار دیا کرتے تھے۔ اُن جانوروں کی طرح مارے جانے پر نوفل نے احتجاج کرتے ہوئے کہا، ”اے قومِ عرب کے سپوتو! قتل ہی کرنا ہے تو اس سے بہتر طریقے سے کرو۔“

طبری نے لکھا ہے کہ پھر علی علیہ السلام خندق میں اُترے اور اُسے تلوار سے قتل کیا۔ [2]

مشرکین کی خفت

عمرو بن عبدود اور اُس کے ساتھیوں کے قتل اور فرار سے مشرکین کے لشکر پر سخت مایوسی، بے چینی اور جھنجلاہٹ طاری ہو گئی۔ اُن کا غرور علی علیہ السلام کے ہاتھوں خاک میں مل چکا تھا اور ناپاک ارادوں پر پانی پھر گیا تھا۔ اپنی خفت مٹانے کی غرض سے یا پھر اس خوف سے کہ کہیں مسلمان خندق عبور

---

[1] ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری (اردو)، ج ۲ حصہ اوّل، ص ۲۱۸

[2] ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری (اردو)، ج ۲ حصہ اوّل، ص ۲۱۸

Presented by Ziaraat.Com

کرکے اُن کے سر پر نہ پہنچ جائیں، اُنہوں نے اجتماعی تیراندازی شروع کردی۔ تیروں کی بوچھاڑ ٹڈی دَل کی طرح لشکرِ اسلام کی طرف اُمڈی چلی آرہی تھی۔

ایک کافر حبان بن قیس بن العرقہ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا نشانہ لے کر تیر چلایا جو اُن کی کہنی کے پاس ''اکحل'' نامی رگ میں پیوست ہوگیا۔ اس رگ کو ''عِرقُ الحیوٰۃ'' اور ''ہفت اندام'' بھی کہا جاتا ہے۔ یہ کہنیوں کے جوڑ میں ہوتی ہے۔ ہاتھ میں اس رگ کا نام ''اکحل'' اور پشت میں ''ابھر'' ہے۔ عِرق النساء جو ایک مرض کا نام ہے اُس کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے۔ [1]

اگر یہ رگ کٹ جائے تو خون بند نہیں ہوتا حتیٰ کہ تمام جسم کا خون بہہ جاتا ہے اور انسان کی موت واقع ہوجاتی ہے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے سمجھ لیا کہ میرا آخری وقت آپہنچا ہے، وہ پریشان ہوگئے۔ سعد رضی اللہ عنہ ایک سچے مسلمان اور کامل مومن تھے، اُنہیں اپنی موت کا ڈر نہیں تھا، غم یہ تھا کہ ابھی جنگ جاری ہے اور نتیجہ کوئی نہیں نکلا۔ وہ چاہتے تھے کہ میں جنگ کے اختتام تک زندہ رہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیّت میں راہِ خدا میں لڑتا رہوں جب تک کہ اللہ کا وعدہ پورا نہیں ہوجاتا اور فتح و نصرت حاصل نہیں ہوجاتی۔ پس اُنہوں نے نم آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھا اور بارگاہِ الٰہی میں فریاد کی:

''پروردگار! مشرکین قریش سے جنگ اگر باقی ہے تو مجھے اُن سے مقابلے کے لئے زندہ رکھ اور اگر جنگ ختم ہوگئی ہے تو پھر اس زخم کو میری شہادت کا ذریعہ بنادے مگر مجھے اُس وقت تک دُنیا سے نہ اُٹھانا جب تک کہ بنوقریظہ کا انجام اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔'' اُن کی دعا قبول ہوگئی اور خون بہنا بند ہوگیا۔ [2]

''بنوقریظہ کی بغاوت'' کے باب میں ہم بیان کرچکے ہیں کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنوقریظہ کی

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۲۴

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۲۴

Presented by Ziaraat.Com

بغاوت کی خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک وفد کو اُن کی طرف روانہ کیا تھا۔ اُس وفد میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ یہودیوں نے بات چیت کرنے کی بجائے وفد کو فحش گالیاں دیں اور بدکلامی کرتے ہوئے واپسی پر مجبور کر دیا تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اُن کے اس رویّہ پر بہت رنج تھا اور چاہتے تھے کہ اُنہیں اس کی سزا ملے، اسی لئے اپنی دعا میں کہا کہ پروردگار مجھے اُس وقت تک دُنیا سے نہ اُٹھانا جب تک کہ بنوقریظہ کا انجام میں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔

اختتامِ جنگ

اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ کفار نے متفق ہو کر خندق کی ہر جانب یکبارگی جنگ (یعنی تیر اندازی) شروع کر دی جو دن رات جاری رہی۔[1]

تیراندازی مسلسل جاری تھی جو رُکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ ادھر مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد خوفزدہ اور ہراساں تھی۔ اُن کے خوف و ہراس کا یہ عالم تھا کہ بعض لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ عزوجل کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں دھوکا دیا اور اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔ اس کا ذِکر قرآن پاک نے ان الفاظ میں کیا ہے:[2]

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾ (اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری تھی کہنے لگے کہ اللہ (سبحانہ وتعالیٰ) اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہم سے (فتح کا) جو وعدہ کیا تھا وہ دھوکہ کے سوا کچھ نہ تھا۔)

منافقوں کی ایسی گفتگو سُن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت کوفت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خالق و مددگار کی بارگاہ میں دُعا فرمائی، ''اے میرے اللہ! تُو قرآن نازل کرنے والا ہے اور جلد حساب لینے والا ہے، اِن قبیلوں کو شکست دے اور اِن کے قدم لڑکھڑا دے اور اِن پر ہماری مدد فرما۔''

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۲۴

[2] سورۃ الاحزاب، آیت ۱۲

Presented by Ziaraat.Com

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خندق کی جنگ کے آخری تین دنوں میں ظہر وعصر (کی نمازوں) کے درمیان مسجد فتح میں مسلسل دُعا مانگی۔

پس، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعا قبول ہوئی اور حق تعالیٰ شانہ' نے ایسی آندھی اور زلزلہ بھیجا کہ کفار کا لشکر تہس نہس ہوگیا، اُن کے خیمے اُکھڑ گئے، چہرے خاک آلودہ ہوگئے، سنگریزوں کی بارش ہونے لگی اور وہ حواس باختہ ہوگئے۔ بروایتے خداوند متعال نے فرشتوں کی ایک جماعت بھیجی جنہوں نے اُن کے خیموں کی طنابیں کاٹ کر آگ لگادی اور اُن کو ایسا خوفزدہ کیا کہ وہ فرار پر مجبور ہوگئے۔

سخت سرد اور تاریک رات تھی، رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس ٹیلے پر جہاں بعد میں مسجد فتح تعمیر ہوئی نماز پڑھی اور پھر مسلمانوں سے مخاطب ہوئے۔ محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''کوئی ایسا ہے جو دشمن کی فِرودگاہ میں جاکر اس خبر کی تصدیق کر کے آئے جو ہمیں معلوم ہوئی ہے؟ میں اُس کے لئے بہشت کی ضمانت دیتا ہوں۔'' کوئی نہ کھڑا ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر نماز پڑھی اور فارغ ہوکر وہی سوال دُہرایا لیکن کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر نماز کی طرف متوجہ ہوئے اور نماز پڑھ کر تیسری بار پھر وہی سوال کیا لیکن کوئی نہ بولا۔ بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو آواز دی اور فرمایا حذیفہ! تم دشمن کے ہاں جاؤ اور دیکھ کر آؤ کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور جب تک میرے پاس نہ آجاؤ کسی سے کوئی بات نہ کرنا۔ [1]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کافروں کی طرف چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر نماز میں مصروف ہوگئے۔ نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سوز وگداز کے ساتھ فتح ونصرت کی دعا مانگی۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے آکر بتایا کہ آگ سرد پڑی ہے، ایک سخت آندھی جس میں سنگریزے ہیں پوری فوج کو گھیرے میں لئے ہوئے ہے، تمام خیمے اکھڑ چکے ہیں اور چھولداریاں زمین پر آپڑی ہیں، عالم یہ ہے کہ وہ ڈھالیں منہ پر لیے ہوئے سنگریزوں سے بچاؤ کی کوشش کر رہے ہیں۔'' حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا سنگریزوں کے اُن

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری (اردو)، ج ۲ حصہ اوّل، ص ۲۲۲

Presented by Ziaraat.Com

کی ڈھالوں سے ٹکرانے کی آوازیں ابھی تک میرے کانوں میں گونج رہی ہیں۔ [1]

اس کا ذکر قرآن کریم میں باری تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے: [2]

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ۟ۚ﴿۹﴾

(اے ایمان والو! اللہ کے اُس احسان کو یاد کرو جو اُس نے تم پر کیا ہے جب (کفار کے) لشکر تم پر چڑھ آئے اور ہم نے (تمہاری مدد کیلئے) اُن پر ہوا (آندھی) بھیجی اور (فرشتوں کے) ایسے لشکر بھیجے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور جو کچھ تم کر رہے تھے۔ اللہ اُسے خوب دیکھ رہا تھا۔)

کفار کا فرار

کفار عذاب الٰہی کی تاب نہ لا سکے پس اُن کے پتے پانی ہونے لگے اور اُنہوں نے فرار میں عافیت سمجھی۔ ابوسفیان اپنی سواری کے پاس آیا اور پکارا ''النجا النجا'' یعنی بھاگ کر اپنی جان بچاؤ، بھاگ کر اپنی جان بچاؤ۔ یہی صدائے فرار حارث بن عوف نے بھی بلند کی اور تمام فوجیں پسپا ہو کر فرار ہونے لگیں۔ [3] پس ارشاد خداوند ذوالجلال ہوا: [4]

وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِغَیْظِهِمْ لَمْ یَنَالُوْا خَیْرًا ؕ وَ كَفَی اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِیًّا عَزِیْزًا ۟ۚ﴿۲۵﴾

(اور اللہ نے کافروں کو غم و غصہ کی حالت میں (بے نیل مُرام) لوٹا یا کہ وہ کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے اور اللہ نے مؤمنوں کو جنگ (کی زحمت) سے بچا لیا اور اللہ بڑا طاقتور (اور) غالب ہے۔)

---

[1] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۱۴۳۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۲۵، ۲۲۶

[2] سورۃ الاحزاب، آیت ۹

[3] علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوریٰ

[4] سورۃ الاحزاب، آیت ۲۵

Presented by Ziaraat.Com

غزوۂ بنو قریظہ

(ذیقعد ۵ ہجری/ مارچ ۶۲۷ء)

یہ غزوہ، غزوۂ خندق کے فوراً بعد ہی ذیقعد ۵ ہجری، مارچ ۶۲۷ء کو واقع ہوا۔ بعض مؤرخین اِس کا مہینہ ذی الحجہ ۵ ہجری لکھتے ہیں [۱] لیکن تاریخ کی مستند کتب ذیقعد ہی بتاتی ہیں۔ [۲]

بنو قریظہ یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جو بنو نضیر کی طرح بہت بڑا اور طاقتور تھا، اُنہی کی نسبت سے اِس کو غزوہ بنو قریظہ کہا جاتا ہے۔ بنو قریظہ کی عہد شکنی اور بغاوت کا کچھ ذِکر گزشتہ صفحات پر غزوۂ خندق کے باب میں ہو چکا ہے۔ جنگِ خندق کے نازک موقع پر اُن کی اُس عہد شکنی کی وجہ سے رسول اللہ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم اور مسلمانوں کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ مشرکین کے لشکر خندق میں شکست کھا کر واپس ہوئے تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم نے مدینہ پہنچ کر بحکمِ الٰہی مسلمانوں کو آرام کرنے کا موقع بھی نہ دیا اور اُسی دن بنو قریظہ کے قلعہ کی طرف کوچ کا حکم صادر فرما دیا، اور سبھی روانہ ہو گئے۔ [۳]

روایت ہے کہ حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم غزوۂ خندق سے واپس اپنے رحمت کدہ پر تشریف لائے ہی تھے کہ جبرائیل عَلَیْهِ السَّلَام حاضر ہوئے اور کہا، حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ فوراً بنی قریظہ کی طرف کوچ کریں اور اُنہیں مہلت نہ دیں۔ جبرائیل عَلَیْهِ السَّلَام نے یہ بھی عرض کیا کہ میں نے اور میرے ساتھی فرشتوں نے ابھی جسموں سے ہتھیار نہیں اُتارے، خدا کی قسم میں جا کر اُن کے قلعوں میں تہلکہ مچاتا ہوں اور اُن کو پامال کرتا ہوں اور ایسے زلزلہ لاتا ہوں جیسے مرغی کے انڈے کو پتھر مارتے ہیں۔ [۴]

جبرائیل عَلَیْهِ السَّلَام کا یہ عرض کرنا کہ میں نے اور میرے ساتھی فرشتوں نے ابھی جسموں سے ہتھیار

---

[۱] مولوی عبدالباری، دعوت دہلی، سیرت طیبہ، ۱۲ ربیع الاول ۱۳۷۹ھ، ص ۱۸۳

[۲] ابوالفداء (متوفی ۱۳۳۱ء) تاریخ ابوالفداء، ج ۱ ص ۱۴۳۔

سید محسن امین عاملی (متوفی ۱۹۵۳ء)، اعیان الشیعہ، ج ۲ ص ۲۳۹

[۳] شذرات الذھب فی اخبار من ذھب لابن العماد الحنبلی ج ۱ ص ۱۱

[۴] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۲۸ بحوالہ صحیح بخاری

Presented by Ziaraat.Com

نہیں اُتارے، غزوۂ خندق کے تناظر میں تھا۔ یعنی خندق کے معرکہ میں وہ نازل ہوئے تھے اور اُس وقت اُن کے بدن پر جو ہتھیار تھے وہ ابھی تک ویسے ہی تھے۔

تاریخ طبری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ غزوۂ خندق سے واپسی پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہتھیار کھول دیے، دوسرے مسلمانوں نے بھی ہتھیار کھول دیے کہ جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہتھیار رکھ دیے مگر ملائکہ نے اب تک ہتھیار نہیں رکھے، حکمِ الٰہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمن کے مقابلے پر جائیں اور اُن سے لڑیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زرہ منگوا کر پہنی اور تمام مسلمانوں کے ساتھ روانہ ہو گئے۔[1]

مدارجُ النبوت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ جب غزوہ سے یا کسی سفر سے تشریف لاتے تو پہلے سیّدۃ نساء العالمین فاطمہ علیہا السلام کے گھر تشریف لاتے اور اُن کو بوسہ دیتے۔ چنانچہ غزوۂ خندق سے واپسی پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے گھر تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک شخص نے گھر کے باہر سے سلام عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر چلے گئے پھر جب واپس تشریف لائے تو فرمایا کہ یہ جبرائیل علیہ السلام تھے اور اُنہوں نے مجھے حکمِ الٰہی پہنچایا ہے کہ میں فوراً بنو قریظہ کی طرف متوجہ ہو جاؤں۔ کہا جاتا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام، صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حُلیے میں آئے تھے۔[2]

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، ''مدینہ میں اعلان کرو کہ اے خدا کے شہسوارو! سوار ہو جاؤ اور یہ بھی کہو کہ جو خدا کے حکم کا فرمانبردار ہے اُسے چاہیے کہ نمازِ عصر بنو قریظہ میں پہنچنے سے پہلے نہ پڑھے۔'' (یعنی نمازِ عصر تک بیٹھے نہ رہیں، فوراً کوچ کریں اور یہ نماز منزل پر پہنچ کر ادا کریں۔)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن اُم کلثومؓ کو مدینہ کا عامل مقرر فرمایا۔ علم لشکر حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے

---

[1] ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری (اردو)، ج ۲ حصہ اوّل، ص ۲۲۵

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۲۸۔

Presented by Ziaraat.Com

سپرد کیا [1] اور اُن کو مقدمۃ الجیش پر مقرر فرمایا اور تین ہزار مجاہدینِ اسلام کے ساتھ بنو قریظہ کی طرف پیش قدمی فرمائی۔ راستے میں بنی نجار کے دستے کو دیکھا جو گھوڑوں پر سوار مستعد کھڑے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منتظر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے دریافت فرمایا کہ تمہیں یوں مسلح ہو کر انتظار میں کھڑے رہنے کو کس نے کہا تھا؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ وحیہ کلبیؓ کہہ گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جبرائیل (علیہ السلام) تھے جو (ہم سے) پہلے روانہ ہوئے تھے۔ [2]

طبری نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی ابن طالب علیہ السلام کو اپنا علم دے کر اپنے سے پہلے بنو قریظہ کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ [3]

چنانچہ حضرت علی علیہ السلام، بنی نجار، بنی عبد الاشہل اور مہاجرین کی جماعتوں کو لئے بنو قریظہ کے قلعوں کے سامنے پہنچے تو اُنہوں نے قلعہ کے اُوپر سے آپ کو دیکھ کر گالیاں بکنا شروع کر دیں اور نہ صرف آپ کی بلکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بھی طرح طرح کے رکیک الفاظ کہے۔ اس جاہلانہ حرکت پر آپ خاموش رہے اور پیچھے تشریف لائے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کے حلقے میں تشریف لا رہے تھے۔ آپ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آگے تشریف نہ لے جائیں تو کیا حرج ہے؟ انشاء اللہ وہ خود رسوا ہو کر رہیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھ گئے کہ وہ لوگ بدزبانی پر اُتر آئیں ہیں۔ علامہ طبرسی کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہیں قیام فرمایا لیکن دیگر مؤرخین لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی یاوہ گوئی کی کوئی پرواہ نہیں کی اور قلعہ کے سامنے تشریف لے گئے۔ [4]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں شام ڈھلے پہنچے۔ مجاہدین نے وہاں پہنچتے ہی محاصرہ کر لیا جو پندرہ دن [5]،

---

[1] ابن الوردی (متوفی ۱۳۴۹ء)، تاریخ ابن الوردی، ج ۱ ص ۱۲۲۔ تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۲۴۔
ابو الفداء (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابو الفداء، ج ۱ ص ۱۴۲۔ عبد الحق محدث دہلوی، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۳۹

[2] شیخ عبد الحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۲۸

[3] ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری (اردو)، ج ۲ حصہ اوّل ص ۲۲۴

[4] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۱۵ بحوالہ علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوریٰ

[5] شیخ عبد الحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۲۸، بحوالہ ابن سعد

Presented by Ziaraat.Com

یا پچیس دن رہا۔[۱] جب محاصرہ طویل ہوا تو حق تعالیٰ نے یہودیوں کے دلوں میں ایسا رعب و خوف ڈالا کہ اُنہوں نے جنگ کا سلسلہ موقوف کر دیا اور اپنے ایک آدمی نباش بن قیس کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ ہم اس شرط پر ہتھیار ڈالنے کو تیار ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں چھوڑ دیں تاکہ ہم اپنے بال بچوں، ہتھیاروں اور مال واسباب کے ساتھ کہیں اور چلے جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی پیشکش کو بحکمِ خدا مسترد فرما دیا۔ وہ عرض پرداز ہوئے کہ ہم اپنے مال واسباب اور اسلحے سے بھی دستبردار ہوتے ہیں ہمیں اجازت دیں کہ بنونضیر کی طرح اپنے اہلِ خانہ ہی کو لے کر نکل جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحکمِ الٰہی اُن کی یہ پیشکش بھی ٹھکرا دی اور فرمایا کہ غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالو، میں جو چاہوں گا وہ فیصلہ کروں گا۔[۲]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم پر بنوقریظہ ششدر رہ گئے۔ اُن کا سردار کعب بن اسد تھا اور اُس کا دوست حیی بن اخطب اُس وقت اُس کا مہمان تھا، دونوں نے اپنی قوم کو مشورہ دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لے آؤ کیونکہ یہ وہی ہیں جن کے اوصاف تورات میں بیان کئے گئے ہیں اور اگر تم ان پر ایمان لے آتے ہو تو تمہارا جان و مال محفوظ رہے گا۔ یہودیوں نے کہا کہ ہم اپنا دِین نہیں چھوڑ سکتے اور تورات پر کسی اور کتاب کو ترجیح نہیں دے سکتے۔ کعب نے کہا کہ تمہارے پاس تین راستے ہیں، اُن میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلو۔

ایک یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لے آؤ جیسا کہ میں نے پہلے کہا۔

دوسرا یہ کہ ہم اپنے بیوی بچوں کو اپنے ہاتھوں قتل کر دیں اور پھر قلعے سے باہر نکل کر مسلمانوں سے مقابلہ کریں۔ اگر مارے گئے تو ہمارے پیچھے مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل ورسوا ہونے کو کوئی نہ ہوگا اور کامیاب ہوگئے تو نئی عورتیں حاصل کرلیں گے اور بچے بھی پیدا کرلیں گے۔

تیسرا یہ کہ آج کی رات مسلمانوں پر شب خون ماریں اور پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۲۸، بحوالہ ابن اسحٰق

[۲] ابوعبداللہ محمد بن عمر واقدی (متوفی ۸۲۲ء)، المغازی للواقدی ج ۲ ص ۵۰۱

Presented by Ziaraat.Com

بنوقریظہ نے کعب کے تینوں مشوروں کو مسترد کر دیا تو اُس نے کہا کہ اپنی پیدائش سے لے کر مدت العمر تم میں سے کوئی شخص ایک شب میں بھی دُور اندیش ثابت نہیں ہوا۔ [1]

پھر ایک روز محاصرے کی طوالت سے گھبرا کر، شکست خوردہ حالت میں وہ قلعے سے باہر آ گئے اور کہا ہمارے متعلق سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) جو فیصلہ کریں گے وہ ہمیں منظور ہے۔

علامہ طبرسی لکھتے ہیں، ''پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچیس دن تک اُن کا محاصرہ قائم رکھا یہاں تک کہ اُن لوگوں نے سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) کے فیصلے پر انحصار کر کے ہتھیار ڈال دیئے۔'' [2]

حضرت سعد (رضی اللہ عنہ) خندق کے غزوہ میں زخمی ہونے کی وجہ سے اس غزوہ میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور پیچھے رہ گئے تھے، چنانچہ اُنہیں لانے کے لئے کسی کو روانہ کیا گیا۔

حضرت سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) کی نامزدگی کی وجہ

حضرت سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) کی بنوقریظہ کے معاملے میں بطور ثالث نامزدگی کی ایک وجہ تو بنوقریظہ خود تھے کیوں کہ حضرت سعدؓ اُن کے بہت اچھے دوست اور حلیف تھے اور وہ اُن پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ دوسری وجہ محققین یہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ میں سب سے پہلے یہودیوں کے قبیلہ بنوقینقاع نے غداری کی تھی، وہ قبیلہ خزرج کے حلیف تھے۔ اُس وقت کا سب سے بڑا منافق عبداللہ بن اُبی قبیلہ خزرج کا ایک اہم رکن تھا، جب بنوقینقاع نے ہتھیار ڈالے تو اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑی پُرزور سفارش کی کہ بنوقینقاع کے ساتھ نرمی برتی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو یہ رعایت دے دی کہ وہ سلامتی کے ساتھ مدینہ سے باہر چلے جائیں۔

باالفاظ دیگر خزرج والوں کی سفارش پر اُن کے حلیف یہودی قبیلہ بنوقینقاع کو رعایت مل گئی تھی۔ بنوقریظہ مدینہ کے دوسرے بڑے قبیلے اوس کا دوست تھا۔ اُن کا معاملہ درپیش آیا تو خزرج کی

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری (اردو)، ج ۲ حصہ اوّل ص ۲۲۵، ۲۲۶

[2] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۱۷، ۳۱۸ بحوالہ علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوریٰ

Presented by Ziaraat.Com

دیکھا دیکھی اوس والے اپنے حلیفوں کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہنے لگے کہ جس طرح خزرج کے دوست قبیلے قینقاع کو عبداللہ بن اُبی کی سفارش پر بخش دیا گیا تھا اُسی طرح ہمارے حلیف بنی قریظہ پر بھی کرم فرمایئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ صورت حال ملاحظہ کرتے ہوئے فرمایا، ''کیا تم اس پر تیار ہو کہ اِن کا معاملہ سعد بن معاذ پر چھوڑ دیا جائے؟'' سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کیونکہ قبیلہ اوس کے سردار تھے اس لئے وہ لوگ بخوشی اس پر تیار ہو گئے۔ پس، حضرت سعد بن معاذ کو بلایا گیا۔[۱]

اوس کے لوگ حضرت سعدؓ کی طرف بھاگے اور کہا کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنوقریظہ کی قسمت کا فیصلہ آپ پر چھوڑا ہے، یہ آپ کے حلیف بھی ہیں اور اُن کی ساری اُمیدیں اب آپ سے وابستہ ہیں لہٰذا جس طرح عبداللہ بن اُبی نے اپنے دوستوں (بنوقینقاع) کو چھڑایا تھا آپ اِن پر شفقت کریں تاکہ یہ قتل ہونے سے بچ جائیں۔ حضرت سعدؓ خاموش رہے۔ اوس کے لوگ اُن کی منت سماجت کرنے لگے اور جب اُن کا اصرار بہت بڑھ گیا تو حضرت سعدؓ کہنے لگے، ''یہ وقت ایسا نہیں ہے کہ خدا کے دشمنوں کی سفارش کی جائے۔'' اوسی مایوس ہو گئے اور سمجھ گئے کہ بنوقریظہ قتل ہی کیے جائیں گے۔[۲]

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر بڑے احترام کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر کیا گیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے فرمایا، ''اے سعد! ان کے بارے میں حکم دو۔'' حضرت سعدؓ نے کہا، ''خدا اور اُس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی حکم دینے کے سزاوار ہیں۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''بے شک، (لیکن) تمہیں حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کے بارے میں تم فیصلہ کرو۔''[۳]

---

[۱] ابن الوردی (متوفی ۷۴۹ھ ۱۳۴۹ء)، تاریخ ابن الوردی ج ۱ ص ۱۱۲
[۲] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۳۱
[۳] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۳۲

Presented by Ziaraat.Com

ہمارا قیاس یہ ہے کہ حضرت سعدؓ کو یہ مقام ومرتبہ غزوۂ خندق میں اُن کے ساتھ بنوقریظہ کے توہین آمیز سلوک کے بعد اُن کی مانگی گئی دُعا کی قبولیت کی وجہ سے ملا تھا۔ تیر کا مہلک زخم آنے کے بعد اُنھوں نے دعا کی تھی کہ پروردگار! مشرکینِ قریش سے جنگ اگر باقی ہے تو مجھے اُن سے مقابلے کے لئے زندہ رکھ اور اگر ختم ہو چکی ہے تو پھر اس زخم کو میری شہادت کا ذریعہ بنا دے مگر مجھے اُس وقت تک دُنیا سے نہ اُٹھانا جب تک کہ بنوقریظہ کا انجام اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔'' اُن کی دعا قبول ہوگئی تھی اور خون بہنا بند ہو گیا تھا۔ (۱)

اوس کے لوگوں نے ایک بار پھر بنوقریظہ کے لئے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی منت سماجت شروع کر دی۔ اُنہوں نے کہا، ''تم سے اللہ تعالیٰ کا عہد ومیثاق یہ ہے کہ میں جو حکم کروں تم سب اُسے تسلیم کرو۔'' سب نے کہا، ''ہم تسلیم کریں گے۔''

اربابِ سیر نے یہاں بڑی عجیب ولطیف اور گہری بات لکھی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتوقیر اور ادب واحترام کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو براہِ راست مخاطب کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب رُخ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متوجہ کرنے سے اجتناب کیا اور کہا، ''جو یہاں موجود ہیں کیا وہ میرے حکم پر راضی ہیں؟'' (۲)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''حکم وہی ہے جو تم کرو گے۔''

پس، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حکم دیا، ''بنی قریظہ کے مردوں کو قتل کر دیا جائے، ان کی عورتوں اور بچوں کو باندیاں اور غلام بنا لیا جائے اور ان کے ساز وسامان اور اموال کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔'' رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اے سعد! تم نے ان کے بارے میں وہ حکم دیا ہے جو حق تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اُوپر سے کیا تھا۔'' (۳)

---

(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۲۴

(۲) ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری (اردو)، ج ۲ حصہ اوّل، ص ۲۲۸
شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۳۲

(۳) ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری (اردو)، ج ۲ حصہ اوّل، ص ۲۲۸
شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۳۲

Presented by Ziaraat.Com

بنو قریظہ کا انجام

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ بنو قریظہ کا تمام مال ومتاع اور اسلحہ جمع کر لو اور انہیں گرفتار کر کے مدینہ لے چلو۔

اُن کے قلعے سے برآمد ہونے والے سامان میں پندرہ سو (۱۵۰۰) تلواریں، تین سو (۳۰۰) زرہیں، دو ہزار (۲۰۰۰) نیزے اور پانچ سو (۵۰۰) یا بروایتے پندرہ سو (۱۵۰۰) مختلف اقسام کی ڈھالیں تھیں، اس کے علاوہ شراب کا بہت بڑا ذخیرہ بھی تھا جسے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے بہا دیا گیا۔ [1] اسلحے کی اتنی بڑی مقدار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک بڑی جنگ کے لئے تیار تھے۔

مدینہ پہنچ کر مرد قیدیوں کو اُسامہ بن زید کے مکان میں بھیج دیا گیا اور عورتوں اور بچوں کو ایک خاتون بنتِ حارث کے مکان میں پہنچا دیا گیا، پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر قیدیوں کے لئے دونوں جگہ کھجوروں کے ٹوکرے بھجوائے گئے جو اُنہوں نے پیٹ بھر کر کھائے۔ [2]

اگلی صبح پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر جا بجا گڑھے کھودے گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ اصحاب کے ساتھ ایک جگہ تشریف فرما ہوئے جہاں بنی قریظہ کے لوگوں کو لایا جاتا اور اُن کی گردنیں قلم کر دی جاتیں۔

واقدی کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرزِ عمل سے بالکل نمایاں تھا کہ وہ اُسے ایک ناخوشگوار فریضہ سمجھ رہے تھے جسے مجبوراً اُن جرائم کی شدت کی بنا پر ادا کیا جا رہا تھا جن کا ارتکاب بنو قریظہ نے کیا تھا اور اس فریضے کی ادائیگی میں کوئی انتقام یا دشمنی کا جذبہ قطعاً نہیں تھا چنانچہ جو لوگ قتل کئے جا رہے تھے اُن کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ترحم کے جذبات بھی کارفرما تھے اس لئے دوپہر کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اب گرمی زیادہ ہو گئی ہے انہیں سایہ میں لے جاؤ اور لیٹنے کا موقع دو اور ٹھنڈا پانی پلاؤ کہ انہیں سکون ملے اور باقی ماندہ لوگوں کو دوسرے وقت قتل کرنا، ایسا نہ ہو کہ سورج کی گرمی اور ہتھیار کی گرمی دونوں کو ان پر ایک ساتھ مسلط کر دو۔ یہ سُن کر

---

[1] ابو عبداللہ محمد بن عمر واقدی (متوفی ۸۲۲ء)، واقدی، ج ۲ ص ۵۰۹۔ مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۳۱

[2] ابو عبداللہ محمد بن عمر واقدی (متوفی ۸۲۲ء)، واقدی ج ۲ ص ۵۱۲

Presented by Ziaraat.Com

اصحاب اُنہیں لے گئے، آرام دہ جگہوں پر رکھا اور کھانا پانی پہنچایا۔ جب ٹھنڈا وقت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر تشریف لائے اور باقی افراد کو قتل کیا گیا۔[1]

اسی دوران بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ ملعون آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انتہائی بغض و عناد رکھتا تھا۔ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ میں رونق افروز ہوئے تھے تو وہ صبح و شام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود رہتا اور منافقت برتا کرتا۔ اُس کے بھائی یاسر بن اخطب نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اُس سے پوچھا کہ کیا یہ وہی مقدس ہستی ہیں جن کے اوصاف ہم تورات میں پڑھتے ہیں؟ اُس نے تمسخر سے کہا ''ہوبہو'' یعنی یہ ہیں تو وہی لیکن میرے دل میں اُن کے لئے عداوت کے سوا کچھ نہیں۔ جب اُسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اے دشمنِ خدا! آخر کار حق تعالیٰ نے تجھے میرا اسیر بنا دیا، تجھ پر ذلت و خواری مسلط کر دی اور مجھے تجھ پر غالب کر کے حاکم بنایا۔'' وہ شقیُ القلب اب بھی گستاخی سے باز نہ آیا اور کہنے لگا، ''میں خود کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عداوت میں ملامت نہیں کرتا لیکن جس کو اللہ رسوا کرے اُسے کوئی عزت نہیں ملتی۔ میں نے اپنی عزت تلاش کی اور خدا نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ظفر مند کیا۔'' شاید وہ کچھ اور بھی کہتا لیکن حیدر کرار علی علیہ السلام نے ذوالفقار کھینچی اور اُس کا سر تن سے جدا کر دیا۔

اُس کے بعد کعب بن اسد کو لایا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس سے فرمایا، ''اے کعب! ایمان لے آؤ۔ تم تو اچھی طرح جانتے ہو کہ میں رسولِ برحق ہوں۔'' کعب نے کہا، ''میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تصدیق اور اطاعت کرتا لیکن مجھے شرم آتی ہے کہ لوگ کہیں گے عاجز ہو کر اور جان کے خوف سے ایمان لے آیا، پس میں دینِ یہود پر ہوں اسی پر مروں گا۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام نے اُسے بھی جہنم واصل کر دیا۔

اربابِ سیر کہتے ہیں اُس دن حضرت علی علیہ السلام اور حضرت زبیرؓ، رات تک بنو قریظہ کے قتل میں

---

[1] ابو عبداللہ محمد بن عمر واقدی (متوفی ۸۲۲ء)، واقدی ج ۲ ص ۵۱۴

Presented by Ziaraat.Com

مصروف رہے جن کی مجموعی تعداد چار سو تھی۔ بعض نے چھ سو، سات سو اور نو سو بھی لکھی ہے لیکن چار سو والی روایت کو مؤرخین کی اکثریت نے صحیح کہا ہے۔ کچھ قیدیوں کو آزاد کر دیا گیا، بعض کو ہِبہ (کسی کو دے دینا) کر دیا گیا اور اُن کا مال و اسباب مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ (۱)

واقدی کے مطابق مقتولین کی تعداد ساڑھے سات سو تھی۔ عورتوں اور بچوں کو کنیزوں اور غلاموں کی حیثیت سے فروخت کر دیا گیا جن کی تعداد ایک ہزار تھی۔ اُن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تاکید فرمائی کہ کسی ماں سے اُس کے بچے کو اُس وقت تک جدا نہ کیا جائے جب تک وہ سنِ بلوغت کو نہ پہنچ جائے۔ (۲)

علامہ علی نقی نقوی صاحب نے ''تاریخ اسلام'' میں میرے دل کی بات لکھی ہے، فرماتے ہیں، ''دل کہتا ہے اگر وہ (بنو قریظہ) اپنے کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رحم و کرم پر چھوڑتے تو اُنہیں اتنے تباہ کن انجام کا شاید سامنا نہ کرنا پڑتا۔ مگر اُنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلقِ عظیم پر بے اعتمادی سے کام لیتے ہوئے اپنے ذاتی تعلقات پر بھروسا کیا اور سعدؓ کو ثالث بنا دیا جس کے بعد فیصلہ کی ذمہ داری خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر بالکل نہ رہی۔ اُنہیں سعدؓ کے ذاتی تعلقات پر بھروسا تھا جو اُنہوں نے اُن کا نام ثالثی کے لئے پیش کیا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اُن (سعدؓ) کے خلوصِ ایمانی پر اعتماد تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کی اس پیشکش کو قبول فرمالیا۔'' (۳)

سطحی نظر سے دیکھا جائے تو یہ فیصلہ مناسب معلوم نہیں ہوتا لیکن شریعت، قانون اور عدل و انصاف کی رُو سے دیکھا جائے تو یہ فیصلہ بالکل درست ہے۔ جیسا کہ اُوپر ذِکر کیا جا چکا ہے کہ فیصلے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت سعدؓ سے فرمایا، ''اے سعد! تم نے ان کے بارے میں وہ حکم دیا ہے جو حق تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اُوپر سے کیا تھا۔'' (۴)

---

(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۲۷

(۲) ابوعبداللہ محمد بن عمر واقدی (متوفی ۸۲۲ء)، واقدی، ج ۲ ص ۵۱۸، ۵۲۳، ۵۲۴

(۳) علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۱۹

(۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۲۷

Presented by Ziaraat.Com

مولانا شبلی نعمانی صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جو فیصلہ کیا وہ تورات کے مطابق تھا، توراۃ کتاب تشنیہ اصحاح ۲۰ فقرہ ۱۰ میں ہے، ''جب کسی شہر پر حملہ کرنے کے لئے تُو جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے۔ اگر وہ صلح کرلیں اور تیرے لئے دروازے کھول دیں تو جتنے لوگ وہاں موجود ہوں سب تیرے غلام ہوجائیں گےلیکن اگر صلح نہ کریں تو اُن کا محاصرہ کراور جب تیرا خدا تجھ کو اُن پر قبضہ دلادے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کردے۔ باقی بچے، عورتیں، جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مال غنیمت ہوں گی۔''[۱]

ڈاکٹر عبدالعلیم لکھتے ہیں، ''دراصل بنو قینقاع اور بنونضیر کے ساتھ جو سلوک کیا گیا تھا وہ انصاف نہیں تھا بلکہ اس میں رحم کی کارفرمائی نظر آتی ہے اس لئے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا رحیم انسان اُس (رحم کی کارفرمائی) کا ذمہ دار ہے۔ ہاں بنو قریظہ کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا گیا اور سختی کے ساتھ وہ سزا دی گئی جس کے وہ مستحق تھے۔ اگر کسی کو اس میں بے جا شدت نظر آتی ہے تو اُس کے ذمہ دار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں بلکہ سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) ہیں جو بنو قریظہ کے دوست تھے اور جنہیں خود اُنہوں نے نامزد کیا تھا۔ یورپی مؤرخ لین پول لکھتا ہے کہ سزا سخت تھی لیکن یہ فراموش نہ کرنا چاہئے کہ اُن لوگوں کا جرم حکومت سے کھلم کھلا بغاوت تھی اور وہ بھی محاصرے کے زمانہ میں۔ جو لوگ یہ پڑھ چکے ہیں کہ ولنگٹن کی فوج کے راستے کا پتہ غداروں اور ڈاکوؤں کی اُن لاشوں سے چلتا تھا جو اِدھر اُدھر درختوں پر لٹکتی ہوتی تھیں تو اُنہیں تو کم از کم ایک غدار قبیلہ کے قتل کیے جانے پر متعجب نہیں ہونا چاہیے۔''[۲]

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہادت

جب بنو قریظہ کے یہود اپنے انجام کو پہنچ گئے تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا زخم پھر کھل گیا اور خون بہنے لگا یہاں تک کہ وہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔

---

۱ مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۴ء)، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حصہ اوّل ص ۴۳۵

۲ ڈاکٹر عبدالعلیم، سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مستشرقین ص ۷۶

Presented by Ziaraat.Com

روایت ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے وقت اخیر، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے سرہانے تشریف فرما تھے اور اُن کے سر کو اپنے زانوئے اقدس پر رکھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی، ''یا اللہ! سعد کو اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لے، اس نے تیرے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تصدیق کی اور اسلام کے جو حقوق اس پر عائد تھے اس نے ادا کئے اور تُو اس کی روح کو بہترین طریقے سے کہ جس طرح تُو اپنے پیاروں کی روحوں کو قبض کرتا ہے قبض فرما۔'' رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی سماعت تک پہنچے تو آنکھیں کھولیں اور عرض کیا، ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہ'' پھر کہا، ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوب تبلیغ رسالت کا حق ادا فرمایا۔'' پھر اُنہوں نے اپنے سر کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زانوئے مبارک سے اُٹھایا اور معذرت خواہی کرتے ہوئے رخصت کی اجازت طلب کی۔

روایت ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سفرِ آخر پر روانہ ہوئے تو جبرائیل علیہ السلام بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی کی وفات پر اُس کی روح کے استقبال کے لئے آسمانوں کے دروازے کھولے گئے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تجہیز و تکفین کے لئے تشریف لے گئے۔ سعد رضی اللہ عنہ طویل القامت اور تنومند تھے لیکن اُن کا جنازہ بہت ہلکا تھا۔ لوگوں نے اس پر حیرت کا اظہار کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سعد کے جنازے کو فرشتوں نے اُٹھا رکھا تھا اس وجہ سے ہلکا لگتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اُس کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے موجود تھے۔[1]

حضرت ابولبانہ رضی اللہ عنہ کی پشیمانی

غزوۂ بنوقریظہ کے حوالے سے حضرت ابولبانہ رفاعہ بن عبدالمنذر اوسی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ تاریخ میں بہت مشہور ہے۔ ابولبانہ رضی اللہ عنہ، بنوقریظہ کے حلیف اور دوست تھے اس لئے محاصرہ کے دوران نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں مذاکرات کیلئے بنوقریظہ کی طرف روانہ کیا۔ وہ قلعہ میں پہنچے تو یہودیوں نے

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۳۴

Presented by Ziaraat.Com

اُن کا پرتپاک استقبال کیا۔ اُن کی عورتیں اور بچے اُن کے سامنے محاصرہ کی وجہ سے ہونے والی پریشانی کی شکایت کر کے گریہ وزاری کرنے لگے۔ حضرت ابولبابہ اُن کی حالتِ زار سے بہت متاثر ہوئے چنانچہ بات چیت کے دوران جب اُنہوں نے پوچھا کہ ہم ہتھیار ڈال کر قلعے سے باہر آجائیں تو ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟

ابولبابہ نے اپنے حلق پر ہاتھ پھیر کر اشارہ کیا کہ تم قتل کر دیے جاؤ گے۔ معاً انہیں خیال آیا کہ میں نے یہ کیا کر دیا؟ یہ تو قومی اور فوجی نکتہ نگاہ سے غداری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں سراسر خیانت ہے، چنانچہ استغفار پڑھنے لگے اور اپنی غلطی پر نادم و گریہ کناں ہوئے۔ پھر بغیر اپنے ساتھیوں سے ملے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، مسجد نبوی پہنچے اور ایک ستون کے ساتھ خود کو باندھ لیا۔ (وہ ستون آج بھی مسجد نبوی میں ''اسطوانہ ابولبانہ'' یعنی ''ستون ابولبانہ رضی اللہ عنہ'' کے نام سے موسوم اور موجود ہے) ستون کے ساتھ بندھ جانے کے بعد ابولبانہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ میں یہاں سے اُس وقت تک نہ جاؤں گا جب تک کہ میری توبہ قبول نہ ہو اور حق تعالیٰ میرے اس گناہ کو بخش نہ دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو فرمایا کہ وہ میرے پاس آتے تو میں اُن کے لئے دعائے مغفرت کرتا۔ پس قرآن حکیم میں ارشادِ حق تعالیٰ ہوا:[1]

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿٦٤﴾

(اور اگر یہ لوگ جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آجاتے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی ان کے لئے استغفار کرتے تو یقیناً یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے)

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اب جبکہ انہوں نے خود بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو کر خود کو باندھ لیا ہے تو میں اُس وقت تک انہیں نہیں کھول سکتا جب تک کہ حق تعالیٰ ان کی توبہ نہ قبول فرمائے اور ان کے گناہ کو نہ بخشے۔

---

[1] سورۃ النساء، آیت ٦٤

Presented by Ziaraat.Com

حضرت ابولبانہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی مسجد میں آتی اور اُنہیں کچھ کھلا پلا جاتی، نماز کے وقت یا قضائے حاجت کے لئے اُن کو کھولا جاتا، اس کے بعد وہ پھر خود کو بھاری زنجیر سے باندھ لیتے۔ پندرہ دن اسی طرح گذر گئے، اُن کی سماعت جاتی رہی اور قریب تھا کہ بینائی بھی رخصت ہو جاتی کہ توبہ کی قبولیت کی نوید وحی کی صورت میں آئی۔ روایت ہے کہ جناب سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ کے گھر تشریف فرما تھے، سحری کا وقت تھا کہ حضرت اُم سلمہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تبسم فرماتے دیکھا۔ اُنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابولبانہ کی توبہ قبول ہو گئی ہے اور اُن کو بخش دیا گیا ہے۔ حضرت اُم سلمہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اجازت مرحمت فرمائیں تو میں جا کر اُنہیں یہ بشارت دے دوں؟ فرمایا، ''اگر تمہاری خواہش ہے تو جا کر یہ نوید دے دو۔'' اس کے بعد بی بی اپنے حجرہ کے دروازہ پر کھڑی ہوئیں اور کہا، ''اے ابولبانہ! تمہارے لئے خوشخبری ہے کہ تمہاری توبہ قبول ہو گئی ہے۔'' (اربابِ سیر لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ آیتِ حجاب کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے) یہ سننا تھا کہ مسجد میں موجود لوگ حضرت ابولبانہ رضی اللہ عنہ کو کھولنے کے لئے دوڑے مگر اُنہوں نے کہا کہ مجھے مت کھولو۔ میری آرزو ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اپنے دستِ مبارک سے آزاد فرمائیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو اپنے دستِ مبارک سے اُن کو بندشوں سے آزاد فرمایا۔[۱]

صاحبِ المواھبُ اللدنیہ، دلائل النبوۃ کے بیہقی اور محمد بن اسحٰق، حضرت ابولبانہ رضی اللہ عنہ کا مندرجہ بالا واقعہ غزوۂ بنو قریظہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں جبکہ بقولِ ابن مسیب اور بروایتِ ابن عباس رضی اللہ عنہ اُن کا اسطرح بندھنا غزوۂ تبوک میں اُن کے پیچھے رہ جانے کی بنا پر تھا۔[۲]

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۲۷

[۲] شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۲۷ بحوالہ المواھبُ اللدنیہ، دلائل النبوۃ

Presented by Ziaraat.Com

حجاب کا حکم

(یکم ذیقعد ۵ ہجری/ ۲۴ مارچ ۶۲۷ء)

زمانۂ جاہلیت کے عربوں میں پردے کا کوئی رواج نہیں تھا اور ایک دوسرے کے گھروں میں آزادانہ آنے جانے پر کوئی قدغن نہیں تھی بلکہ اسے محبت و یگانگت پر محمول کیا جاتا تھا۔ آپس میں جان پہچان رکھنے والے لوگ ایک دوسرے کے گھروں میں بلا جھجک آتے جاتے تھے اسطرح گھریلو پردہ داری اور خلوت کا کوئی تصور نہیں تھا۔ خواتین گھروں میں اکیلی ہوں اور غیر مردوں کی آمدورفت ایک معمول ہو تو ایسی آزادی بے راہروی کا سبب بن سکتی ہے، چنانچہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی ممکنہ بے راہروی کا سدِ باب کر دیا اور فرمایا کہ ایک دوسرے کے گھروں میں بغیر اجازت یوں آزادانہ مت داخل ہوا کرو اور اگر ان گھروں میں کسی آدمی کو نہ پاؤ تو بھی نہ آیا جایا کرو، اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو واپس چلے جایا کرو کیونکہ یہ طریقہ کار بہت پاکیزہ ہے۔

پس ارشادِ خداوند متعال ہوا:[۱]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾

(اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو۔ جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ کرلو۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ تاکہ نصیحت حاصل کرو۔ پھر اگر ان (گھروں) میں کسی (آدمی) کو نہ پاؤ تو ان میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ

---

[۱] سورۃ النور، آیت ۲۷،۲۸

Presented by Ziaraat.Com

تمہیں اجازت نہ مل جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ یہ (طریقہ کار) تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ ہے۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اُسے خوب جانتا ہے)

ایک طرف تو نبی گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے ایک دوسرے کے گھروں میں آزادانہ داخلے پر پابندی لگا دی اور اس کے لئے ایک بہترین طریقہ کار بھی وضع فرمادیا تو دوسری طرف مردوں کو حکم دیا کہ تاک جھانک کی عادت ٹھیک نہیں ہے اس لئے اپنی نظریں بھی نیچی رکھا کرو، بدکاری سے بچو کیونکہ یہی پاکیزگی کے حصول کا ذریعہ ہے۔

چنانچہ ارشاد الٰہی ہوتا ہے:[1]

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰

(اے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ مؤمن مردوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ (طریقہ) اُن کیلئے زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے۔ بے شک لوگ جو کچھ کیا کرتے ہیں اللہ اُس سے خوب واقف ہے)

معلم اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں مردوں کو آدابِ معاشرت سکھائے وہاں عورتوں کو بھی تنبیہ فرمادی کہ تم بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کرو، برائی سے اجتناب کیا کرو اور اپنی آرائش و زیبائش کو ظاہر نہ کیا کرو یعنی پردہ کیا کرو۔ اور ساتھ ہی اس کی وضاحت بھی فرمادی کہ تمہیں کن لوگوں سے پردہ کرنا ہے اور کن لوگوں کے سامنے اس کی ضرورت نہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے فرمادیا:[2]

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ

---

[1] سورۃ النور، آیت ۳۰

[2] سورۃ النور، آیت ۳۱

Presented by Ziaraat.Com

زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۪ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

(اے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اور آپ مؤمن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت و آرائش کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو خود بخود ظاہر ہو جائے اور چاہیے کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنی زیبائش و آرائش ظاہر نہ کیا کریں سوائے اپنے شوہروں کے، یا اپنے باپ داداؤں کے، یا اپنے شوہروں کے باپ داداؤں کے، یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے، یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی (ہم مذہب) عورتوں کے یا اپنے غلاموں یا لونڈیوں یا نوکروں چاکروں کے جو جنسی خواہش نہ رکھتے ہوں۔ یا اُن بچوں کے جو ابھی عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف نہیں ہیں اور وہ اپنے پاؤں (زمین پر) اس طرح نہ مارا کریں کہ جس سے ان کی وہ زیبائش و آرائش معلوم ہو جائے جسے وہ چھپائے ہوئے ہوں۔ اے اہل ایمان! تم سب مل کر اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام جہانوں کے لئے نورِ ہدایت ہیں پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں عام خواتین و حضرات کو معاشرتی زندگی کے قوائد وضوابط سکھائے وہاں اپنی ازواج سے بھی فرمادیا کہ تم عام خواتین کی طرح نہیں ہو بلکہ نبی کی بیویاں ہونے کے ناطے تمہارا درجہ خاص ہے اس لئے عام عورتوں کے لب و لہجے اور طور طریقوں کو اپنانے سے گریز کرو اور حجاب اوڑھا کرو۔

Presented by Ziaraat.Com

چنانچہ ارشادِ پروردگارِ عالم ہوتا ہے: [1]

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾

(اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیویو! تم (عام) عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم پرہیزگاری اختیار کرو۔ پس تم ایسے نرم لہجہ میں بات نہ کرو کہ جس کے دل میں کوئی بیماری ہے وہ طمع کرنے لگے اور قاعدے کے مطابق (باوقار طریقہ سے) بات کیا کرو)

اور پھر ارشادِ باری تعالیٰ ہوا: [2]

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾

(اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی بیویوں، بیٹیوں اور (عام) اہلِ ایمان کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ (باہر نکلتے وقت) اپنے اُوپر چادر (بطور حجاب) لٹکا لیا کریں یہ طریقہ قریب تر ہے کہ وہ پہچان لی جائیں اور ستائی نہ جائیں اور اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے)

نوٹ: حجاب سے متعلق مکمل شرعی احکام جاننے کے لئے مستند دینی کتب سے رجوع کریں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

---

[1] سورۃ الاحزاب، آیت ۳۲

[2] سورۃ الاحزاب، آیت ۵۹

Presented by Ziaraat.Com

سنہ ۶ ہجری

سریۂ محمد بن مسلمہؓ یا سریۂ نجد

(۱۰ محرم ۶ ہجری/ یکم جون ۶۲۷ء)

اس مہم میں نجد کے بنی حنفیہ کا سردار ثمامہ بن اُثال گرفتار کر کے مدینہ لایا گیا۔ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تین دن بعد اُسے آزاد کر دیا۔ اُس عرصے میں وہ مسلمانوں کو باجماعت نماز پڑھتے دیکھتا اور اُن کے اور خاص طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طرزِ عمل کا مطالعہ کرتا رہا اور اس قدر متاثر ہوا کہ آزاد ہوتے ہی اسلام قبول کر لیا۔ ثمامہ نجد کا سردار تھا، اُس کا علاقہ غلّے کا بہت بڑا مرکز تھا جہاں سے مکّہ میں بھی اناج جاتا تھا۔ اُس نے اہلِ مکّہ کے مشرک ہونے کے سبب اُن کو غلّے کی ترسیل بند کر دی جسکی وجہ سے وہاں اناج کا قحط پڑ گیا۔ قریش نے مجبور ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں گذارش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کی درخواست کو قبول فرماتے ہوئے ثمامہ کو اناج کی ترسیل بحال کرنے کا حکم دیا، چنانچہ اُن کو غلّے کی فراہمی دوبارہ شروع کر دی گئی۔[1]

غزوۂ بنولحیان

(یکم ربیع الاوّل ۶ ہجری/ ۲۱ جولائی ۶۲۷ء)

یہ غزوہ ربیع الاوّل میں اور ابن اسحٰق کے مطابق جمادی الاوّل ۶ ہجری میں اور بروایتے ۵ ہجری میں ہوا۔ مؤرخین کے مطابق اس کا مقصد شہدائے رجیع کا انتقام لینا تھا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دوسو (۲۰۰) مجاہدین کو لے کر بنی لحیان کی سرکوبی کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہلے اُس جگہ پہنچے جہاں سریۂ رجیع کے مسلمانوں کو شہید و اسیر کیا گیا تھا اور اُن کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ اس دوران بنولحیان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ فرار ہو کر پہاڑوں میں روپوش ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہاں ایک دو روز قیام فرمانے کے بعد واپس تشریف لے آئے۔[2]

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ص ۵۷۲ بحوالہ زاد المعاد، سیرۃ ابن ہشام، استیعاب

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۴۱

Presented by Ziaraat.Com

غزوہ ذی قرد یا غزوۂ غابہ
(ربیع الاوّل ٦ ہجری)

مدینہ منورہ سے ایک منزل دور شام کے راستے میں ایک چشمہ تھا جسے ذی قرد کہا جاتا تھا اور غابہ ایک جنگل کا نام ہے جہاں مسلمانوں کے اُونٹ چرا کرتے تھے۔ یہ غزوہ غابہ کے جنگل سے شروع ہوا اور ذی قرد کے چشمے تک جا پہنچا اسی وجہ سے یہ دونوں ناموں سے موسوم ہے۔

یہ غزوہ ربیع الاوّل ٦ ہجری میں [1] یا ذی الحج ٦ ہجری یا محرم ٧ ہجری میں پیش آیا۔ [2]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُونٹ غابہ میں چرا کرتے تھے۔ عتبہ بن حصین فزاری [3] یا بقولے عبدالرحمٰن بن عُیینہ [4] اپنے گروہ کے ساتھ غابہ کی چراگاہ پر حملہ آور ہوا، چرواہوں کو شہید کر دیا جن میں ایک حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا بیٹا بھی تھا اور اُونٹوں کو ہنکا کر لے گیا۔ اتفاقاً حضرت سلمہؓ بن الاکوع، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدمتگار حضرت رباحؓ کے ساتھ اُدھر جا نکلے۔ اُنہوں نے رباحؓ کو اطلاع پہنچانے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں روانہ کر دیا اور خود لٹیروں کے تعاقب میں نکل گئے۔ حضرت سلمہؓ ماہر تیر انداز تھے، اُنہوں نے خوب دلیری کے ساتھ لٹیروں کا پیچھا کیا اور اُن میں سے کئی اپنے تیروں کے ذریعے گرا لئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانچ سو اور بروایتے سات سو صحابہ کے ساتھ جن میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بھی تھے، اُن کی سرکوبی کو روانہ ہوئے اور بہت جلد سلمہؓ بن الاکوع سے جا ملے۔ سلمہؓ کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن مارا گیا اور ہم باقی کافروں کا تعاقب کرتے ہوئے اُس گھاٹی میں داخل ہو گئے جہاں پانی کا چشمہ ذی قرد تھا۔ [5] اس غزوہ میں مشرکین کے چند آدمی ہلاک ہوئے باقی بھاگ گئے۔ کچھ ناقے اُن سے چھڑا لئے گئے۔

---

[1] سید محسن امین عاملی (متوفی ۱۹۵۳ء)، اعیان الشیعہ، ج ۲ ص ۲۴۵

[2] مولوی عبدالباری ایم اے، دعوت دہلی سیرۃ طیبہ نمبر ۱۶ ستمبر ۱۹۵۹ء

[3] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۴۳

[4] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۵۷۳

[5] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۴۴

Presented by Ziaraat.Com

سریۂ غمر یا سریۂ عکاشہ بن محصنؓ

(ربیع الآخر ۶ ہجری/ اگست ستمبر ۶۲۷ء)

اس سریہ میں حضرت عکاشہ بن محصنؓ کو ربیع الآخر ۶ ہجری میں غمر کی طرف روانہ کیا گیا۔ اس وجہ سے اس سریہ کو سریۂ غمر یا سریہ عکاشہ کہا جاتا ہے۔[1]

سریۂ ذی القصہ یا سریۂ بنو ثعلبہ

(ربیع الآخر ۶ ہجری/ اگست ستمبر ۶۲۷ء)

ذی القصہ میں بنی ثعلبہ اور بنی غوال نے شورش برپا کر رکھی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم پر حضرت محمد بن مسلمہؓ دس مجاہدین کے ساتھ ربیع الآخر ۶ ہجری میں اُن کی سرکوبی کو روانہ ہوئے۔ اس مہم میں حضرت محمد بن مسلمہؓ شدید زخمی ہوئے جبکہ باقی تمام مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا۔[2]

وہ رات کا وقت تھا اور تقریباً سو آدمی مقابلے پر نکل آئے تھے۔ دونوں طرف سے تیر اندازی ہوئی آخر کار کفار نے یکبارگی حملہ کیا جس میں تمام مسلمان شہید ہو گئے۔ صرف حضرت محمد بن مسلمہؓ بچے جو زخمی ہو کر گر پڑے تھے۔ اُنھیں ایک مسلمان اُٹھا کر مدینہ لایا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو چالیس مجاہدین کے ساتھ اُن کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا۔[3]

سریۂ جموم

(ربیع الآخر ۶ ہجری/ اگست ستمبر ۶۲۷ء)

مدینہ سے چار کوس کے فاصلے پر بطن نخلہ کے قریب جموم کی بستی میں قبیلہ بنو سلیم رہتا تھا۔ اُن کی

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ص ۵۷۳

[2] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ص ۵۷۳

[3] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۴۱، ۲۴۲

Presented by Ziaraat.Com

شورش کو فرو کرنے کے لئے ربیع الآخر ۶ ہجری میں حضرت زید بن حارثہؓ کو بھیجا گیا لیکن لڑائی کی نوبت نہ آئی۔[1]

سریۂ وادی القریٰ

(رجب ۶ ہجری/نومبر دسمبر ۶۲۷ء)

اس جماعت میں بارہ مجاہدین تھے جن کے قائد حضرت زید بن حارثہؓ تھے۔ رجب ۶ ہجری میں بنی فزارہ نے وادی القریٰ میں اُن پر حملہ کیا جس کے نتیجے میں نو مجاہد شہید اور ایک زخمی ہوا۔[2]

سریۂ علی مرتضیٰ علیہ السلام یا سریۂ فدک

(شعبان ۶ ہجری/جنوری ۶۲۸ء)

شعبان ۶ ہجری/جنوری ۶۲۸ء میں بنی سعد بکر نے یہود کی مدد کے لئے فدک کے قریب ایک لشکر جمع کیا جس کی سرکوبی کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کی کمان میں دو سو مجاہدین کا ایک دستہ روانہ کیا۔ امیر المومنین علی علیہ السلام نے اس تیزی سے اُن کو جا لیا کہ وہ اس غیر متوقع اور اچانک حملے سے حواس باختہ ہو کر بھاگ گئے۔[3]

مدارج النبوت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب کا بیان ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فدک اور خیبر کے درمیان اُن پر اچانک حملہ کر دیا۔ بنو سعد نے شکست کھائی اور اُن کے پانچ سو اُونٹ اور ایک ہزار بکریاں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں۔ اس کے بعد علی المرتضیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ بغیر کوئی نقصان اُٹھائے مدینہ طیبہ واپس آ گئے۔[4]

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۵۷۳

[2] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۵۷۴

[3] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۵۷۳

[4] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۴۸

Presented by Ziaraat.Com

حدیبیہ کا معرکہ

(یکم ذیقعد ۶ ہجری/ ۱۲ مارچ ۶۲۸ء)

مقام حدیبیہ

حدیبیہ ایک کنویں کا اور بقولے ایک درخت کا نام تھا اور وہ جگہ جہاں پر وہ کنواں یا درخت واقع تھا حدیبیہ کے نام سے موسوم ہوگئی۔ حدیبیہ مکّہ مکرمہ سے نو میل کے فاصلے پر ہے اور مقام حل وحرم ہے یعنی اس کا کچھ حصہ حدودِ حرم میں ہے اور کچھ حدودِ حرم سے باہر۔ وہ خاص جگہ جہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیام فرمایا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں تو متعین و معلوم تھی لیکن بعد میں مبہم و مجہول ہوگئی اور لوگ اُس جگہ کو پانے اور اُس کی زیارت کرنے سے محروم ہو گئے۔ [۱]

حدیبیہ کے واقعے کو متعدد مؤرخین نے ''معاہدۂ حدیبیہ'' کے عنوان سے لکھا ہے لیکن چند اہل نظر نے اسے بھی ایک معرکہ قرار دیا ہے۔ سطحی نظر سے دیکھا جائے تو یہ ایک معاہدہ ہی تھا لیکن تحریکِ اسلام کے تناظُر میں دیکھا جائے تو بدر و اُحد کی طرح یہ بھی ایک بہت بڑا معرکہ ہی تھا اگرچہ اس میں جنگ وجدال اور قتل وغارت گری کی نوبت نہیں آئی مگر صبر وثبات اور ایمان واستقامت کا ایک کڑا امتحان ضرور تھا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثاروں کو گذرنا پڑا۔

دورِ حاضر کے محققین و مبصرین جس طرح یہ کہتے ہیں کہ آنے والے وقتوں میں جنگیں میدانِ جنگ میں نہیں بلکہ میز پر (مذاکرات کی صورت میں) ہوا کریں گی، اُسی طرح ہمارے نزدیک یہ بھی ایک ایسی جنگ تھی جو میدانِ جنگ میں شمشیر وسناں کے ذریعے نہیں بلکہ میز پر مذاکرات کی صورت میں قلم کے ذریعے ہوئی اور نبی معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُور اندیشی، حکمتِ عملی اور تدبر و دانش کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لازوال فتح وکامرانی پر منتج ہوئی۔

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۵۴

Presented by Ziaraat.Com

اربابِ سیر بیان کرتے ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خواب دیکھا کہ خانہ کعبہ کی چابی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک میں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہؓ کے ساتھ مکّہ معظّمہ کی زیارت اور عمرہ کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ خواب صحابہ کرام سے بیان فرمایا تو وہ بہت خوش ہوئے اور سمجھے کہ اس خواب کی تعبیر اسی سال ظہور پذیر ہوگی لیکن جب حالات نے ایک اور رُخ اختیار کرلیا تو بعض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سوال اُٹھادیا، حتیٰ کہ (معاذاللہ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر شک کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے یہ کب کہا تھا کہ یہ (عمرہ) اِسی سال واقع ہوگا (یہ تو تمہاری اپنی تعبیر اور خیال تھا)۔[1]

بروایتے یکم ذیقعد ۶ ہجری بروز دوشنبہ (پیر)،[2] رسول اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرہ کا ارادہ کیا اور صحابہ سے فرمایا کہ تم بھی مستعد و تیار ہوجاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم کو مدینہ منورہ کا انتظام وانصرام سونپا اور صحابہؓ کے ساتھ مدینہ سے باہر تشریف لائے۔ اکثر صحابہ نے تلوار کے سوا کوئی اور اسلحہ ساتھ نہیں لیا تھا کیونکہ تلوار کو عرب میں مسافر کا ہتھیار کہا جاتا تھا یعنی دوران سفر تلوار ساتھ رکھنا عربوں کے رواج میں شامل تھا اور وہ اسے کسی حالت میں اپنے جسم سے الگ نہیں کرتے تھے۔[3] کچھ صحابہ نے اپنے جسموں پر پورے ہتھیار سجا لیے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے جائز قرار نہ دیا۔[4] آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھ قربانی کے اُونٹ بھی لئے جو تعداد میں ستر (۷۰) تھے۔ قریش کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روانگی کی خبر ہوئی تو سب نے متفقہ فیصلہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکّہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے چنانچہ اُنہوں نے قرب وجوار کے قبیلوں کو بھی

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۵۶

[2] حسین بن محمد دیار بکری (متوفی ۸۹۲ ہجری ۱۵۷۴ء)، تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۶۶

[3] خواجہ محمد لطیف، اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ، ج ۱ ص ۱۲۰

[4] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۵۶

Presented by Ziaraat.Com

ساتھ ملا لیا اور جنگ کے لئے تیار ہو کر مکّہ سے باہر آ گئے۔ قریش نے جدّہ کے راستے پر واقع موضع بلدہ میں پڑاؤ ڈالا اور ایک ہراول دستہ ترتیب دیا جس میں خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل شامل تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لشکرِ کفار کی آمد کی خبر ہوئی تو فرمایا کہ مقام غمیم میں خالد بن ولید قریش کے لشکر کا ہراول دستہ لیے بیٹھا ہے اس لئے تم داہنے راستے سے نکل چلو۔ اربابِ سیر کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے جو راستہ اختیار کیا وہ نہایت دشوار گزار اور سخت ترین تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راستے کی صعوبتیں ملاحظہ فرمائیں تو صحابہ کی دلجوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ سفر کے اختتام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ کے میدان میں ایک کنویں کے کنارے نزول فرمایا۔ ہوسکتا ہے کہ اُسی کنویں کا نام حدیبیہ ہو جس کی نسبت سے وہ جگہ حدیبیہ کے نام سے مشہور ہوگئی۔ اُس کنویں میں پانی بہت کم تھا لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک تیر کنویں میں چلایا۔ کنواں پانی سے بھر گیا اور لوگ خوب سیراب ہوئے۔ بروایتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کر کے کُلی کے پانی کو کنویں میں ڈال دیا، کنویں میں پانی بھر آیا اور لوگ اچھی طرح سیراب ہوئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کر کے دستِ مبارک کو پانی کے پیالے میں ڈالا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُنگلیوں سے چشموں کی طرح پانی جاری ہوگیا جسے پندرہ سو آدمیوں نے پیا اور کہا کہ اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہم سب کے لئے کافی ہوتا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دُعا فرمائی جس سے بارش ہوئی اور جل تھل ایک ہوگیا۔[۱] مدارجُ النبوت میں ہے کہ اس منزل میں پانی کی کمی تھی اس لیے یہاں ایسے کئی معجزے ظہور میں آئے۔ میرا خیال میں، ممکن ہے کہ یہ تینوں معجزے اس سفر میں الگ الگ موقعوں یا الگ الگ مقامات پر ظہور پذیر ہوئے ہوں یا پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حدیبیہ کے ایک ہی معجزے کو مختلف راویوں نے مختلف طریقوں سے بیان کیا ہو کیونکہ قرین قیاس یہی ہے کہ جب پڑاؤ ڈالا جا چکا تھا

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۵۶

Presented by Ziaraat.Com

اور ایک کنویں سے اتنا پانی جاری ہو گیا تھا جس سے سب لوگ خوب اچھی طرح سیراب ہوئے تو پھر آس پاس کسی اور مقام پر پانی کی تلاش کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ (واللہ اعلم)

قریشِ مکّہ کو جب معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حرمتِ کعبہ کا خیال کرتے ہوئے جنگ وجدال کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تو اپنی جہالت، حماقت اور بدفطرت کی بنا پر تمرد وسرکشی پر اُتر آئے اور ڈرانے دھمکانے کی کوشش کرنے لگے۔

سب سے پہلے اُنہوں نے بذیل بن ورقا خزاعی کو چند لوگوں کے ساتھ بھیجا۔ بدیل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا کہ قریش اور دیگر قبائلِ عرب متحد ہو کر حدیبیہ کے کنوؤں کے آس پاس جمع ہو چکے ہیں تا کہ آپ لوگوں کو خانہ کعبہ کی زیارت سے روک سکیں لہٰذا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) واپس چلے جائیں ورنہ وہ جنگ کریں گے۔ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ہم جنگ وجدل کے لئے نہیں آئے ہمارا مقصد زیارتِ کعبہ اور عمرہ ادا کرنا ہے۔ قریش جنگ کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ اُن کے حق میں بہتر نہیں ہے، ہاں! اگر وہ چاہیں تو ہم ایک مدت معین کر لیتے ہیں جس میں ہمارے اور اُن کے درمیان جنگ نہیں ہوگی۔ جنگ کے واسطے وہ مجھے دیگر مشرکین کے لئے چھوڑ دیں، اگر میں مغلوب ہو گیا تو اُن کی دِلی مراد پوری ہو جائے گی اور اگر غالب آ گیا تو وہ بھی اُن کی طرح میری پیروی کر لیں یا صلح کی معینہ مدت تک جنگ وجدال سے دُور رہیں۔ اور میری اس پیشکش کے باوجود بھی اگر وہ لڑائی پر مصر ہیں تو پھر میں اُن سے جہاد کروں گا اور بے شک اللہ اپنے دین کی نصرت فرمائے گا۔ بذیل نے واپس جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی باتیں قریش کو بتائیں لیکن اُنہوں نے ایک نہ مانی۔

اُن میں سے ایک معزز شخص عروہ بن مسعود ثقفی نے قریش کی ہٹ دھرمی دیکھی تو کہا کہ اگر تم مجھ پر خیانت وعداوت کا گمان نہیں کرتے تو مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے پاس جا کر بات چیت کرنے اور اُن کا عندیہ معلوم کرنے کی اجازت دو۔ پس عروہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (عروہ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے لیکن بعد میں مسلمان ہو گئے تھے)۔ آنحضرت

Presented by Ziaraat.Com

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے بھی تقریباً وہی کچھ کہا جو بذیل سے فرمایا تھا۔ عروہ بن مسعود نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہونے والی بات چیت قریش کو بتائی اور جنگ سے باز رہنے کا مشورہ دیا لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہے اور کہنے لگے کہ ہمیں ایسی نصیحتیں مت کرو، ہم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اُن کے ساتھیوں کو مکّہ میں داخل ہونے دیں گے نہ کعبہ کی زیارت کرنے دیں گے۔ ہاں اگر وہ اس وقت واپس چلے جائیں تو اگلے سال ہم اُنہیں نہیں روکیں گے۔

عروہ کے بعد قبیلہ احابیش کا ایک آدمی حلیس، قریش سے اجازت لے کر رسول حلیم وکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت سے بہت متاثر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو سن کر اور قربانی کے جانوروں کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ وقتال کا ارادہ نہیں رکھتے بلکہ حقیقتاً زیارتِ کعبہ کی غرض سے آئے ہیں۔ اُس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا اور وہ کہنے لگا، ''سبحان اللہ! اُس قوم کو سزاوار نہیں ہے کہ اِن کو خانہ کعبہ کی زیارت وطواف سے روکا جائے۔ ربِ کعبہ کی قسم! قریش ہلاک ہو جائیں گے۔'' وہ فوراً واپس لوٹ گیا اور قریش سے کہا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اُن کے ساتھیوں کو دیکھا ہے، وہ قربانی کے اُونٹ لے کر بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں اس لئے اُنہیں روکنا مناسب نہیں۔ احابیش قبیلہ کے لوگ قربانی کے جانوروں کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے۔ بروایتے جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کے لئے آیا تو اُن جانوروں کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملے بغیر ہی واپس لوٹ گیا اور قریش سے کہا میں نے دیکھا ہے کہ وہ قربانی کے اُونٹ لے کر بیت اللہ کی زیارت کو آئے ہیں اس لئے اُنہیں مت روکو۔ قریش نے حلیس کے مشورے کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا اور انتہائی شقاوت سے کہنے لگے کہ اے حلیس! تُو دیہاتی آدمی ہے تُو ملکی اُمور نہیں جانتا۔ حلیس نے طیش میں آ کر کہا قسم ہے اُس خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر تم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کعبہ کے طواف سے روکو گے تو میں اور احابیش کے تمام لوگ تم سے الگ ہو جائیں گے۔ حلیس کی دھمکی کام کر گئی اور قریش جھاگ کی طرح بیٹھ گئے،

Presented by Ziaraat.Com

عذر خواہی کرتے ہوئے کہنے لگے اے حلیس! ان باتوں کو جانے دو، ہم اپنی شرائط پر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ صلح کر لیں گے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ قریش نے جب اپنوں میں سے کسی کی بات نہ مانی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا کہ اپنی طرف سے کسی کو مذاکرات کے لئے بھیجیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی خزاعہ کے ایک شخص حراش بن اُمیہ کعبی کو بھیجا کہ وہ قریش کو باور کرائیں کہ ہم جنگ کے لئے نہیں بلکہ بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔ حراش اُن کے پاس پہنچے تو وہ اُنہیں قتل کرنے پر تُل گئے۔ حراش کے قبیلے کے لوگ جو مکّہ میں تھے اُنہیں بچانے دوڑے اور کسی نہ کسی طرح چھڑا کر واپس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف روانہ کیا۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر بن خطابؓ سے فرمایا کہ تم مکّہ جا کر قریش کو سمجھاؤ کہ ہم جنگ کے لئے نہیں بلکہ عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جانتے ہیں کہ قریش میرے سخت دشمن ہیں اُنہوں نے مجھ پر قابو پا لیا تو یقیناً مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے اور وہاں بنی عدی میں سے ایسا کوئی نہیں ہے جو میری حمایت وحفاظت کر سکے اس لئے اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت عثمان بن عفانؓ کو بھیجیں تو زیادہ مناسب ہوگا کیونکہ وہ قریش کے قریبی عزیز ہیں اور مکّہ میں اُن کے عزیز واقارب بھی بہت ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان بن عفانؓ کو مکّہ کی طرف روانہ کیا تاکہ ابوسفیان اور قریش کے دیگر اربابِ اختیار کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مافی الضمیر سمجھائیں۔ [1]

حضرت عثمانؓ دس مہاجرین کے ساتھ مکّہ روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچایا مگر کفار اپنی اِسی ضد پر اَڑے رہے کہ اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مکّہ آنے

---

[1] ابن الوردی (متوفی ۷۴۹ھ ۱۳۴۹ء)، تاریخ ابن الوردی طبع مصر ج ۱ ص ۱۲۵۔
شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۶۲۔

Presented by Ziaraat.Com

دیں اور خانہ کعبہ کی زیارت کرنے دیں۔ مدارج النبوت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے واپسی کا ارادہ کیا تو قریش نے کہا کہ اگر تم چاہو تو طوافِ کعبہ کرلو۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میں اس وقت تک طواف نہیں کرونگا جب تک رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہ کریں۔ مشرکین نے اس بات پر برہم ہوکر حضرت عثمانؓ کو زبردستی مکّہ میں روک لیا اور قید کرلیا۔ اِدھر لشکرِ اسلام میں یہ خبر پھیل گئی کہ مکہ والوں نے حضرت عثمانؓ کو اُن کے دس ساتھیوں سمیت شہید کردیا ہے۔ [1]

بیعتِ رضوان

ہجرت کے بعد سے لے کر اب تک اگرچہ مسلمانوں کی قوت میں اضافہ ہوچکا تھا تاہم وہ اپنے آبائی وطن مکّہ جانے سے قاصر تھے۔ وطن کی کشش اور بیت اللہ کی زیارت کی تڑپ اُنہیں ہر لحظہ بیقرار اور پریشان رکھتی تھی۔ رویائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سُن کر اُن کی بیقراری میں اضافہ ہوگیا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح اُڑ کر مکّہ جا پہنچیں۔ آغازِ سفر سے لیکر قیام حدیبیہ تک گزرنے والے ہر لمحہ نے اُن کی بیقراری کو مہمیز کیا تھا اور شوقِ سفر کو بڑھا دیا تھا چنانچہ حدیبیہ پہنچ کر جب اُنہیں معلوم ہوا کہ قریش کا لشکر سدِّ راہ ہوگیا ہے تو اُن کا جوش وخروش حد سے تجاوز کرگیا۔ پس اکثر مسلمان جنگ پر مُصر ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مطالبہ کرنے لگے کہ حملہ کردیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اُحد میں مسلمانوں کی بیوفائی کا ایک تلخ تجربہ ہوچکا تھا جس کی وجہ سے اب ضروری سمجھا گیا کہ ان لوگوں سے اس شرط پر بیعت کی تجدید کرائی جائے کہ میدانِ جنگ سے فرار نہیں ہوں گے۔ [2]

اس بیعت کو بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ "موت" پر لی گئی۔ جیسے مسٹر کے۔ اے۔ حمید لکھتے

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۶۳۔ ابن لوردی (متوفی ۱۳۴۹ء)، تاریخ ابن الوردی، طبع مصر، ج ۱ ص ۱۲۵۔ کے اے حمید، تاریخ مسلمانان عالم ج ۱ ص ۸۰

[2] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۴۰

Presented by Ziaraat.Com

ہیں، ''ایک درخت کے نیچے چودہ سو(۱۴۰۰) آدمیوں نے بیعت کی کہ اگر ضرورت پڑی تو اسلام پر جان دینے کے لئے تیار ہیں۔''[۱]

ابن الوردی اور ابوالفداء بیان کرتے ہیں، ''کہا جاتا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے موت پر بیعت لی جب کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے اس بات پر بیعت لی کہ ہم بھاگیں گے نہیں۔[۲]

قدیم ترین مؤرخ واقدی کے الفاظ ہیں، ''حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے بیعت لی اِس پر کہ وہ فرار نہیں کریں گے اور کسی نے یوں کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے موت پر بیعت لی۔''[۳]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں، ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک درخت سے پشت مبارک لگا کر صحابہ کرام سے ثابت قدم رہنے پر بیعت لی کہ اگر جنگ ہوئی تو منہ نہ پھیریں گے۔''[۴]

علامہ طبرسی فرماتے ہیں، ''اُن سب نے درخت کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی اس بات پر کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر فرار نہیں کریں گے۔''[۵]

مندرجہ بالا مؤرخین کے بیانات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے اس پر بیعت لی کہ اگر جنگ ہوتی ہے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیں گے، مرتے دم تک لڑیں گے اور میدانِ جنگ سے فرار نہیں ہوں گے۔ پس، اس بیعت کو ''بیعتِ رضوان'' کہا جاتا ہے۔

جب قریش نے اس بیعت کی خبر سنی تو اُن میں خوف وہراس پھیل گیا کہ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جنگ کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ اس پر وہ پریشان ہوئے اور صلح پر آمادہ ہو گئے۔ اُنہوں نے اپنے

---

[۱] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۴۰ بحوالہ مسٹر کے۔اے۔حمید، مسلمانانِ عالم

[۲] ابن الوردی (متوفی ۷۴۹ھ)، تاریخ ابن الوردی، ج ۱ ص ۱۲۵۔ ابوالفداء (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابوالفداء

[۳] ابوعبداللہ محمد بن عمر واقدی (متوفی ۸۲۲ء)، کتاب المغازی ج ۲ ص ۶۰۳

[۴] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۶۳

[۵] علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوریٰ

Presented by Ziaraat.Com

خطیب سہیل بن عمرو کو صلح کی شرائط طے کرنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیا۔[1]

قریش کے نمائندے سہیل بن عمرو نے قریش کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا یوں آزادانہ مکّہ میں داخل ہونا ہم برداشت نہیں کر سکتے، اس طرح ہماری توہین ہوتی ہے کیونکہ لوگ یہی سمجھیں گے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی طاقت کے بل بوتے پر آئے ہیں۔ لہٰذا اس مرتبہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بغیر زیارت کے لوٹ جائیں اور آئندہ سال عمرہ کے لئے آئیں اور جب آئیں تو اپنی تلواریں نیام میں رکھیں۔ ہم تین دن کے لئے مکّہ خالی کر دیں گے تاکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی عبادات جس طرح چاہیں انجام دیں۔ اس سے اُن کا مقصد یہ تھا کہ اطرافِ عرب میں یہی مشہور ہو کہ مسلمان اپنی طاقت کے بل بوتے پر نہیں آئے بلکہ قریشِ مکہ نے خود اُن کو اجازت دی ہے۔ سہیل نے مزید کہا کہ دس سال تک ہمارے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان صلح رہے گی، جنگ وجدال نہیں ہوگا، دونوں اطراف کے شہری امن وسلامتی سے رہیں گے، ایک دوسرے کے مقابل آئیں گے نہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچائیں گے۔ ابوداؤد، مستدرک اور المواہبُ اللدنیہ میں صلح کی مدت چار سال منقول ہے لیکن معروف مدت دس سال ہی ہے۔ اُس نے کہا کہ اگر ہمارا کوئی شخص آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف جائے گا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُسے واپس کرنے کے پابند ہوں گے لیکن آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا جو آدمی ہماری طرف آئے گا ہم اُسے واپس نہیں کریں گے۔ اس گفتگو کے دوران سہیل کے بیٹے ابوجندل کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے مسلمانوں کے درمیان پہنچ گئے۔ ابوجندل پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے اور اس ''جرم'' کی پاداش میں اپنے باپ سہیل بن عمرو کی قید میں تھے۔ اب کسی طرح بھاگ کر بارگاہِ رسالت میں پہنچ گئے

---

[1] ابن الوردی (متوفی ۷۴۹ھ ۱۳۴۹ء)، تاریخ ابن الوردی، ج ۱ ص ۱۲۵۔

ابوالفداء (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابوالفداء، ج ۱ ص ۱۴۶۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۶۳

Presented by Ziaraat.Com

تھے۔ سہیل کہنے لگا میرے بیٹے کو میرے سپرد کر دیں کیونکہ یہ بات معاہدے میں طے پا چکی ہے ہمارا کوئی شخص آپ کے پاس آئے گا تو آپ اُسے واپس کر دیں گے۔ بروایتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص معاہدہ تحریر ہونے سے پہلے آیا ہے اور یہ شرط تو معاہدہ تحریر ہونے کے بعد آنے والوں پر لاگو ہوگی۔ (واضح ہو کہ معاہدہ ابھی ہوا نہیں تھا بلکہ فریقین کے مابین بات چیت چل رہی تھی)۔ سہیل ہٹ دھرمی پر اُتر آیا اور کہنے لگا کہ اگر ایسا ہے تو پھر ہمارے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان صلح نہیں ہو سکتی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو میری خاطر مستثنیٰ کر دو اور نرمی اور آسانی پیدا کرو، مگر وہ نہ مانا۔ بقولے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بار بار کہنے کے باوجود وہ آمادہ نہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوجندل کو اُس کے سپرد کر دیا اور فرمایا کہ اسے ایذا نہ دینا۔ ابوجندل نے کہا مسلمانو! مجھے مشرکوں کے سپرد نہ کرو، میں ایمان لا کر تمہاری پناہ میں آیا ہوں، تمہیں معلوم نہیں ان کافروں نے مجھ پر کیسے کیسے ظلم و ستم کیے ہیں۔'' رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوجندل سے فرمایا، ''اے ابوجندل! صبر کرو اور دل کو مطمئن و شاد رکھو، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھو، وہ تمہارے لئے کشادگی اور آزادی پیدا فرمائے گا، بلاشبہ صبر کشادگی کی کنجی ہے۔

قریش کی شرائط بظاہر مسلمانوں کے مفاد اور وقار کے منافی تھیں لیکن حقیقت میں وہ ایسی نہ تھیں بلکہ اُن میں کافروں کی شکست اور مسلمانوں کی نصرت کے عوامل پنہاں تھے جنہیں صرف رسولِ حکیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُور رَس نگاہیں ہی دیکھ رہی تھیں۔ جبکہ کچھ مسلمان ایسے بھی تھے جو صرف الفاظ پر غور کر رہے تھے، اُن کی سطحی نظریں رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمت و دُور اندیشی کو نہ بھانپ سکیں اور وہ اس معاہدے پر اعتراض کرنے لگے حتیٰ کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اُن کا رویّہ گستاخانہ ہو گیا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر شک کرنے لگے۔[1]

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۶۶، ۲۶۷
صحیح بخاری، ج ۲ کتاب الجہاد۔ حسین بن محمد دیار بکری (متوفی ۸۹۲ ہجری ۱۵۷۴ء) تاریخ خمیس، ج ۲ ص ۳۲

Presented by Ziaraat.Com

چنانچہ تمام شرائط جب زبانی طور پر طے پا چکیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاہدے کو ضبط تحریر میں لانے کے لئے امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کو مقرر کیا۔[۱]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، یا علی! لکھو:

''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' سہیل کہنے لگا کہ ''الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' کیا ہے؟ یہ ہم نہیں جانتے اس لئے لکھیں، ''بِسْمِكَ اللّٰهُمَّ'' جیسا کہ عام طور پر لکھا جاتا ہے۔ مسلمانوں نے اس پر احتجاج کیا لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحمل اور بُردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ اے علی! ''بِسْمِكَ اللّٰهُمَّ'' لکھو۔ حضرت علی علیہ السلام نے ایسا ہی لکھا پھر نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، لکھو، ''هٰذَا مَا قَاضٰی بِهٖ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' (اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فیصلہ کیا ہے وہ یہ ہے)۔ علی علیہ السلام نے لکھ دیا۔ سہیل پھر بھڑک اُٹھا اور کہا، ''ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو رسول اللہ نہیں مانتے، اگر مانتے ہوتے تو پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خدا کے گھر کی زیارت سے روکتے ہی کیوں؟ اس لئے ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کی بجائے ''مُحَمَّدُ بْنِ عَبْدُ اللّٰه'' لکھیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت صبر اور سکون سے فرمایا، ''میں اللہ کا رسول بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی۔ پھر علی علیہ السلام سے فرمایا، ''اے علی! اس تحریر میں سے ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کاٹ دو اور ''مُحَمَّدُ بْنِ عَبْدُ اللّٰه'' لکھو۔ حضرت علی المرتضیٰ نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں ایسا ہرگز نہیں کرسکتا کہ وصفِ رسالت کو محو کردوں (یعنی رسول اللہ کے الفاظ مٹا دوں)۔ روایت ہے کہ علی علیہ السلام نے قلم کو رکھ دیا اور ہاتھ تلوار پر لے گئے۔[۲]

نبی معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جاں نثار بھائی کے جذبات اور ''بابِ علم'' کی دوراندیشی اور حکمت ودانائی سے بخوبی واقف تھے اس لئے اُن کے ہاتھ سے تحریر لے کر ''رسول اللہ'' کے الفاظ کو خود محو کیا اور

---

[۱] مسٹر کے۔اے۔حمید، تاریخ مسلمانان عالم ج۱ ص۸۱۔ محمد حمید اللہ، الوثائق السیاسیۃ، طبع مصر۔ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سیاسی زندگی، ص۱۲۶۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت ج۲ ص۲۶۵

[۲] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج۲ ص۲۶۶

Presented by Ziaraat.Com

اُن کی جگہ ''ابنِ عبداللہ'' لکھ دیا۔

محققین کہتے ہیں کہ اس میں علی علیہ السلام کی حکمت یہ تھی کہ علی علیہ السلام ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی گواہی دینے والے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وزیر اور جانشین تھے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے ''رسول اللہ'' کے الفاظ اس لئے نہیں مٹائے کہ منافقین کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ جب علی نے ہی ''رسول اللہ'' نہیں مانا تو پھر رسالت پر ہمارے شک کرنے پر اعتراض کیسا؟

مدارج النبوت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب لکھتے ہیں، ''حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا لفظ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) محو کرنے (مٹانے) سے انکار از بابِ ترک امتثال (حکم عدولی کی وجہ سے) نہیں تھا جو مستلزم ترکِ ادب ہے (جو ترک ادب کی وجہ سے قابلِ سزا ہو) بلکہ عین امتثال و ادب (فرمانبرداری اور تعظیم) ہے جو انتہائی عشق و محبت پر دلالت کرتا ہے۔ [۱]

مذکور ہے کہ اُس موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا، ''اے علی (علیہ السلام)! تمہیں بھی ایسا ہی معاملہ آگے درپیش ہوگا۔ بیان کرتے ہیں کہ جب قضیہ صفین میں صلح قرار پائی تو صلح نامہ لکھا گیا کہ یہ کتابت امیر المومنین علی علیہ السلام کی مصالحت معاویہ بن ابوسفیان کے ساتھ ہے۔ معاویہ بن ابوسفیان نے کہا لفظ ''امیر المومنین'' کاٹ دو اور لکھو علی بن ابی طالب۔ اگر میں ان کو امیر المومنین جانتا تو ان کے ساتھ جنگ نہ کرتا اور ان کی پیروی و اطاعت کرتا۔ اس پر علی المرتضیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا تھا۔ [۲]

صلح نامہ کی کتابت کے دوران قریش کا نمائندہ سہیل بن عمرو بار بار جھگڑا کرتا اور تحریر میں رکاوٹ ڈالتا لیکن رسول حلیم و کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر بار درگزر فرماتے اور صبر و تحمل کے ساتھ اُس کی بات کو تسلیم کرتے ہوئے صلح کی کاروائی کو آگے بڑھاتے۔ بالآخر صلح نامہ مکمل ہوگیا۔ اس صلح نامہ کو معاہدۂ حدیبیہ یا صلح نامۂ حدیبیہ کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۶۶

[۲] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۶۶

Presented by Ziaraat.Com

صلح نامہ حدیبیہ کے نِکات [1]

۱۔اے اللہ تیرے نام سے

۲۔ یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد بن عبداللہ (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) اور سہیل بن عمرو کے درمیان طے پایا۔

۳۔دونوں کے درمیان اس بات پر صلح ہوئی ہے کہ دس سال تک جنگ بندی رہے گی اور اس عرصہ میں دونوں اطراف کے لوگ ایک دوسرے کے مقابل نہیں آئیں گے اور امن سے رہیں گے۔

۴۔محمد (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کا جو ساتھی حج یا عمرہ یا تجارت کی غرض سے مکّہ آئے گا اُسے جان و مال کی امان دی جائے گی اور قریش کا جو شخص تجارت کے لئے مصر یا شام (بروایتے عراق یا شام) جاتے ہوئے مدینہ سے گزرے گا تو اُسے مسلمانوں کی طرف سے جان و مال کی امان حاصل ہوگی۔

۵۔قریش کا جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کے پاس آئے گا تو آپ (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) اُسے واپس قریش کے حوالے کردیں گے جبکہ محمد (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کا کوئی ساتھی قریش کے پاس جائے گا تو وہ اُسے آپ (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کو واپس نہیں کریں گے۔

۶۔فریقین کے سینے بند رہیں گے (یعنی دِلوں میں کوئی غداری یا نفاق داخل نہ ہوسکے گا)، نہ تو خفیہ طور پر کسی دوسرے کو مدد دی جائے گی اور نہ ہی اعلانیہ خلافِ عہد دغابازی کی جائے گی۔

۷۔جو محمد (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کے معاہدے اور ذمہ داری میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ بھی ایسا کر سکے گا اور اسی طرح جو قریش کے معاہدے اور ذمہ داری میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ بھی ایسا کر سکے گا۔

۸۔مسلمان اس سال یہاں سے واپس چلے جائیں گے اور مکّہ میں نہیں آئیں گے البتہ اگلے سال قریش مکّہ سے باہر چلے جائیں گے اور مسلمان وہاں تین راتیں ٹھہر سکیں گے جبکہ مسلمانوں کے پاس صرف ''سوار کا ہتھیار'' یعنی تلوار ہوگی جو میان میں ہوگی اور اس کے سوا کوئی اور ہتھیار نہ ہوگا۔

۹۔قربانی کے جانور وہیں رہیں گے جہاں وہ پائے گئے ہیں (یعنی حدیبیہ میں)۔اُنہیں وہیں ذبح کردیا جائے گا اور مکّہ میں نہیں لایا جائے گا۔اور صراحت کی جاتی ہے کہ دونوں فریقین کے حقوق

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم)، ص ۵۸۰

Presented by Ziaraat.Com

اور واجبات برابر ہوں گے۔

معاہدہ کی تکمیل کے بعد بھی کئی مسلمانوں کی برہمی نکتہ عروج پر تھی حتیٰ کہ جب رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اُٹھو قربانیاں کرو اور سر کے بال منڈوا کر واپس چلو تو مسلمانوں کی اکثریت خاموش رہی اور تعمیل ارشاد کے لئے نہ اُٹھی اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے بے اعتنائی اختیار فرما کے خود جا کر قربانی کی اور بال منڈوائے تو کچھ لوگوں نے بال منڈوائے اور اکثر نے بددلی سے تھوڑے تھوڑے ترشوائے اور اُن کے رنج والم کا یہ عالم تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ اُن میں سے ایک دوسرے کو قتل کر رہا ہے۔[۱]

حدیبیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام کا دورانیہ بیس روز تھا۔ قربانی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس مدینہ تشریف لے گئے۔[۲]

معاہدہ حدیبیہ پر تبصرہ

معاہدہ حدیبیہ کے نکات اُن لوگوں کو دعوتِ فکر دیتے ہیں جن کا کہنا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا۔ اس معاہدہ کی تمام شرائط ایسی ہیں جو تلوار کے بل بوتے پر حکومت کرنے والوں کے لئے کسی بھی صورت میں قابلِ قبول نہیں ہوسکتیں مگر رسولِ حلیم و کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو قبول فرما کر تمام عالم پر ثابت کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امن کے سفیر اور عالمین کے لئے رحمت ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصدِ حیات زمانے کو نورِ ایمان سے منور فرمانا ہے نہ کہ لوگوں کا خون بہا کر کسی ریاست کی بنیادوں کو مستحکم کرنا۔ اس معاہدہ کی کتابت کے دوران قریش کے نمائندے سہیل بن عمرو کا سخت رویّہ، بات بات پر جھگڑا کھڑا کر دینا اور اپنی مرضی کے مطابق معاہدے میں الفاظ کو تبدیل کروانا اس کا غمّاز ہے کہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ صلح پسند نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ نہیں کرنا چاہتے اور امن کو لڑائی پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور پھر ہوا بھی یہی، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باوجود کئی مسلمانوں کی سخت

---

[۱] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۵۹۳ بحوالہ تاریخ طبری، ج ۲ طبع جدید مصر ۱۳۶۱ھ ص ۶۳۷

[۲] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۷۱

Presented by Ziaraat.Com

مخالفت اور ناراضگی کے وہ شرائط بھی قبول فرمالیں جو بادی النظر میں باعثِ ہزیمت سمجھی جارہی تھیں لیکن درحقیقت فروغِ امن کا ذریعہ تھیں۔ آنے والے وقت نے یہ ثابت بھی کردیا کہ بعض مسلمان صلح کی جن شرائط کو اپنی شکست اور توہین کا باعث سمجھتے ہوئے سخت نالاں اور افسردہ و مضمحل تھے، وہی شرائط اسلام کی ترقی اور عروج کا زینہ بنیں۔ عرب کی فضائیں مسلمانوں کے لئے خوشگوار اور پرسکون ہوئیں اور نورِ حق کی شعائیں چہار سو پھیلنے لگیں۔ جو مسلمان مشرکین کے پاس جاتے اور اُنہیں معاہدے کی شرط کے مطابق واپس نہ آنے دیا جاتا، وہ وہاں اپنی زبان اور اخلاق واطوار سے نشر واشاعتِ اسلام کا ذریعہ بنتے اور قریش کے جو لوگ مسلمانوں میں آکر واپس جاتے وہ مسلمانوں کے حُسنِ سلوک اور اوصاف وکردار کو بیان کر کے تبلیغ کا ذریعہ بنتے۔[۱]

بروایتے اُس ایک سال کی مدت میں مسلمانوں کی تعداد میں جو اضافہ ہوا وہ اس سے پہلے کی پوری مدت میں بھی نہیں ہوا تھا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے، ''یہ مدت گزرنے نہیں پائی اور قریب تھا کہ اسلام تمام اہلِ مکّہ پر چھا جائے۔''[۲]

یہی وہ زمانہ تھا جب قریش کے مشہور ومعروف سردار خالد بن ولید اور عمرو بن عاص بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔[۳]

حضرت اُمِّ حبیبہؓ سے نکاح

(ذی الحجہ ۶ ہجری/ اپریل مئی ۶۲۸ء)

حضرت اُمِّ حبیبہ کے بیوہ ہوجانے کے بعد نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بروایتے ذی الحجہ ۶ ہجری میں ان سے نکاح فرما کر اپنے سایۂ رحمت میں لیا۔ (تفصیل کتاب کے حصّہ اوّل میں دی جاچکی ہے۔)

---

[۱] خواجہ محمد لطیف، اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ، ج ا ص ۱۲۹

[۲] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۳۶۰

[۳] مسٹر کے۔اے۔حمید، تاریخ مسلمانانِ عالم، ج ا

Presented by Ziaraat.Com

سنہ ۷ ہجری

مکتوباتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(یکم محرم ۷ ہجری/ ۶۲۸ء)

نبی آخر واعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایک قوم یا ملک کے نبی نہیں تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام بنی نوع انسان کے لئے پیغمبر بنا کر مبعوث کیا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور چونکہ عرب کی سرزمین پر ہوا اس لئے کارِ رسالت کا آغاز بھی یہیں سے فرمایا۔ عرب میں مشرکین اور یہود و نصاریٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہ صرف سخت مخالفت کی اور طرح طرح کی اذیتیں دیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راہ سے ہٹانے کے لئے قاتلانہ حملے بھی کئے اور کئی جنگیں بھی لڑیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ یہ اللہ کی نصرت تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جُہدِ مسلسل کا اعجاز کہ عرب کی اُن شوریدہ سر قوتوں کو بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سرنگوں ہونا پڑا۔ اس کی پہلی مثال میثاقِ مدینہ اور دوسری معاہدۂ حدیبیہ ہے۔ میثاقِ مدینہ کے تحت یہودیوں نے ایک طرح سے اسلام کو بطور ایک ملت و مذہب تسلیم کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیے تھے تو معاہدۂ حدیبیہ میں سب سے بڑے دشمن قریش نے بھی دس سال کے لئے جنگ نہ کرنے، اور مسلمانوں کی مکّہ میں آمدورفت پر آمادہ ہو کر گھٹنے ٹیک دیے تھے اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اُن کے کئی لوگ جن میں سرکردہ افراد اور قبیلے کے سردار بھی شامل تھے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ پس، جب شمعِ رسالت کی ضوفشانیاں ظلمتِ عرب کا جگر چاک کرنے لگیں تو رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب کی سرحدوں سے باہر کی دُنیا کو بھی نورِ اسلام کی تابانیوں سے منوّر کرنے کا ارادہ فرمایا۔

اُس زمانے میں دُنیا میں شاہی نظام رائج تھا اور اقوامِ عالم اُنہیں مذاہب کی پیروی کرتی تھیں جن کو اُن کے فرمانروا اختیار کرتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دُنیا کے مختلف کونوں میں

Presented by Ziaraat.Com

اپنے نامہ بر بھیجے اور سربراہانِ مملکت کو دعوتِ اسلام دی۔ بروایتے یکم محرّم ۷ ہجری (۱۱ مئی ۶۲۸ء) کا وہ عہد آفرین دن تھا جب پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، ''اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام جہانوں کے لئے رحمت اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ دیکھو! عیسیٰ علیہ السلام کے حوّاریوں کی طرح اختلاف نہ کرنا۔ اُٹھو اور میری طرف سے پیغامِ حق (تمام دنیا کو) پہنچاؤ۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک ہی دن میں چھ مختلف سربراہانِ مملکت کے نام خطوط ارسال کئے جن میں اُنہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔

بعض کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ خطوط ۶ ہجری کے آخر میں ماہ ذوالحجہ میں صلح حدیبیہ کے بعد روانہ کئے اور بعض کے نزدیک ۷ ہجری میں روانہ کئے گئے۔ ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سلاطین کے نام یہ خطوط بھیجنے کا ارادہ تو ۶ ہجری کے آخر میں کیا ہو اور اس پر عمل ۷ ہجری میں فرمایا ہو یا یہ سلسلہ چھٹے سال سے شروع ہو کر ساتویں سال تک جاری رہا ہو۔[۱]

بہرحال اکثریت کا اتفاق اسی پر ہے کہ یہ خطوط حدیبیہ کے بعد اور فتح مکّہ سے پہلے روانہ کئے گئے۔

خطوط لے کر جانے والے سفراء اور مکتوب الیہ شاہان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:[۲]

۱۔ سفیر حضرت وحیۃ بن خلیفۃ الکلبی، مکتوب الیہ ہرقل، قیصر روم۔

۲۔ سفیر حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی، مکتوب الیہ خسرو پرویز، شاہ ایران/ شاہ فارس کسریٰ پرویز۔

۳۔ سفیر حضرت عمرو بن اُمیّہ الضمری، مکتوب الیہ نجاشی، بادشاہ حبشہ۔

۴۔ سفیر حضرت حاطب بن ابی بلتعہ، مکتوب الیہ عزیزِ مصر۔

۵۔ سفیر حضرت سلیط بن عمرو عامری، مکتوب الیہ حاکم یمامہ، ہوذہ۔

۶۔ سفیر حضرت شجاع بن وہب الاسدی، مکتوب الیہ حارث بن شمر غسانی، رئیس حدودِ شام۔

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۷۲۔ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۳۹۹۔ خواجہ محمد لطیف، اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ، حصہ اوّل باب ۱۱۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)، ص ۵۹۱

[۲] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)، ص ۵۹۱

Presented by Ziaraat.Com

بقول آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا کہ کئی ممالک کے حکمران صرف اُنہی خطوط و دستاویزات کو قابلِ وثوق و اعتماد سمجھتے ہیں جن پر مُہر ثبت ہو چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاندی کی ایک مُہر بنوائی جس پر "محمد رسول اللہ" اس صورت میں کندہ تھا کہ پڑھنے میں "اللہ رسول محمد" تھا یعنی سب سے نیچے لفظ محمد، سب سے اُوپر لفظ اللہ اور درمیان میں لفظ رسول تھا۔ پس تمام حکمرانوں کو ارسال کئے گئے خطوط پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ مُہر ثبت فرمائی۔ [1]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خطوط میں اُن کو دینِ اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور فرمایا کہ اپنی رعایا کو بھی دینِ حق کی طرف راغب کرو ورنہ اُن کی گمراہی کی ذمہ داری بھی تم پر عائد ہوگی۔

مکتوباتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جن لوگوں کو مخاطب کیا گیا وہ مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے مثلاً مشرکین، زرتشتی (مجوسی)، عیسائی اور یہودی وغیرہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر ایک کے عقیدے کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اُس کو خط لکھا مثلاً ہرقل اور مقوقس کے نام جو خطوط لکھے، اُن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نام کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ عبد اللہ (خدا کا بندہ) لکھا، جس سے مخاطب کے عقیدے کی نہایت لطیف پیرائے میں تردید کر دی کہ انبیاء و مرسلین خدا کی اولاد نہیں، بلکہ خدا کے بندے ہوتے ہیں۔ خسرو پرویز فارس کے نام جو نامۂ مبارک ارسال فرمایا اُس میں عقیدۂ توحید کو خاص طور پر اُجاگر کیا، کیونکہ فارس میں دو خداؤں کا نظریہ موجود تھا، پھر اسلام کے عالمگیر ہونے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اقوامِ عالم کی جانب مبعوث ہونے کا واضح بیان فرمایا۔ یہود کے نام خط میں تورات کے حوالے سے اپنی نبوّت کا اِثبات کیا۔ عیسائی قیصرِ روم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعوتی خط کے بعد احوال کا جائزہ لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوّت و رسالت کا اقرار تو کیا، مگر اسلام قبول نہ کیا۔ اسی طرح نصرانی عزیز مصر مقوقس نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوّت و رسالت کا اعتراف کیا مگر دائرہ اسلام میں داخل نہ ہوا۔ شاہِ حبشہ نجاشی عیسائی تھا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خط اہلِ سندھ کی

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۷۳

Presented by Ziaraat.Com

جانب بھی ارسال فرمایا تھا جو نتیجہ خیز ثابت ہوا اور سندھ کے کچھ خوش قسمت لوگ مسلمان ہو کر دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطوط میں طوالت، تکلف، تصنع اور بیان کی شوخی کی بجائے لطافت، سادگی، حقیقت پسندی اور ایجاز و اختصار کا پہلو نمایاں ہے۔ ان میں پیغمبرانہ امانت و صداقت، عزم و یقین اور رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ حق کی خاص فصاحت و بلاغت نظر آتی ہے۔ ان خطوط میں تبلیغی جذبے کی آبیاری کا سامان بھی ہے اور تزکیۂ باطن و اصلاحِ نفس کے لئے رہنمائی بھی۔ اُصولِ دین کی تبلیغ بھی ہے اور اسلام کے احکام و مصالح اور تشریعی مسائل کا ذِکر بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاہانِ عالم کے نام جو خطوط ارسال فرمائے وہ اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوّت و رسالت فقط جزیرۂ عرب کے ساتھ مخصوص نہیں تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت عرب و عجم، یہود و نصاریٰ، مشرکین اور مجوس حتیٰ کہ تمام عالمین کے لئے ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے بادشاہوں، قبائل عرب کے سرداروں اور گورنروں کے نام جو خطوط لکھے وہ کتبِ حدیث میں محفوظ ہیں۔ بقولے ان کی تعداد تین سو کے قریب ہے، جن میں سے ۱۳۹ خطوط ایسے ہیں جن کا اصل متن محفوظ ہے اور ۸۶ وہ ہیں جن کا صرف مفہوم کتب میں ذِکر کیا گیا ہے۔ ذیل میں ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند مکتوباتِ گرامی پیش کر رہے ہیں۔

مکتوبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بنام ہرقل، قیصرِ روم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ من محمّد رسول اللہ الیٰ ہرقل عظیم الروم ○ سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ ○ اما بعد ○ فانی ادعوك بدعایة الاسلام ○ اسلم تسلم ○ یوتك اللہ اجرك مرتین ○ فان تولیت فان علیك اثم الاریمیین ○ ویا ھل الکتب تعالوا الی کلمه سوآء بیننا وبینکم الا نعبد الا

اللہ ولا نشرك بہ شیئاً ○ ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون [1] (مُہرِ نبوّت، رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ترجمہ:

”اللہ مہربان اور رحم کرنے والے کے نام سے۔ اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے، ہرقل ”عظیم روم“ کے نام۔ سلامتی ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ بعد ازیں میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہو جاؤ، سلامت رہو گے اور اللہ تمہیں دوگنا اجر دے گا۔ اگر تم نے روگردانی کی تو تمہاری جاہل رعایا کا گناہ بھی تم پر ہوگا۔ اے اہل کتاب! (اختلاف ونزاع کی ساری باتیں چھوڑ کر) اس بات پر آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں طور پر مسلّم ہے، یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، کسی ہستی کو اُس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ربّ نہ بناؤ۔ پھر اگر اس سے روگردانی کرو تو گواہ رہنا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے (مسلمان) ہیں۔“

(مُہرِ نبوّت، رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ خط حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے امیر بصریٰ (حوارن) کے توسط سے قیصر روم ہرقل تک پہنچایا۔ خط سُن کر اُس نے کہا، نبوّت کا دعویٰ کرنے والے کی قوم کا کوئی شخص اس شہر میں موجود ہو تو اُسے دربار میں پیش کیا جائے۔ اتفاق سے ابوسفیان اپنے قافلے کے ساتھ تجارت کی غرض سے وہاں گیا ہوا تھا، اُسے دربار میں پیش کیا گیا تو ہرقل نے اُس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق کئی سوالات کیئے۔ ابوسفیان کا کہنا ہے کہ میں اس خوف سے جھوٹ نہ بول سکا کہ مبادا اپنے ساتھیوں میں بدنام ہو جاؤں۔ پس اُس نے ہرقل کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہا، ”محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اُن کے خاندان میں اس سے پہلے نہ کسی نے نبوّت کا

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ص ۵۹۲۔ صحیحین، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، سیاسی وثیقہ جات (اردو ترجمہ) ص ۵۱، ۵۲۔ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۰۱ بحوالہ تاریخ الرسل الملوک، ص ۱۵۶۵

Presented by Ziaraat.Com

دعویٰ کیا ہے اور نہ کوئی بادشاہ ہی ہوگزرا ہے۔ وہ صادق اور امین ہیں۔ اُن کے پیروکار زیادہ تر کمزور لوگ ہیں جن کی تعداد میں آئے دن اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ جنگوں میں کبھی وہ غالب رہے اور کبھی ہم۔ وہ کبھی عہد شکنی نہیں کرتے۔ ابھی ابھی ہم نے اُن کے ساتھ ایک معاہدہ کیا ہے، اب دیکھیے وہ کیا کرتے ہیں؟'' ہرقل نے کہا، ''یہ علامتیں تو سچے نبی کی ہیں۔'' پھر پوچھا، ''وہ لوگوں کو کس بات کا حکم دیتے ہیں؟'' ابوسفیان نے کہا، ''نماز، روزہ، صلۂ رحمی اور پرہیزگاری کا۔'' ہرقل کہنے لگا، ''اگر ایسا ہے تو وہ یقیناً نبی ہیں۔ ہمیں معلوم تھا کہ ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے لیکن ہم یہ نہیں جانتے تھے کہ اُن کا ظہور تم لوگوں میں ہوگا۔'' ہرقل بے حد متاثر ہوا، اُس نے عقیدت کا اظہار بھی کیا لیکن اسلام نہ لایا۔ [1] اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامۂ مبارک محفوظ کرلیا، جو قسطنطنیہ کے کتب خانہ میں آج بھی موجود ہے۔ [2]

ہرقل نے ایک جوابی خط آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لکھا جس کا متن یوں تھا:

ہرقل، قیصرِ روم کا خط

بحضور احمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، جن کے ظہور کی بشارت عیسیٰؑ نے بھی دی۔ منجانب قیصر روم۔

حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرمان آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سفیر کے ذریعے ملا۔ میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے رسول ہونے کا اقرار کرتا ہوں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ظہور کی بشارت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) نے بھی انجیل میں دی۔ میں نے اپنی ساری رومی رعایا کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لانے کی دعوت دی لیکن اُنہوں نے انکار کردیا۔ اگر وہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لے آتے تو اُن کے حق میں بہتر ہوتا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کاش میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں باریاب ہوسکوں اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاؤں دھوؤں۔ [3]

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ص ۵۹۲

[2] خواجہ محمد لطیف، اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ، ج ۱ ص ۱۴۰

[3] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ص ۵۹۳

Presented by Ziaraat.Com

مکتوبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بنام شاہِ فارس (ایران)، کسریٰ پرویز

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ من محمّد رسول الله الیٰ کِسریٰ عظیم فارس ○سلامٌ علیٰ من اتبع الھدیٰ و آمن باالله ورسوله و شھدان لا اله الا الله وحدهٗ لا شريكَ لهٗ وان محمّداً عبدهٗ ورسوله○ادعوك بدعاية الله فانّی انا رسول الله الی الناس کافة لینذر من کان حیا ویحق القول علی الکٰفرین○ اسلم تسلم انْ ابیت فعلیك اثم المجوس [1] (مُہرِ نبوّت، رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ترجمہ:

"شروع اللہ مہربان اور رحیم کے نام سے۔ از محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بنام حاکمِ فارس کسریٰ۔ سلامتی ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اُس کا کوئی شریک نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول ہے۔ میں تمہیں اللہ کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہوں۔ میں تمام بنی نوع انسان کے لئے اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں تاکہ جو لوگ زندہ ہیں اُنہیں بداعمالیوں سے ڈراؤں اور کافروں پر حجّت قائم کروں۔ اسلام قبول کرلو، اسی میں تمہاری سلامتی ہے۔ اگر انکار کرو گے تو سارے مجوسیوں کا وبال تم پر ہوگا۔" (مُہرِ نبوّت، رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ مکتوب حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی رضی اللہ عنہ نے بحرین کے والی کی وساطت سے کسریٰ پرویز تک پہنچایا۔ کسریٰ پرویز یہ خط سُن کر طیش میں آگیا اور اُسے پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ ربُ العالمین نے اس حرکت کی پاداش میں بہت جلد اُسے ہلاک کردیا اور خط کی طرح

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ص ۵۹۴۔ صحیحین۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، سیاسی وثیقہ جات (اردو ترجمہ) ص ۷۴، ۷۵۔ ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوری، اصح السیر، ص ۴۳۵

Presented by Ziaraat.Com

اُس کی سلطنت بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔

کسریٰ پرویز نہایت مغرور اور متکبر بادشاہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکتوب میں اپنے نام سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لکھا دیکھ کر وہ سیخ پا ہوگیا تھا۔ اُس نے اسے اپنی توہین سمجھا اور یمن کے والی باذان کو حکم بھجوایا کہ (خاکم بدہن) مدّعی نبوّت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو گرفتار کرکے دربار میں پیش کرے۔ چنانچہ باذان نے اُس بدبخت کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے دو اہلکار جن کے نام بابویہ اور خرخسرہ تھے مدینہ روانہ کیے۔ اُنہوں نے بارگاہِ رسالت میں پہنچ کر شہنشاہِ فارس کا گستاخانہ پیغام پہنچایا اور دھمکی دی کہ انکار کی صورت میں مدینہ کو تاراج کردیا جائے گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی ناپاک جسارت سے درگذر فرماتے ہوئے سفارتی آداب ورواج کو ملحوظ خاطر رکھا اور حلم وکرم روا رکھتے ہوئے فرمایا، ''تم واپس جاؤ، کسریٰ ہلاک ہو چکا ہے۔''

چنانچہ وہ یمن پہنچے تو اُنہیں معلوم ہوگیا کہ کسریٰ پرویز اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں ہلاک ہو چکا ہے۔[1]

مکتوبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بنام شاہِ حبش اصحم نجاشی

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم○ من محمّد رسُول اللہ الیٰ النجاشی ملک الحبشہ ○اسلم انت فانّی احمد الیک اللہ الّذی لا الہ الا ھو الملک القدوس السّلام المومن المھیمن واشھد ان عیسیٰ بن مریم رُوح اللہ وکلمۃ القاھا الیٰ مریم البتول الطیبہ المحصنۃ فحملت بعیسیٰ فخلقۃ من روحہ ونفخۃ کما خلق آدم بیدہ وانی ادعوک وجنودک الی اللہ عزوجل وبلغت

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم وآخر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ص ۵۹۵ بحوالہ طبری ج ۳ ص ۱۵۷۲

Presented by Ziaraat.Com

ونصحت فاقبلوا نصیحتی والسلام علی من اتبع الھدیٰ [1]

(مُہرِ نبوّت، رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

ترجمہ:

"مہربان اور رحم کرنے والے اللہ کے نام سے۔ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی جانب سے شاہِ حبش نجاشی کے نام۔

سلامتی ہو اُس پر جو ہدایت کی راہ پر گامزن ہوا۔ میں تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ بادشاہ ہے (اَلْمَلِکُ) ہر قسم کے نقص سے پاک ومنزہ (اَلْقُدُّوسُ)، خود سلامت (اَلسَّلٰمُ)، امن دینے والا (اَلْمُؤْمِنُ) اور نگہبان (اَلْمُھَیْمِنُ)۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) اللہ کی رُوح اور کلمہ ہیں۔ اللہ نے اُنہیں پاکدامن کنواری مریم (علیہا السلام) میں القا کیا جس سے وہ حاملہ ہوئیں تو اللہ نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی روح اور نفخ (پھونک) سے پیدا کیا جس طرح آدم (علیہ السلام) کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور میں تم کو اور تمہارے حبش کو اللہ عزّ وجل کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا اور نصیحت کردی۔ تم میری نصیحت قبول کرو۔ اور سلام اُس پر جو اللہ کی ہدایت کی پیروی کرے۔"

(مُہرِ نبوّت، رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

عرصہ دراز سے عرب اور حبش کے درمیان بہترین تعلقات قائم تھے، اسی بنا پر مسلمانوں نے قریش کے مظالم سے تنگ آکر ماضی میں حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ تب شاہِ حبش اصحم نجاشی (نجاشی حبش کے بادشاہوں کا خطاب ہوتا تھا، اصحم بن ابجر اُس وقت کے باشاہ کا اصل نام تھا) نے نہ صرف مسلمانوں کو پناہ دی تھی بلکہ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ مبارکہ سے گہری عقیدت واحترام

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم وآخر (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)، ص ۶۲۸۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، سیاسی وثیقہ جات (اردو ترجمہ) ص ۴۶، ۴۷۔ ابو البرکات عبد الرؤف دانا پوری، اصح السیر، ص ۴۳۶

Presented by Ziaraat.Com

اور دِلی وابستگی کا اظہار بھی کیا تھا۔ اُم المومنین حضرت اُمّ حبیبہؓ کے رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکاح میں بھی اسی شاہِ حبش اصحم نجاشی کا اہم کردار تھا (ہجرتِ حبشہ اور ازواج نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابواب میں اس کا تفصیلی ذِکر کیا جاچکا ہے)۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامۂ مبارک پاکر نجاشی بہت خوش ہوا۔ جواباً اُس نے بھی سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں خطوط ارسال کئے جن میں سے دوخط مندرجہ ذیل ہیں:

شاہِ حبش نجاشی کا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بخدمت جناب محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، من جانب اصحم ابن ابجر

اے اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہ میں سلام عرض کرتا ہوں اور اللہ کی رحمت وبرکت کا ہدیہ پیش کرتا ہوں۔ اُس اللہ کی جانب سے جوتنہا لائقِ عبادت ہے اورجس نے مجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق عطافرمائی۔ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی ولادت کے بارے میں جوارشاد فرمایا ہے، خداوندِ عرض وسما کی قسم! حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) میں اس سے بڑھ کر کوئی اور بات نہیں (یعنی بلاکم وکاست ایسا ہی ہے) اورآپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر جوقرآن نازل ہوا ہے تومیں یقین رکھتا ہوں کہ وہ اللہ ہی کی جانب سے ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کےعم زاد بھائی (حضرت جعفرطیار بن ابی طالب رضی اللہ عنہ) اوراُن کے رفقاء کارہمارے ہاں تشریف لائے، میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بھائی کے ہاتھ پرآپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیعت کرلی اورخدائے ربُ العالمین کی وحدانیت کااعتراف کرلیا۔ میں اپنے بیٹے ارہابن اصحم بن ابجر کوآپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیج رہاہوں لیکن اپنے نفس کے سوا دوسروں کی ذمہ داری لینے سے قاصر ہوں۔ اگرحکم ہوتو میں خودبھی حاضرِ خدمت ہونے پرآمادہ ہوں۔ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! جب میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت پرایمان لاچکاہوں توپھرآپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حکم کی تعمیل کیامشکل ہے۔

والسّلام علیک یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

Presented by Ziaraat.Com

شاہِ حبش نجاشی کا دوسرا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ بحضور جناب محمد نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، من جانب نجاشی اصحم ابنِ ابجر

السّلام علیک یارسول اللہ من اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ بعدازیں میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قبیلے (یعنی قریش) کی مسلمان بی بی اُمِّ حبیبہؓ بنت ابوسفیان کا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے نکاح کردیا ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں مندرجہ ذیل اشیاء ہدیۃً اریحا کے ہمراہ بھیج رہا ہوں:

ایک قمیض، ایک پاجامہ، ایک رداء اور چرمی موزوں کی ایک جوڑی۔

والسّلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مکتوبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بنام والی مصر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ من محمّد عبداللہ رسُول اللہ الیٰ المقوقس عظیم القبط ○ سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ ○ اما بعد فانی ادعوك بدعایة الاسلام ○ اسلم یوتك اللہ اجرك مرتین ○ فان تولیت فعلیك اثم اھل القبط ○ یا اھل الکتب تعالوا الی کلمه سوآء بیننا وبینکم ان لانعبد الا اللہ ○ ولا نشرك به شیئاً ○ ولا یتخذ بعضنا بعضاً اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون[1]

(مُہرِ نبوّت، رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم وآخر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ص ۶۲۸ ۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، سیاسی وثیقہ جات، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی زندگی ص ۱۹۹ ۔ طبری، ۳:۱۵۶۹ ۔ صبح الاعشی، ۶:۴۶۶ ۔ ابوالفداء عمادُ الدین ابن کثیر (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابن کثیر ۳:۸۴ ۔ ابن القیم (متوفی ۷۵۱ھ)، زادالمعاد، ۳:۶۰

Presented by Ziaraat.Com

ترجمہ:

''شروع اللہ مہربان اور رحیم کے نام سے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جانب سے جو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔ مُقوقس کے نام جو قبط (مصر) کا حاکم ہے۔ سلامتی ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں، دائرہ اسلام میں داخل ہو جاؤ، سلامت رہو گے۔ اسلام قبول کر لو، اللہ تمہیں دُہرا اَجر دے گا۔ اگر تم روگردانی کرو گے تو اہلِ قبط کا وبال بھی تم پر ہو گا۔ اے اہلِ کتاب! اُس بات کی طرف آؤ جو ہمارے تمہارے درمیان متفق علیہ ہے یعنی یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ ہم میں سے بعض کسی کو اللہ کے سوا اپنا ربّ نہ بنائیں۔ پھر اگر اس سے روگردانی کرو تو گواہ رہنا کہ ہم اللہ کے فرماں بردار بندے (مسلمان) ہیں۔'' (مُہرِ نبوّت، رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نامۂ مبارک حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے قبط یعنی مصر کے حاکم مُقوقس کو پہنچایا۔ اُس نے کہا میں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے متعلق غور و فکر کیا ہے۔ وہ کسی اچھی بات سے منع کرتے ہیں نہ برائی کا حکم دیتے ہیں اور نہ تو میں اُنہیں جھوٹا جادوگر سمجھتا ہوں اور نہ جھوٹا کاہن ہی خیال کرتا ہوں۔ میں اُن میں علاماتِ نبوّت محسوس کرتا ہوں پس اس پر مزید سوچ بچار کروں گا۔ (۱)

مُقوقس نے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامہ مُبارک نہایت تعظیم کے ساتھ ایک قیمتی صندوقچی میں بند کر دیا۔ مصر کے شاہی کتب خانہ میں یہ نامۂ مبارک اب تک محفوظ ہے۔ (۲)

پھر مُقوقس نے ایک عربی کاتب کو بلوا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مندرجہ ذیل خط لکھوایا:

---

(۱) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ص ۵۹۷

(۲) خواجہ محمد لطیف، اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ ج ا ص ۱۴۰

Presented by Ziaraat.Com

حاکم مصر مُقَوّقِس کا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں مقوقس عظیم قبط کی طرف سے۔

سلام ہو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر۔ امّا بعد، میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نامۂ گرامی پڑھا اور اس میں جو کچھ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہے اور جس بات کی طرف بلایا ہے، اُس کو سمجھا۔ میں جانتا ہوں کہ ایک نبی باقی ہیں مگر میرا خیال تھا کہ اُن کا خروج شام میں ہوگا۔ میں نے جناب کے قاصد کی عزت افزائی کی ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں قوم قبط (مصر کی قوم) کی دو بلند مرتبہ کنیزیں، خلعت اور سواری کے لئے خچر بطور تحفہ روانہ کیے ہیں۔ والسّلام علیک

بروایتے اُن کنیزوں کے نام ماریہ اور سیرین تھا اور خچر کا نام دُل دُل تھا۔ مقوقس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفیر حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو بھی خلعت اور ایک سو مثقال سونا دیا۔ [1]

مکتوبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بنام شاہِ یمامہ ہوذہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ من محمّد رسول اللہ الیٰ ھوذہ بن علی ○

سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ واعلم ان دینی سیظھر الیٰ منتھی الخف والحافر

فاسلم تسلم واجعل لك ما تحت یدیك [2]

(مُہرِ نبوّت، رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ص ۵۹۸

ابن القیم (متوفی ۷۵۱ھ)، زاد المعاد، ج ۳، ص ۱۸۴۔ دانا پوری، اصح السیر، ص ۴۳۸

[2] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ص ۶۲۹

Presented by Ziaraat.Com

ترجمہ:

''اللہ رحمٰن اور رحیم کے نام سے۔ اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے ہوذہ بن علی کے نام۔ سلامتی ہو اُس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ جان لو کہ میرا دین وہاں تک پھیلے گا جہاں تک چوپائے اور گھوڑے جا سکتے ہیں۔ اسلام قبول کر لو تو تمہاری لئے سلامتی ہے اور جو علاقہ تمہارے ماتحت ہے اُسے تمہارا بنا دیں گے۔''

(مہرِ نبوّت، رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ مکتوب گرامی لے کر حضرت سلیط بن عمرو عامری رضی اللہ عنہ شاہِ یمامہ ہوذہ کے پاس گئے۔ ہوذہ اُن کے ساتھ بہت احترام سے پیش آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامۂ مبارک بڑی توجہ سے سُنا پھر مندرجہ ذیل خط جواب میں لکھوایا:

شاہِ یمامہ ہوذہ کا خط

''کتنی اچھی اور خوبصورت بات ہے جس کی طرف آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیں بُلاتے ہیں۔ عرب میرے مقام و مرتبہ کی تعظیم کرتے ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے اختیارات تفویض فرمائیں، (تو پھر) ہم اتباع کریں گے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کا خط سُن کر فرمایا، ''اگر وہ ایک بالشت زمین بھی طلب کرے گا تو نہیں دیں گے۔ جو کچھ اُس کے قبضے میں ہے وہ بھی جانے والا ہے۔''[1] نبی صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان صادق آیا اور ہوذہ کے قبضے میں جو کچھ تھا، سب جاتا رہا۔ (اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس نے اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیارات کے تفویض کیے جانے سے مشروط کیا تھا۔)

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ص ۵۹۸۔

Presented by Ziaraat.Com

مکتوبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بنام منذر بن حارث بن ابی شہر غسانی

یا حارث بن شمر غسانی

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے کتاب پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس کا نام حارث بن شمر غسانی لکھا ہے۔[1]

علامہ علی نقی نقوی صاحب نے تاریخ اسلام میں منذر بن الحارث بن ابی شہر الغسانی تحریر کیا ہے۔[2]

طبری نے تاریخ طبری میں منذر بن الحارث بن ابی شمر الغسانی رئیس دمشق لکھا ہے۔[3]

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ○ من محمد رسول اللہ الی الحارث ابن ابی شمر ○ سلام علی من اتبع الھدیٰ و امن بہ و صدق و انی ادعوك الی ان تومن باللہ وحدہٗ لا شریك ولہ یبقی لك ملك[4] (مُہرِ نبوت، رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ترجمہ:

''اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحیم ہے۔ اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جانب سے حارث بن ابی شمر کے نام۔ سلامتی ہو اُس پر جو راہِ ہدایت پر گامزن ہو اور جو ایمان لائے اور اُس کی تصدیق کرے۔ میں تمہیں اللہ عزوجل پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں، اللہ جو ایک ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں۔ (ایمان لے آؤ) اس طرح تمہارا ملک تمہارے پاس باقی رہے گا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خط شجاع بن وہب کے ہاتھ بھجوایا۔

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ص ۶۲۹

[2] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۰۱

[3] ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری (اردو)، ج ۲ حصہ اوّل، ص ۲۶۸

[4] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ص ۶۲۹۔

Presented by Ziaraat.Com

خیبر

(محرم ۷ ہجری/مئی جون ۶۲۸ء)

خیبر کا مقام مدینہ منورہ سے سات برید کی مسافت پر واقع تھا اور اُس وقت وہ مسافت ۴۸ گھنٹے کی تھی۔ برید کا مطلب ہے قاصد یا ڈاک یا ڈاکخانہ وغیرہ۔ پرانے زمانے میں ڈاک کی چوکیاں بنی ہوتی تھیں اور لمبی منزل تک ڈاک پہنچانے کا طریقہ یہ تھا کہ ایک قاصد ڈاک لے کر ایک چوکی تک جاتا تھا وہاں سے وہ ڈاک دوسرا قاصد لے کر اگلی چوکی تک جاتا تھا اور اسی طرح مختلف چوکیوں پر ڈاک اگلے قاصد کے حوالے کر دی جاتی تھی۔ پس یہاں برید سے مراد ڈاک کی چوکیاں ہیں یعنی مدینہ منورہ سے سات چوکیوں کی مسافت پر خیبر واقع تھا۔

خیبر کا نام عمالقہ میں سے ایک شخص کے نام پر مشہور ہوا، اُس شخص کے دوسرے بھائی کا نام یثرب تھا، مدینہ کو اُسی کی نسبت سے یثرب کہا جاتا تھا۔ ایک قول کے مطابق یہودیوں کی زبان میں خیبر کے معنی قلعہ کے ہیں، اُس شہر میں کئی مضبوط قلعے، کھیت اور نخلستان تھے جن کی نسبت سے اس جگہ کو خیبر کہا جاتا تھا۔[1]

خواجہ محمد لطیف انصاری صاحب لکھتے ہیں، ''خیبر عبرانی لفظ ہے جس کا ماخذ لفظ ''خبرؑ'' ہے جو قلعوں کے معانی میں ہے۔ خیبر مدینہ منورہ سے شمال کی طرف آٹھ منزل یعنی ۹۲ میل کے فاصلے پر یہودیوں کا ایک قصبہ تھا جہاں بہت سے قلعے تھے۔''[2]

مؤرخ کے اے حمید (بیرسٹر ایٹ لاء) لکھتے ہیں، ''خیبر مدینہ سے شام کی طرف تین منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں یہودیوں کی کئی ایک بستیاں قائم تھیں۔ یہودیوں کو خیبر کے فلک بوس قلعوں پر بہت ناز تھا، اُنہیں یقین تھا کہ اُن کا ملک بہت زیادہ مستحکم اور مضبوط ہے۔[3]

---

[1] سید محسن امین عاملی (متوفی ۱۹۵۳ء)، اعیان الشیعہ، ج ۲ ص ۲۵۶

[2] خواجہ محمد لطیف انصاری، اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ، ج ۱ ص ۱۵۰

[3] مسٹر کے۔ اے حمید بی اے (لندن) بیرسٹر ایٹ لا لاہور، تاریخ مسلمانانِ عالم، ج ۲ ص ۸۳

Presented by Ziaraat.Com

خیبر کی مہم ہجرت کے ساتویں سال کے آغاز میں، ماہ محرم کے وسط میں [1] یا بقولے جمادی الاوّل میں [2] یا بروایتے ٦ ہجری کے آخری ماہ ذی الحجہ میں [3] پیش آئی۔

جنگِ خیبر کا پس منظر

میثاق مدینہ کے باب میں تفصیلاً بیان کیا جا چکا ہے کہ مدینہ اور اُس کے گرد ونواح کے یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا جسے تاریخ میں میثاقِ مدینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اُس معاہدے کے تحت اُنہوں نے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت کو سیاسی طور پر قبول کیا تھا اور اسلامی حکومت کے زیرِ سایہ بحیثیت رعایا رہنا تسلیم کیا تھا۔ اُنہوں نے عہد کیا تھا کہ وہ امن سے رہیں گے اور مسلمانوں کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کریں گے، بلکہ مسلمانوں کے کسی حریف کا ساتھ بھی نہیں دیں گے اور اگر مسلمانوں کے خلاف کوئی بیرونی دشمن سر اُٹھائے گا تو وہ مسلمانوں کی حمایت کریں گے۔ لیکن اس کے برعکس یہودیوں نے در پردہ اور بسا اوقات کھلم کھلا اسلامی حکومت کے خلاف کئی گھناونی سازشیں کیں حتیٰ کہ مشرکینِ مکّہ کا ساتھ بھی دیا۔ اس بغاوت کی پاداش میں یہودیوں کے خلاف کی گئی کاروائیاں، جنہیں ''تادیبی کاروائیاں'' کہا جاسکتا ہے، بیان کی جا چکی ہیں۔ اُن کاروائیوں کے ذریعے یہودیوں کو مدینہ بدر بھی کیا گیا تھا جن میں سے اکثر خیبر چلے گئے تھے۔

خیبر کے یہودیوں نے مخالف جماعتوں کے ساتھ ساز باز کر کے کئی قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ایک خفیہ معاہدہ کیا کہ مدینہ پر حملہ کر کے اسلامی حکومت کو تاراج کر دیا جائے اور اگر وہ اس مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ہمیشہ کے لئے خیبر کی نصف پیداوار اپنے حلیفوں کو دیں گے۔ [4]

---

[1] ابوالفداء (متوفی ١٣٣١ء)، تاریخ ابوالفداء، ج ١ ص ١٤٧

[2] سید محسن امین عاملی (متوفی ١٩٥٣ء)، اعیان الشیعہ، ج ٢ ص ٢٥٦

[3] علامہ طبرسی (متوفی ٥٣٢ء)، اعلام الوریٰ

[4] مسٹر کے اے حمید، بی اے (لندن) بیرسٹرایٹ لاء لاہور، تاریخ مسلمانانِ عالم، ج ٢ ص ٨٣

Presented by Ziaraat.Com

چنانچہ چھ ہجری کے اواخر میں خیبر کے یہودیوں نے اپنے حلیف قبیلہ غطفان اور یثرب کے کئی چھوٹے موٹے قبائل کو مالِ غنیمت کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملالیا۔ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کے ناپاک عزائم کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جوابی کاروائی کی تیاری شروع کر دی۔

لشکرِ اسلام کی روانگی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محرّم سات ہجری میں حضرت سباع بن عُرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا نگران مقرر فرمایا اور سولہ سو (۱۶۰۰) مجاہدین کے ساتھ جن میں دوسو (۲۰۰) سوار اور چند رضا کار خواتین تھیں [1] یا چودہ سو (۱۴۰۰) مسلمان جن میں بیس (۲۰) خواتین تھیں، [2] خیبر کی طرف پیش قدمی فرمائی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگی اُمور اور عسکری منصوبہ بندی کے ماہر تھے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برق رفتاری سے رجیع پہنچ کر چھاؤنی ڈال دی۔ یہ غطفان اور خیبر کے درمیان عسکری نوعیت کا ایک اہم ترین مقام تھا۔ یہاں چھاؤنی قائم کرنے کا مقصد یہ تھا کہ غطفان سے خیبر جانے والی شاہراہ کو کاٹ دیا جائے تاکہ غطفان خیبر کے یہود کو کمک نہ پہنچا سکیں اور اسلامی لشکر پر عقب سے حملہ آور نہ ہوسکیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حکمت عملی کا نتیجہ فوراً ہی سامنے آ گیا۔ بنی غطفان کو جب خبر ہوئی کہ اسلامی لشکر خیبر کی طرف پیش قدمی کر چکا ہے تو وہ عقب سے حملہ آور ہونے کے لئے تیزی سے روانہ ہوئے مگر رجیع پر لشکرِ اسلام کو جارحانہ انداز میں صف آراء دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ عقب سے حملہ کرنے کا اب کوئی راستہ نہیں تھا، لشکرِ اسلام سے ٹکرانے کا مطلب خودکشی کے سوا اور کچھ نہ تھا چنانچہ وہ ناکام ونامراد واپس بھاگ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجیع کو اپنا عسکری صدر مقام بنایا، سامانِ رسد اور خواتین کا کیمپ بھی یہیں لگوایا اور لشکر کی ایک ٹکڑی اُن پر متعین فرما کر خیبر کی

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم وآخر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ص ۶۰۰

[2] مسٹر کے۔ اے حمید بی اے (لندن) بیرسٹر ایٹ لاء لاہور، تاریخ مسلمانانِ عالم، ج ۲ ص ۸۳

Presented by Ziaraat.Com

طرف کوچ فرمایا۔ سپہ سالارِ اعظم رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اتنی تیزی سے خیبر پہنچے کہ اسلامی لشکر کو دیکھ کر یہود سراسیمہ ہو کر اپنے قلعوں میں دبک گئے۔ وہاں اُن کے آٹھ قلعے تھے:

ایک طرف النّطاط، صعب بن معاذ، الشّق اور النّاعم تھے اور دوسری طرف الکتیبہ، الوطیح، السُّلالم اور القموص یا قیموس تھے۔ [۱] مسٹر کے اے حمید کے مطابق وہ دس قلعے تھے جن میں دس ہزار (۱۰۰۰۰) فوج ہر وقت لڑنے کے لئے تیار رہتی تھی۔ [۲] علامہ طبرسی لکھتے ہیں خیبر میں چودہ ہزار (۱۴۰۰۰) یہودی قلعہ بند تھے۔ [۳]

قلعہ القموص یا قیموس، ان قلعوں میں سب سے زیادہ مضبوط تھا اور مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ ایک پہاڑی پر واقع تھا، قموص درحقیقت اُسی پہاڑی کا نام تھا جس کی نسبت سے اُسے قلعہ قموص کہا جاتا تھا۔ [۴]

یہ قلعہ اس پوری یہودی ریاست کو محفوظ کرنے والا باب تھا اس لئے اس قلعہ قموص پر خیبر کا اطلاق ہوتا تھا۔ [۵] کچھ ایسا ہی دیگر کتب مثلاً فتح الباری اور فاتح خیبر میں بھی منقول ہے کہ قموص نامی قلعہ تمام قلعوں سے زیادہ مستحکم وعظیم تھا اور یہی قلعہ بسبب اپنی عظمت واستحکام کے اس خبر میں جس کا ذِکر اُوپر ہوا ہے خیبر کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ [۶]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہود کو پیشکش کی کہ دائرہ ایمان میں داخل ہو کر امان حاصل کرلو، لیکن وہ اس

---

[۱] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم وآخر (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)، ص ۶۰۱

[۲] مسٹر کے۔اے حمید بی اے (لندن) بیرسٹرایٹ لاء لاہور، تاریخ مسلمانانِ عالم، ج ۲ ص ۸۳

[۳] علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوریٰ

[۴] شہاب الدین ابوعبداللہ یاقوت بن عبداللہ رومی حموی (متوفی ۶۲۶ ہجری)، معجم البلدان، ج ۷ ص ۱۶۹۔
حسین بن محمد دیار بکری (متوفی ۸۹۲ ہجری ۱۵۷۴ء)، تاریخ خمیس، ج ۲ ص ۱۴۸

[۵] علامہ زرقانی (متوفی ۱۱۲۲ ہجری)، الزرقانی علی المواہب، ج ۲ ص ۲۲۳۰

[۶] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۳۶۹ بحوالہ فتح الباری، فاتح خیبر ص ۹

Presented by Ziaraat.Com

پر آمادہ نہ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حملے کا حکم صادر فرما دیا۔ سب سے پہلے قلعہ النطّاط پر حملہ ہوا اور وہ فتح ہو گیا، پھر قلعہ الناعم اور قلعہ صعب بھی سر ہو گئے۔ اب قلعہ قموص کی باری تھی لیکن اُسے سر کرنا دشوار ثابت ہوا چنانچہ اُس کا محاصرہ طول پکڑ گیا۔[1]

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شیرِ خدا علیہ السلام کی علالت

قلعہ قموص، جو خیبر کا مضبوط ترین قلعہ تھا اور جسے سر کرنا دشوار ترین ثابت ہوا، اُس کو فتح کرنے میں ناکامی کے دو اسباب تھے۔ ایک تو یہ کہ اُس قلعے کے محاصرے کے دوران درِ دشقیقہ کی وجہ سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مزاج ناساز ہو گیا[2] اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قلعہ سر کرنے کی مہم میں بنفسِ نفیس شامل نہ ہو سکے۔ اور دوسرا سبب تھا شیرِ خدا علی علیہ السلام کی عدم موجودگی، جو اب تک ہر جنگ میں پیش پیش تھے مگر شدید آشوبِ چشم میں مبتلا ہونے کی وجہ سے خیبر کی مہم میں آ ہی نہیں سکے تھے۔[3] اگر علی علیہ السلام ہوتے تو یہ قلعہ اب تک فتح ہو چکا ہوتا، جیسا کہ آنیوالے وقت نے بعد میں ثابت کر دیا۔

مسلمانوں کی خیبر فتح کرنے کی کوششِ ناکام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علالت کے دوران کچھ مسلمان خود ہی علم لے کر میدان میں جاتے رہے اور اپنی سی کوشش کرتے رہے مگر کسی سے قلعہ فتح نہ ہوا، عنانِ مراد ہاتھ نہ آئی اور وہ بے نیل و مرام ہی واپس لوٹتے رہے۔[4]

فاتحِ خیبر کا انتخاب اور عطائے علم

اہل سنت کے معروف سیرت نگار شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب ''مدارج النبوت'' میں لکھتے

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ص ۶۰۲

[2] حسین بن محمد دیار بکری (متوفی ۸۹۲ ہجری ۱۴۸۷ء)، تاریخ خمیس، ج ۲ ص ۴۳

[3] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۹۷، تاریخ خمیس، ج ۲ ص ۴۳

[4] ابوالفداء (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابوالفدا، ج ۱ ص ۱۸۷۔ شیخ عبدالحق، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۹۶

Presented by Ziaraat.Com

ہیں، ''ازل سے ارادۂ الٰہی اِسی پر تھا کہ یہ فضل خاص یعنی فتح خیبر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے ساتھ مزید خصوصیت کے ساتھ شامل ہو، چونکہ قلعہ قموص خیبر کے تمام قلعوں سے زیادہ سخت اور مستحکم تھا اس لیے اُس کو آپ کے ہاتھ پر فتح کرایا۔ اُسے خیبر کے تمام قلعوں اور اُن کے شہروں کا مقدمہ اور اساس بنایا۔ اگرچہ اُن میں سے کچھ قلعے مثلاً نطاۃ (نطاط) اور صعب وغیرہ اس سے پہلے فتح ہوچکے تھے لیکن تمام فتح خیبر اور اکمال جناب مرتضوی (حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام) سے منسوب ہے۔ پس ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، '' لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ غَدًا رَجُلاً یُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ یَفْتَحُ اللّٰہُ عَلَیْہِ ''یعنی کل وہ شخص جھنڈا لے گا جس کو اللہ اور اُس کا رسول پسند فرماتا ہے اور اللہ اُس پر فتح دے گا۔ ایک روایت میں آیا ہے'' رَجُلٌ کَرَّارًا غَیْرَ فَرَّارٍ '' یعنی وہ مرد بار بار پلٹ کر دشمن پر حملہ کرے گا اور پیچھے نہ ہٹے گا۔ روضۃ الاحباب میں اس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ وہ شخص بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہے اور پیچھے ہٹنے والا نہیں ہے۔ [1]

بروایتے، رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،

'' لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ غَدًا رَجُلاً یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ'' [2]

(ضرور بالضرور میں کل یہ علم اُس آدمی کو دوں گا جو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبوب رکھتا ہوگا اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسے محبوب رکھتے ہوں گے)۔ اسی طرح کے الفاظ الگ الگ روایتوں یا تاریخوں میں کچھ کمی بیشی کے ساتھ وارد ہوئے ہیں مثلاً تاریخ ابوالفداء میں ہے:

''اَمَا وَاللّٰہِ لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ غَدًا رَجُلاً یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَ یُحِبُّہُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ کَرَّارًا غَیْرَ فَرَّارٍ یاخذھا عنوۃ'' [3] (معلوم ہونا چاہئے کہ قسم اللہ کی میں لازمی طور یہ علم کل

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۹۶، ۲۹۷ بحوالہ روضۃ الاحباب

[2] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۳۷۰

[3] ابوالفداء (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابوالفداء، ج ۱ ص ۱۴۷

Presented by Ziaraat.Com

اُس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اُس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس سے محبت کرتے ہیں، وہ بڑھ بڑھ کر حملے کرنے والا ہے، بھاگنے والا نہیں اور وہ اس قلعہ کو قوّت و طاقت کے ساتھ لے لے گا)۔

اعلام الوریٰ میں ہے:

''لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ غَدًا رَجُلاً کَرَّارًا غَیْرَ فَرَّارٍ یُحِبَّ اللہ وَرَسُوْلَہٗ وَیُحِبُّہُ اللہ وَرَسُوْلُہٗ لَا یَرْجِعَ حَتّٰی یَفْتَحِ اللہُ عَلٰی یَدَیْہِ''[1] (میں لازمی طور پر یہ علم کل اُس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسے دوست رکھتے ہیں۔ وہ بڑھ بڑھ کر حملے کرنے والا ہے ایسا جو بھاگنے والا نہیں اور وہ اللہ اُس کے ہاتھ پر فتح و نصرت عنایت کرے گا)۔

ابن ہشام نے لکھا ہے:

''لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ غَدًا رَّجُلاً یُحِبُّ اللہُ وَرَسُوْلَہٗ یَفْتَحِ اللہ عَلٰی یَدَیْہِ لیس بِفَرَار''[2] (میں لازمی طور پر یہ علم کل اُس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور اللہ اُس کے ہاتھ پر فتح و نصرت عنایت کرے گا اور وہ بھاگنے والا نہیں۔)

جب زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ اعلان ہوا تو ہر ایک کے دِل میں یہ حسرت پیدا ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل مجھے علم عطا فرمائیں۔ پس وہ بارگاہِ رسالت میں دوزانو ہو کر اور گھٹنوں کے بل بیٹھے اور گردنیں لمبی کر کر کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پُراُمید نظروں سے دیکھنے لگے۔[3]

---

[1] علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوریٰ

[2] ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء) تاریخ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۸۷

[3] ابوالفداء (متوفی ۱۳۳۱ء)، ابوالفداء ج ۱ ص ۱۴۰، ابوجعفر محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری ج ۳ ص ۹۳۔ علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوریٰ۔ حسین بن محمد دیار بکری (متوفی ۱۵۷۴ء)، تاریخ خمیس ج ۲ ص ۴۸

Presented by Ziaraat.Com

اسداللہ الغالب علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شجاعت اور مردانگی سے سبھی واقف تھے اس لیے جانتے تھے کہ عطائے علم کے واحد حقدار تو وہی ہیں لیکن دل کو اطمینان یہ تھا کہ وہ آشوبِ چشم میں مبتلا ہونے کیوجہ سے اس مہم پر آئے ہی نہیں، پس اُن کی عدم موجودگی میں اُس خاص علمدار کا انتخاب باقی ماندہ لوگوں میں سے ہی ہوگا۔

''مدارج النبوت'' میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب فرماتے ہیں ''روایت میں ہے کہ ایک جماعت دوسرے سے کہتی تھی ''یہ تو طے سمجھو کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام تو اس مراد سے فائز نہ ہوں گے کیونکہ اُن کی آنکھ اس شدت سے درد کرتی ہے کہ وہ اپنے پاؤں تک نہیں دیکھ سکتے۔''[1]

معروف مؤرخ علامہ طبرسی لکھتے ہیں ''قریش کے لوگ آپس میں کہہ رہے تھے کہ علی علیہ السلام کے میدان میں آنے کا خطرہ تو ہے ہی نہیں کیونکہ اُن کی آنکھیں اس شدت سے دُکھتی ہیں کہ وہ اپنے پیر رکھنے کی جگہ نہیں دیکھ سکتے۔''[2]

اُدھر مدینہ میں حضرت علی علیہ السلام کا دل سخت بے قرار اور مضمحل تھا اور ایک ہی خیال دامن گیر تھا آنکھ کی تکلیف کے سبب خیبر کی مہم میں رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمرکابی کے شرف سے محروم رہ گئے۔ پس ربِ اعلیٰ کے حضور دُعا گو ہوئے ''اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ'' (الٰہی! جب تُو عطا کرنا چاہے تو کوئی روکنے والا نہیں اور جب تُو روکنے والا ہے تو کوئی دینے والا نہیں) چنانچہ جاں نثارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ رہا گیا اور علالت میں ہی مدینہ طیبہ سے نکل پڑے اور خیبر کی طرف چل دیے۔ اُدھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی آپ کی روانگی کی خبر ہوگئی۔

خیبر کے اُفق پر اگلے دن کا وہ آفتاب طلوع ہو چکا تھا جس سے کئی لوگوں کی اُمیدیں وابستہ تھیں۔ لوگ پیکر آس بنے رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیکھ رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''علی

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۹۶

[2] علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوریٰ

Presented by Ziaraat.Com

ابن ابی طالب (علیہ السلام) کہاں ہیں؟''

شاید فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لوگوں کو اپنی اُمیدوں کے چراغ گُل ہوتے ہوئے نظر آئے جو اُنہوں نے ہر طرف سے عرض کیا وہ یہیں ہیں لیکن اُن کی آنکھیں اتنا درد کرتی ہیں کہ وہ اپنے پاؤں تک کو نہیں دیکھ سکتے۔ فرمایا، ''اُن کو میرے پاس لاؤ۔''[1]

حضرت مسلمہؓ بن الاکوع گئے اور علی علیہ السلام کو ہاتھ سے تھام کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے سر کو اپنی مبارک ران پر رکھا، اپنا لعابِ دہن مبارک اُن کی چشمِ مبارک میں لگایا اور دُعا مانگی۔ اُسی وقت اُن کی آنکھ سے درد جاتا رہا اور اُنہیں شفائے کلی حاصل ہوگئی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا بھی مانگی، ''اَللّٰھُمَّ اَذْھِبْ عَنْہُ الْحُرَّ وَالْقَرَا'' یعنی اے خدا! اِن سے گرمی اور سردی دونوں کو دُور رکھ۔ ابن لیلیٰ کہتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام سخت گرمی میں روئی کا لباس اور سخت سردی میں باریک کپڑے کا لباس زیب تن فرما لیتے تو بھی اُنہیں کوئی ضرر نہ پہنچتا تھا۔ پس جب علی علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعا سے آشوبِ چشم سے نجات پائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں اپنی خاص زرہ پہنائی، اُن کے میان سے تلوار باندھی اور فرمایا، ''جاؤ التفات نہ کرنا جب تک کہ حق تعالیٰ تمہارے ہاتھ پر قلعہ فتح نہ فرما دے۔ اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ (علیہ السلام) علم لے کر روانہ ہوئے۔''[2]

مورخ دیار بکری نے لکھا ہے، ''علی علیہ السلام شفایاب ہوگئے تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی فولادی زرہ اُن کو زیب جسم فرمائی اور ذوالفقار اُن کی کمر میں لگائی اور پھر علم عطا فرمایا۔''[3]

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۹۶۔ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۳۷۵ بحوالہ علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوریٰ۔ حسین بن محمد دیار بکری، تاریخ خمیس ج ۲ ص ۴۸۔

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۹۷

[3] حسین بن محمد دیار بکری (متوفی ۸۹۲ ہجری ۱۵۷۴ء)، تاریخ خمیس ج ۲ ص ۴۹

Presented by Ziaraat.Com

علامہ طبرسی نے لکھا ہے، ''علی علیہ السلام کو ہاتھ سے پکڑ کر لایا گیا تو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کا سر اپنے زانو پر رکھ کر آنکھوں میں اپنا لعاب دہن ڈالا تو فوراً آنکھیں صحیح وسالم ہوگئیں۔ اس کے بعد اُن کو اپنا علم دے دیا۔''[1] طبری نے بھی کچھ ایسا ہی لکھا ہے، ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو بلایا، اُن کو آشوبِ چشم تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی آنکھوں پر اپنا لعابِ دہن لگایا اور اپنا جھنڈا اُن کو دیا۔''[2] سیرت ابن ہشام میں ہے، ''حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو بلایا اس عالم میں کہ وہ آشوبِ چشم میں مبتلا تھے تو اُن کی آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن ڈالا پھر فرمایا اب یہ علم لے جاؤ کہ اللہ تمہارے ہاتھوں فتح کی صورت نصیب کرے۔''[3]

قدیم ترین مؤرخ واقدی لکھتے ہیں، ''لوگ آ کر حضرت پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے۔ جب تمام لوگ اپنے اپنے جھنڈوں سمیت آ گئے تو حضرت پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم کو ہاتھ میں لے کر جنبش دی اور اپنے پروردگار سے دُعا مانگی پھر اُسے علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے حوالے کر دیا۔''[4]

جناب امیر علیہ السلام کا اندازِ وُرُود

وہ علم جسے پانے کی آرزو ہر مسلمان کے دِل کی حسرت بن کے رہ گئی تھی، جناب امیر المومنین علیہ السلام کو عطا ہوا تو آپ کی چال میں عجب وقار اور رفتار میں بلا کی تیزی عَود کر آئی اور آپ برق رفتاری کے ساتھ میدان کی طرف بڑھے۔ مؤرخین لکھتے ہیں، ''علم پانے کے بعد حضرت علی علیہ السلام دوڑتے ہوئے میدان کی طرف روانہ ہوئے۔''[5]

---

[1] علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوریٰ

[2] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ حصہ اوّل ص ۲۷۵

[3] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۸۴۔ ابوالفداء (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابوالفداء ج ۱ ص ۱۴۷

[4] ابوعبداللہ محمد بن عمر واقدی (متوفی ۸۲۲ء)، کتاب المغازی للواقدی مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۵ء ج ۱ ص ۳۹۱

[5] علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوریٰ۔ ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء) سیرت ابن ہشام، ج ۲ ص ۱۸۷۔ حسین بن محمد دیار بکری (متوفی ۸۹۲ ہجری ۱۵۷۴ء)، تاریخ خمیس ج ۲ ص ۴۹

Presented by Ziaraat.Com

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، ''آپ اتنی جلدی روانہ ہوئے کہ ہمیں ہتھیار لگانا مشکل ہو گئے اور سعد بن وقاص نے پکار کر کہا، ''اے ابوالحسن علیہ السلام! ٹھہریے کہ اور لوگ پہنچ جائیں۔'' ایک جگہ جابرؓ کا بیان یوں ہے کہ لوگ کہہ رہے تھے، ''یا علی علیہ السلام! رحم کیجئے، یعنی اتنی جلدی نہ کیجئے۔''[1]

شجاعتِ علی ابن ابی طالب علیہ السلام پر تورات کی گواہی

حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام جنہیں اَسَدُ اللہ (اللہ کا شیر) اور یَدُاللہ (اللہ کا ہاتھ) بھی کہا جاتا ہے، علم ہاتھ میں لئے قلعہ قموص کی جانب بڑھے۔ آپ قلعہ کے نیچے پہنچے تو ایک چٹان پر علم گاڑ دیا۔ ایک یہودی عالم نے جو قلعہ کے اُوپر کھڑا تھا پوچھا، ''اے صاحبِ علم! تُو کون ہے؟'' فرمایا، ''میں علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) ہوں۔'' اس پر وہ یہودی عالم اپنی قوم سے کہنے لگا، ''قسم ہے تورات کی! تم اِس شخص سے مغلوب ہو گئے۔ یہ فتح حاصل کئے بغیر نہ لوٹے گا۔''

وہ یہودی عالم حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کی شجاعت کو توریت کے حوالے سے جانتا تھا کیونکہ توریت میں وہ آپ کے اوصاف پڑھ چکا تھا۔[2]

شیرِ خدا علی المرتضیٰ علیہ السلام کی جنگ

اپنے عالم دین کی تنبیہ پر یہودیوں نے شاید توجہ نہیں دی تھی یا اُنہیں اپنی طاقت کا زعم تھا کہ شیرِ خدا علی علیہ السلام قلعہ کے نیچے پہنچے تو قلعہ کے سردار مرحب کا بھائی حارث جو اُس کا دستِ راست اور نائب تھا، علی علیہ السلام کے مقابل آ گیا۔ بروایتے اُس کا نیزہ تین من کا تھا اور وہ اس معرکہ میں کئی مسلمانوں کو شہید کر چکا تھا۔ وہ علی علیہ السلام کے مقابل آیا تو آپ نے ایک ہی وار سے اُسے جہنم واصل کر دیا۔ اُس کے بعد ''عنتر'' اور پھر کچھ اور بہادروں نے یکے بعد دیگرے علی علیہ السلام سے مقابلہ کیا لیکن سبھی ذوالفقارِ علی علیہ السلام کا شکار ہو گئے۔[3]

---

[1] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۸۱ بحوالہ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۸۴ و تاریخ خمیس ج ۲ ص ۴۹

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۹۸

[3] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۸۱

Presented by Ziaraat.Com

اپنے بھائی کے مارے جانے کے مرحب بہادروں کی ایک جماعت کے ساتھ انتقام لینے باہر نکلا۔ وہ بہت بلند قامت اور جنگجو شخص تھا، خیبر کے بہادروں میں اُس کا کوئی ثانی نہیں تھا اور اُس کی بہادری کا ڈنکا تمام خیبر میں بجتا تھا۔ اُس روز وہ دو دو زرہیں پہن کر اور دو دو تلواریں حمائل کر کے میدان میں نکلا تھا۔ اُس نے دو عمامے باندھ رکھے تھے جن کے اُوپر خود بھی پہن رکھا تھا وہ یہ رَجز پڑھتا ہوا میدان میں نکلا:

قَدْ عَلِمَتْ خَیْبَرُ اَنِّیْ مَرْحَبُ شَاکِی السَّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبُ

(سارا خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، مسلح، دلاور جنگ آزمودہ)

علی ابن ابی طالب علیہ السلام یہ رَجز پڑھتے ہوئے آگے بڑھے:

اَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَیْدَرَۃً ضِرْغَامُ آجَامٍ وَلَیْثُ قَسْوَرَۃً

(میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے، میں ضِرغام ہوں آجام ہوں اور حملہ آور لیث ہوں)

ضرغام، آجام اور لیث، یہ تینوں شیر کے مترادف المعنیٰ الفاظ ہیں۔[۱]

مرحب نے حضرت علی علیہ السلام کے سر اقدس پر تلوار کا وار کرنا چاہا لیکن اس سے پہلے ذوالفقارِ حیدری بجلی کی طرح کوندی۔ مرحب نے ذوالفقار کو اپنی ڈھال پر روکا تو وہ اُسے کاٹتی ہوئی اُس کے خود پر گری اور پھر خود کو اور دو عماموں کو اور اُس کے سر کو کاٹتی ہوئی اُس کے دانتوں تک پہنچ گئی۔[۲]

بروایتے علی علیہ السلام کی تلوار اُس غدار کا خود کاٹتی ہوئی، سر کو چیرتی ہوئی حلق تک جا پہنچی اور بقولے حلق سے بھی نیچے اُس کی رانوں تک چلی گئی۔ ایک روایت ہے کہ ذوالفقارِ حیدری اُس کی زین تک جا پہنچی۔[۳]

پس مرحب کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۹۸

[۲] حسین بن محمد دیار بکری (متوفی ۱۵۷۴ء)، تاریخ خمیس ج ۲ ص ۵۰۔ تاریخ طبری ج ۲ حصہ اوّل ص ۲۷۶

[۳] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۹۸

Presented by Ziaraat.Com

تاریخ طبری میں ہے کہ ضربِ حیدری کی گونج اتنی تھی کہ اہلِ لشکر نے بھی سنی۔ [1]

مدارج النبوت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں، ''اس کے بعد اہلِ اسلام، حضرت امیر علیہ السلام کی مدد کے ساتھ میدان میں اُترے اور یہودیوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ یہود کے شجاعوں میں سے سات کو آپ نے جہنم رسید کر دیا، باقی ہزیمت اُٹھا کر قلعہ میں داخل ہو گئے۔ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام بھی قلعے کی طرف بڑھتے چلے گئے ایسے میں ایک یہودی راہ میں حائل ہوا اور آپ کے دستِ اقدس پر وار کیا، آپ کی ڈھال زمین پر گر پڑی۔ دوسرا یہودی اس ڈھال کو اُٹھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ جناب امیر علیہ السلام کو جوش آیا، قُوّتِ ربّانی کی طرف سے ایسی روحانی قُوّت وارد ہوئی کہ آپ خندق کو پھاند کر قلعہ کے دروازہ پر جا پہنچے اور قلعہ کے آہنی دروازہ کا ایک پٹ اکھاڑا اور اُسے ڈھال بنا کر جنگ میں مشغول ہو گئے۔'' شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب آگے لکھتے ہیں، ''سیّدنا امام باقر سلام اللہ علیہ وعلیٰ آباء العظام واولادہ الکرام سے منقول ہے کہ جب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ علیہ السلام نے درِ خیبر کو اکھاڑنے کے لیے جھنجوڑا تو سارا قلعہ کانپنے لگا۔ حضرت صفیہؓ بنت حیی بن اخطب تخت سے گر پڑیں اور اُن کا چہرہ زخمی ہو گیا۔ غالباً حضرت صفیہؓ میں یہ جنبش سرایت کرنے میں حکمت وعلامت اور خاص مناسبت ہو جس کی بنا پر وہ اسیر ہوئیں اور آخر میں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عقد میں آئیں تاکہ وہ متنبہ ہو جائیں اور اُن میں اس دولت و سعادت کے قبول کرنے کی صلاحیت واستعداد پیدا ہو جائے۔ اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ جنگ سے فارغ ہونے کے بعد جناب امیر علیہ السلام نے اُس دروازہ کو پسِ پُشت پھینک دیا۔ بقولے بعد میں سات قوی وتنومند آدمیوں نے مل کر اس در کو ایک پہلو سے دوسرے پہلو پر پلٹنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے پھر چالیس آدمیوں نے مل کر چاہا کہ اُسے اُٹھالیں مگر عاجز رہ گئے۔ رَوضۃُ الاحباب، معارجُ النبوۃ اور سیر کی دیگر کتابوں میں ایسا ہی منقول ہے۔

---

[1] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۸۲ بحوالہ تاریخ طبری، مطبع حسینیہ، مصر ج ۳ ص ۹۳

Presented by Ziaraat.Com

معارجُ النبوۃ میں منقول ہے کہ اُس کا وزن آٹھ سو من تھا۔ المواھبُ الدُّنیۃ میں مروی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام نے جس بابِ خیبر کو اکھاڑا تھا اُسے ستر آدمی انتہائی مشقت اور کوشش کے باوجود ہلا تک نہ سکے۔ ابن اسحٰق کی روایت میں سات آدمی مذکور ہیں اور حاکم، بیہقی نے لیث بن ابی سلیم سے وہ حضرت ابوجعفر محمد علیہ السلام بن علی علیہ السلام بن حسین علیہ السلام سے اور وہ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام نے جس درِ خیبر کو اکھاڑ کر اٹھالیا تھا اُسے بعد میں چالیس آدمی بھی نہ اُٹھا سکے۔ جب قموص اور خیبر کے تمام قلعے والوں نے حضرت امیر علیہ السلام کی اس قوت وقدرت کا مشاہدہ کیا تو وہ سب فریاد کرنے لگے،"الامان الامان"۔ اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اشارہ سے اُن کو اس شرط پر امان دے دی کہ ہر آدمی اُونٹ پر خوراک لاد کر ان شہروں سے نکل جائے اور نقد اور تمام ساز وسامان اور اسلحہ مسلمانوں کے لئے چھوڑ دے۔ حضرت علی علیہ السلام اس مہم کو سر کرنے کے بعد بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خیمہ مبارک سے باہر تشریف لاکر آپ کا استقبال فرمایا، پھر آغوشِ اقدس میں لیا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دے کر فرمایا،"بَلَغَنِیْ ثَنَاءُكَ الْمَشْكُوْرُ وَ صَنِيْعُكَ الْمَذْكُوْرُ قَدْ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَرَضِيْتُ اَ نَا عَنْكَ"(تمہاری مشکورانہ تعریفیں مجھ تک پہنچیں اور تمہاری بہادری کے واقعات بیان ہوئے، بے شک اللہ ان سے راضی ہوا اور میں بھی تم سے راضی ہوا) اس پر جناب امیر علیہ السلام آبدیدہ ہوگئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا،"علی! یہ رونا خوشی کا ہے یا غم کا؟"عرض کیا،"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! یہ آنسو خوشی کے ہیں اور میں اس پر کیوں نہ خوش ہوؤں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مجھ سے راضی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا،"علی! میں اکیلا ہی تم سے راضی نہیں بلکہ اللہ اور جبرائیل اور

Presented by Ziaraat.Com

میکائیل اور تمام فرشتے بھی تم سے راضی ہیں۔"[1]

بروایتے اس کے بعد دوسری جانب کے باقی تین قلعوں الکتیبہ، الوطیع اور السّلالم کا محاصرہ کیا گیا۔ چودہ دن کے بعد یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیے اور خیبر کا سارا علاقہ فتح ہو گیا۔[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیبر کے یہودیوں پر کرم

قلعہ قموص سے سو (۱۰۰) زرہیں، چارسو (۴۰۰) تلواریں، ہزار (۱۰۰۰) نیزے، پانچ سو (۵۰۰) کمانیں اور بے شمار ساز و سامان اور دولت مالِ غنیمت میں حاصل ہوا جس میں سے پانچواں حصہ (خمس) نکال کر باقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں میں تقسیم فرمایا۔ منقول ہے کہ یہود کی غداری کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی جاں بخشی کر کے اُن پر احسان فرمایا اور خیبر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ اس پر اُنہوں نے عرض کیا کہ ہمیں ان کھیتوں اور باغوں میں اُجرت پر رکھ لیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہربانی کرتے ہوئے اُن کی گذارش کو قبول فرمایا اور پیداوار کا نصف حصہ اُن کی اُجرت مقرر فرما کر اُنہیں رکھ لیا۔ اس معاملہ کو مؤرخین نے "مخابرہ" یعنی خیبر والوں کا معاملہ لکھا ہے۔[3]

حضرت صفیہؓ

صفیہ بنت حیی بن اخطب، خیبر کے سردار کنانہ بن ابی الحقیق کی زوجیت میں تھیں جو اس معرکہ میں مارا گیا تھا۔[4] جنگ کے اختتام پر حضرت علی علیہ السلام نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ انہیں رسول

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۹۸ تا ۳۰۰ بحوالہ روضۃ الاحباب، المواہب الدنیہ، معارج النبوۃ وغیرہ

[2] بخاری، کتاب الفضائل، باب غزوہ خیبر

[3] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۳۰۱

[4] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۳۰۴

Presented by Ziaraat.Com

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ جو مناسب سمجھیں گے وہ سلوک کریں گے۔ اس سے حضرت علی علیہ السلام کی رواداری اور اعلیٰ ظرفی کا علم ہوتا ہے جو آپ نے اس پہلو کو بھی پیش نظر رکھا کہ کسی قوم کے سردار کی خواتین کے ساتھ عام قیدیوں کا سا برتاؤ نہیں کیا جاتا بلکہ اُن کے ساتھ اُن کے شایانِ شان سلوک کیا جاتا ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضرت صفیہ کو اُس طرف سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جس طرف مقتولین کے لاشے پڑے ہوئے تھے۔ لاشے دیکھ کر اُن کی حالت غیر ہوگئی۔ شاید حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس پر غور نہیں کیا ہوگا کہ ایک صنفِ نازک کے لئے اپنے عزیز مقتولین کی لاشوں کو دیکھنا کتنا کرب ناک ہوسکتا ہے مگر پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا، ''بلال! کیا تمہارے دل سے رحم بالکل جاتا رہا تھا؟''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو آزاد فرمادیا اور پھر (اُن کو سہارا دینے کے لئے) اُن سے نکاح کیا۔[1] اس سے بالکل واضح ہے کہ نبی گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے ساتھ شاہزادیوں کا سا برتاؤ کیا یعنی یہ نہیں ہوا کہ کنیز کی صورت سے بحق ملکیت اُن میں تصرف کیا گیا ہو بلکہ ایک آزاد عورت کی طرح اُن کا عقد ہوا جس پر طرفین کا ایجاب وقبول یعنی رضامندی ایک لازمی جزو ہے۔

مرحب کا قتل حضرت علی علیہ السلام کی بجائے محمد بن مسلمہ کے کھاتے میں

کتاب ہٰذا کی تالیف کے دوران، میں نے یہ بات خصوصی طور پر پیشِ نظر رکھی ہے کہ اس میں متنازعہ معاملات (متنازعہ سے میری مراد یہ ہے کہ جن پر اسلام کے مختلف مکاتب فکر میں ایسا اختلافِ رائے پایا جاتا ہو کہ جس کو بیان کرنے سے کسی مسلک کے افراد کی دل آزاری ہو) کو زیرِ بحث نہ لایا جائے۔ لیکن اب ایسی مشہور ومعروف اور غیر متنازعہ روایات کا کیا کیا جائے جنہیں محض بغضِ علی علیہ السلام کی بنا پر مسخ کردیا گیا ہو؟ ایسی ہی ایک جعلی روایت جسے عصرِ حاضر کے بعض

---

[1] علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوریٰ

Presented by Ziaraat.Com

''مؤلفین و مصنفین و مؤرخین'' بڑھ چڑھ کر بیان کررہے ہیں یہ ہے کہ جنگِ خیبر میں مرحب کو حضرت علی علیہ السلام نے نہیں بلکہ محمد بن مسلمہ نے قتل کیا تھا۔ بعض لوگوں نے اس روایت میں اورطرح سے ڈنڈی ماردی ہے۔ اُن کے مطابق مرحب کے قتل کا سارا سامان تو محمد بن مسلمہ نے کردیا تھا، علی علیہ السلام نے تو آخر میں آکر مرے ہوئے کو مارا۔ اسلامیہ یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے بھی نہایت اختصار کے ساتھ حقیقت بیان کرنے کے بعد ایسے ہی کسی ڈنڈی مار مؤرخ یا مصنف کی روایت نقل کردی ہے۔ وہ لکھتے ہیں، ''اب قلعہ قیموس کی باری تھی، لیکن اُسے سرکرنا دُشوار ہوگیا اور محاصرہ طول پکڑ گیا۔ آخر کار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کو علم عطا فرمایا۔ وہ میدانِ جنگ میں نکلے تو اُن کے مقابلے کے لئے مرحب آیا جو قوّت و دلیری میں سارے عرب میں مشہور تھا، لیکن حضرت علی نے اُسے قتل کردیا۔ ایک روایت میں ہے کہ مرحب نے چونکہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے بھائی کو پتھر گرا کر شہید کردیا تھا لہٰذا اُنہوں نے بدلہ لینے کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لڑنے کی اجازت لی اور اس کی پنڈلیاں کاٹ ڈالیں اور اُسے تڑپتا چھوڑ دیا۔ بعدازاں حضرت علی نے اُسے قتل کردیا۔''[1]

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر صاحب اس سے اُوپر والے پیرائے میں قلعہ النّاعم کی فتح کا ذِکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں، ''اس قلعے کے محاصرے کے دوران میں حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے۔ کنانہ ابن ابی الحقیق یا مرحب نے انہیں قلعے کے نیچے سوتے دیکھ کر اُوپر سے پتھر گرا کر شہید کردیا۔''[2]

ایک ''سوئے ہوئے'' شخص کو اُوپر سے پتھر گرا کر ماردینا ایک بزدلانہ اور گھٹیا سی حرکت ہے ایسی حرکت کسی بہادر کو زیب نہیں دیتی۔ مرحب اگرچہ یہودی تھا اور مقابلے میں مارا گیا لیکن وہ بزدل ہرگز نہ تھا۔ وہ بزدل ہوتا تو علی علیہ السلام جیسے ناقابلِ تسخیر مجاہد کے مقابلے پر نہ آتا اور آکر اپنی زبان

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ص ۶۰۲

[2] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ص ۶۰۲

Presented by Ziaraat.Com

سے یہ نہ کہتا، ''قَدْ عَلِمَتْ خَیْبَرُ اِنِّیْ مَرْحَبٌ شَاکِی السَّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبٌ (سارا خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، جنگوں کا مسلح ہیرو) مرحب واقعی پورے خیبر میں بہادر مشہور تھا پس مرحب کو اگر وار کرنا ہوتا تو قلعے سے باہر نکل کر محمود بن مسلمہ کو للکارتا اور تلوار سے شہید کرتا نہ کہ قلعے کے اُوپر سے پتھر گرا کر۔ پس محمود بن مسلمہ کو اُس نے نہیں بلکہ کنانہ ابن ابی الحقیق نے شہید کیا جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں ڈاکٹر نصیر احمد ناصر صاحب خود لکھ چکے ہیں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر واقعی مرحب نے محمد بن مسلمہ کے بھائی محمود بن مسلمہ کو شہید کیا تھا اور محمد بن مسلمہ بھائی کا انتقام لینے مرحب کے مقابل گئے تھے اور اُس سے لڑ کر اُس کی پنڈلیاں کاٹ ڈالیں تھیں تو پھر اُسے قتل کیوں نہ کیا؟ جبکہ مرحب ہی قلعہ قموص کا طاقتور ترین پہلوان تھا اور اس معرکہ کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ خیبر کی شکست اور فتح کا انحصار ہی اُس پر تھا، پس اگر یہ جنگ محمد بن مسلمہ ہی نے جیتنا تھی تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام جیسے کرار اور غیر فرار کا انتظار اور اہتمام محض ایک ادھ موئے اور لاچار آدمی کو مارنے کے لئے کیا؟

تیسری دلیل یہ ہے کہ تاریخ شاہد ہے کہ علی علیہ السلام کسی بھاگتے ہوئے یا گرے ہوئے لاچار آدمی کو قتل نہیں کرتے تھے۔ یہ تو ہے ہی شانِ علی علیہ السلام کے منافی۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ تڑپتے ہوئے مرحب کو جس کی پنڈلیاں کٹی ہوئی ہوں علی علیہ السلام نے قتل کیا ہو؟

اور چوتھی دلیل یہ ہے کہ کیا علی علیہ السلام کی ''اس'' دلیری پر اللہ، رسول اللہ اور ملائکہ راضی ہو رہے تھے؟ اور کثیر مؤرخین و مؤلفین علی علیہ السلام کے قصیدے لکھ رہے تھے؟ کیا کسی ادھ موئے شخص کو مارنا کوئی فضیلت کی بات ہے؟

اہل سنت کے مشہور سیرت نگار جناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی مستند کتاب مدارج النبوت میں خیبر فتح ہوجانے کے بعد کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں، ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنانہ بن ابی حقیق کو جو خیبر کے رئیسوں میں سے تھا محمد بن مسلمہ کے سپرد کر دیا تا کہ وہ اُسے اپنے بھائی محمود کے عوض قتل کر دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المومنین علی المرتضیٰ علیہ السلام کو جنگ قموص کی

Presented by Ziaraat.Com

جانب بھیجتے وقت محمد بن مسلمہ سے فرمایا تھا کہ تمہیں بشارت ہو کہ کل تم اپنے بھائی کے قاتل کو قتل کرو گے۔"[1] پس دہلوی صاحب نے بات ہی واضح کردی۔ محمد بن مسلمہ کا مرحب سے انتقام اور پنڈلیاں کاٹنا اور علی علیہ السلام کا بعد میں مرے ہوئے کو مارنا سب من گھڑت ہے اور اس من گھڑت کہانی کے خالق وہی ہو سکتے ہیں جنہیں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی ہر فضیلت کھٹکتی ہے۔

یہود کی سازش

غزوۂ خیبر کے واقعات میں یہودیوں کی ایک ناپاک سازش کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔ روایت ہے کہ کہ مرحب کی بھتیجی اور سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت حارث نے، بکری کے گوشت میں سریع الاثر زہر ملایا اور وہ زہریلا کھانا تیار کر کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور تناول فرمانے کی درخواست کی۔ اُس وقت صحابہؓ کی ایک جماعت بھی بارگاہِ رسالت میں موجود تھی جن میں حضرت بشیر بن براء بھی تھے۔ اُس کھانے میں سے ران کا ایک ٹکڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لے کر دانتوں سے کاٹا، بشیر بن براء نے بھی کچھ حصہ لے لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانا چکھتے ہی حضرت بشیر بن براءؓ سے فرمایا۔ "اسے تھوک دو یہ ران کہتی ہے کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے۔"

بشیر بن براءؓ اپنی جگہ سے اُٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ اُن کا رنگ سبز و سیاہ ہو گیا اور وہ اُسی وقت انتقال کر گئے۔ ایک روایت ہے کہ وہ ایک سال بیمار رہنے کے بعد فوت ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر یہود کے تمام سرداروں اور زینب بنت حارث یہودیہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رُوبرُو پیش کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے کچھ بات چیت کرنے کے بعد دریافت فرمایا کہ کیا تم کھانے میں زہر ملا کر لائے تھے؟ اُنہوں نے اقرار کر لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ کہنے لگے ہمارا مقصد تھا کہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جھوٹے نبی (معاذ اللہ) ہوئے تو ہم

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۳۰۰

Presented by Ziaraat.Com

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے نجات پالیں گے اور اگر سچے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوئے تو پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ بقول آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ سوالات اُس یہودیہ سے کیے تھے۔ مؤرخین کا اس میں اختلاف ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُس عورت کو سزا دی یا چھوڑ دیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُسے چھوڑ دیا لیکن بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اُسے قتل کروا دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب اُس عورت پر ظاہر ہو گیا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نبی برحق ہیں تو وہ اسلام لے آئی تھی۔ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس گوشت کی اذیت کو ہمیشہ اپنے اندر محسوس کرتا ہوں جسے خیبر میں کھایا تھا۔[1]

آفتابِ امامت کے لئے آفتابِ فلک کی واپسی

غزوۂ خیبر تاریخ میں جناب امیر المومنین علیہ السلام کے حوالے سے ہی جانا جاتا ہے۔ جناب علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا آشوبِ چشم میں مبتلا ہو کر مدینہ میں ہی رُک جانا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیچھے اس حال میں خیبر پہنچنا کہ آپ کو اپنے پاؤں رکھنے کی جگہ بھی آشوبِ چشم کی وجہ سے دکھائی نہیں دیتی تھی، پھر بارگاہِ رسالت میں پہنچنا اور آغوشِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لیٹ کر آنکھوں میں لعابِ دہنِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ڈلوا کر شفایاب ہو جانا، اور دستِ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علم کا عطا ہونا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہی مبارک ہاتھوں سے جنگ کے لئے آراستہ ہونا اور مرحب جیسے دلاور کو دولخت کر دینا اور بابِ خیبر کو اکھاڑ کر سپر بنا لینا اور ناقابلِ تسخیر سمجھے جانے والے قلعہ خیبر کی اینٹ سے اینٹ بجا دینا اور ملائکہ سے داد و تحسین وصول کرنا وغیرہ وغیرہ۔

اُسی خیبر کی سرزمین پر ایک اور واقعہ بھی رونما ہوا جسے مختصاتِ جناب علی علیہ السلام کی نسبت سے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا اور وہ ہے علی علیہ السلام کے لئے سورج کا واپس پلٹ کر آنا۔

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۳۰۷

Presented by Ziaraat.Com

روایت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر سے واپسی پر منزل صہبا پر پہنچے تو نمازِ عصر ادا فرمائی اور نماز پڑھنے کے بعد سرِ مبارک امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے زانو پر رکھ کر سو گئے یہاں تک کہ وحی کے آثار نمودار ہوئے۔ علی علیہ السلام نے نمازِ عصر ابھی ادا نہیں کی تھی اور نزولِ وحی کی مدت اتنی طویل ہوگئی کہ آفتاب غروب ہوگیا۔ جب وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا، ''کیا عصر کی نماز پڑھ لی؟'' عرض کیا، نہیں! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، میں نے نہیں پڑھ سکا۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہِ الٰہی میں دُعا فرمائی، ''یارب! اگر علی (علیہ السلام) تیری اور تیرے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت میں تھے تو آفتاب کو حکم دے کہ لوٹ آئے تاکہ وہ نمازِ عصر ادا کرلیں۔'' خداوند تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعا قبول فرمائی اور سورج جو کہ غروب ہو چکا تھا پلٹ آیا یہاں تک کہ اُس کی شعاعیں پہاڑوں اور ٹیلوں پر پڑنے لگیں اور مخلوقِ خدا نے آنکھوں سے دیکھا۔ پس حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام نے وضو کیا اور نمازِ عصر ادا فرمائی۔ [۱]

فدک

فدک حجاز کی ایک بستی ہے جو اُس دَور میں مدینہ منورہ سے دو یا تین دن کی مسافت پر واقع تھی۔ خیبر کی فتح کے بعد اردگرد کے یہودیوں پر اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان وشوکت کا بہت گہرا اثر ہوا تھا یہی وجہ تھی کہ فدک کے یہودیوں نے بنا کسی لڑائی کے اپنی املاک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کر کے مصالحت کر لی۔ [۲]

ابن شہاب زہری کی روایت کے مطابق یہ املاک ان سات قطعوں پر مشتمل تھیں:

۱) اعوف ۲) برقہ ۳) صافیہ ۴) مسیب ۵) حسنیٰ ٦) مشربہ اُم ابراہیم اور ۷) دلال۔ [۳]

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱٦۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۳۰۸

[۲] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۸۹۔ معجم البلدان، مصر ج ۲ ص ۳۴۲

[۳] فروع کافی، مطبوعہ ایران ۱۳۱۵ھ ص ۲۴۷، کتاب الوصایا باب صدقات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

Presented by Ziaraat.Com

ان قطعات میں بہت سارے نخلستان تھے۔ ۷ ہجری تک یہ املاک کفارِ خیبر اور دیگر یہود کی ملکیت میں تھیں لیکن جنگِ خیبر کے بعد یہ تمام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چند مصالحتی شرائط پر تفویض ہوگئیں۔ اُن پر کوئی جنگ نہیں ہوئی تھی اس لئے یہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص ملکیت تھیں جن کی پیداوار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ضروریات پر صَرف کرتے اور اُس میں سے محتاجوں کی اعانت بھی فرماتے۔ زہری سے روایت ہے کہ خیبر کے بچے ہوئے لوگوں نے جو کہ قلعہ بند ہوگئے تھے، پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جان کی امان چاہی اور شہر چھوڑنے کا وعدہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی درخواست منظور کرلی۔ فدک والوں کو معلوم ہوا تو اُنہوں نے بھی یہی درخواست پیش کی جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول کرلیا اس لئے فدک سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص ملکیت قرار پایا کیونکہ اُس پر کوئی فوج کشی نہیں ہوئی تھی۔ [۱]

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر نصیر احمد ناصر صاحب اپنی تالیف پیغمبر اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لکھتے ہیں کہ اہلِ فدک نے جب خیبر کے یہود کا حال سُنا تو اُنہوں نے بھی ویسی ہی شرائط پر صلح کرلی۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مملکتِ اسلامیہ کے سربراہ بھی تھے اور اس حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مصارف بھی برداشت کرنا پڑتے تھے، اس لئے فدک کی آمدن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے مخصوص کردی گئی۔'' [۲]

علامہ طوسی فرماتے ہیں، ''جب حضرت پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر کی مہم سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک علم مرتب فرمایا اور کہا کہ کون اسے اپنے استحقاق کی بناء پر ہاتھ میں لے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ اُس (شخص) کو فدک کی طرف روانہ فرمائیں، تو بعض لوگ علم لینے کے لئے کھڑے ہوگئے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم ہٹ جاؤ۔ پھر سعد کھڑے ہوئے، آپ

---

[۱] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۹۰ بحوالہ شرح ابن ابی الحدید طبع مصر ج ۴ ص ۷۸

[۲] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم وآخر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ص ۶۰۳

Presented by Ziaraat.Com

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں بھی ہٹا دیا اور خود علی علیہ السلام سے فرمایا کہ علی! تم کھڑے ہو جاؤ اور اس علم کو لو چنانچہ اُنہوں نے علم لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو فدک کی طرف روانہ فرما دیا تو اُنہوں نے اُن سب سے اس شرط پر صلح کی کہ (اُن کی املاک کے بدلے) اُنہیں جان کی امان دی جائے گی۔ اس طرح فدک کے علاقوں کی جائداد خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہوئی۔ اُس وقت جبرائیل (علیہ السلام) نازل ہوئے اور کہا کہ خداوندِ عالم کا یہ حکم ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ذی القربیٰ کو اُس کا حق دے دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا اے جبرائیل! یہ ذی القربیٰ کون ہیں؟ اور اُن کا حق کیا ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا، ''ذی القربیٰ فاطمہ (علیہا السلام) ہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُنہیں اُن کے حق میں یہ فدک کے احاطے اور جو کچھ ان میں ہے سب دے دیں، (کیونکہ ان پر) اللہ اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حق ہے، تو اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب فاطمہ علیہا السلام کو بلایا اور ایک تحریر لکھ دی۔''[1] ہمارا ایمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ یہاں ذی القربیٰ سے کیا مراد ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام سے صرف اس لئے سوال کیا کہ دوسروں پر بھی حضرت فاطمہ علیہا السلام کا حق واضح ہو جائے۔

تاریخ طبری میں ہے، ''خیبر تمام مسلمانوں کی ملکیتِ عامہ ہُوا اور فدک محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خالصہ ہُوا کیونکہ اُس پر مسلمانوں نے فوج کشی ہی نہیں کی تھی۔''[2]

سیرت ابن ہشام میں ہے، ''خیبر مسلمانوں کے درمیان مشترک مال غنیمت کی حیثیت رکھتا تھا اور فدک خاص رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا اس لئے کہ مسلمانوں نے سواروں اور پیادوں کی صورت میں اس پر فوج کشی نہیں کی تھی۔''[3]

---

[1] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۳۹۲، ۳۹۳ بحوالہ اعلام الوریٰ، مطبوعہ طہران، طبع جدید، ص ۱۰۸ تا ۱۰۹

[2] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ حصہ اوّل ص ۲۷۷

[3] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۹۱ بحوالہ السیرۃ النبویۃ، لابن ھشام القسم الثانی، لاالجز الثالث والرابع الطبعہ الثانیۃ بصر ۱۳۷۸ھ۔ ۱۹۵۵ء ص ۳۳۷

Presented by Ziaraat.Com

سنن ابوداؤد میں حسین بن علی، یحییٰ ابن آدم، ابن ابی زائدہ، محمد بن اسحاق، زہری، عبداللہ بن ابی بکر، محمد بن مسلمہ کے بیٹوں سے روایت ہے کہ (جب خیبر کی جنگ ہوئی اور وہ فتح ہوگیا تو) خیبر کے کچھ قلعے فتح ہونے سے باقی رہ گئے تھے پس وہاں کے رہنے والے اپنے اپنے قلعوں میں بند ہو گئے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے درخواست کی کہ وہ اُن کی جان بخش دیں تو وہ یہاں سے نکل جائیں گے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُن کی اُس پیشکش کو قبول فرمایا۔ فدک والوں نے جب یہ سنا تو وہ بھی اُس شرط پر نکل کھڑے ہوئے۔ پس یہ فدک رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے خاص ہو گیا کیونکہ اس پر گھوڑے اور اُونٹ نہیں دوڑائے گئے تھے۔ (یعنی فدک بغیر جنگ کے حاصل ہوا تھا اس لئے اُس کو مسلمانوں میں تقسیم نہ کیا بلکہ وہ صرف رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے خاص رہا۔ [۱]

یہ حکم قرآن کریم کی اس نص پر مبنی ہے: [۲]

''وَمَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْھُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْہِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ وَّلٰکِنَّ اللّٰہَ یُسَلِّطُ رُسُلَہٗ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۶ ''

(اور اللہ نے اُن لوگوں سے جو مال بطورفیٔ اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دلوایا تو تم لوگوں نے اُس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ ہی اُونٹ پس اُس میں تمہارا کوئی حق نہیں ہے لیکن اللہ اپنے رسولوں (علیہم السلام) کو جس پر چاہتا ہے تسلط دے دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر بڑی قدرت رکھتا ہے۔)

تفسیر کبیر میں اس آیت مبارکہ کی تشریح یوں کی گئی ہے، ''خداوند عالم نے ''مال غنیمت'' اور ''فیٔ'' میں فرق بیان کیا ہے کہ ''مال غنیمت'' وہ ہے جس کے حاصل کرنے میں تم نے زحمت و مشقت برداشت کی ہے اور سواروں اور پیادوں کے ساتھ فوج کشی کی ہے برخلاف ''فیٔ'' کے، جس کے لئے تم نے کوئی زحمت نہیں اُٹھائی تو اُس میں اختیار کلیتہً رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہے کہ جس طرح چاہیں اُسے صرف کریں۔'' [۳]

---

[۱] سنن ابوداؤد، ج ۲، حدیث نمبر ۱۲۴۹

[۲] سورۃ الحشر، آیت ۶

[۳] تفسیر کبیر، ج ۸ ص ۱۲۵

Presented by Ziaraat.Com

چنانچہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:[1]

''وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ﴿۲۶﴾''

(اور (دیکھو) قریبی رشتہ دار کو اُس کا حق دے دو اور مسکین و مسافر کو بھی اور (خبردار) فضول خرچی نہ کرو۔) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیّدۃ لنساء العالمین فاطمہ زہرا علیہا السلام کو بُلایا اور اِسی فدک کی ملکیت کی تحریر اُن کے لئے لکھ کر اُنہیں دی۔ اِس کا ذِکر اہل سُنت کی مشہور و مستند کتب میں بھی پایا جاتا ہے۔[2]

وادی القریٰ

مدینہ منورہ اور اُس کے اطراف میں جہاں جہاں یہود تھے تقریباً سبھی مغلوب ہو چکے تھے سوائے وادی القریٰ کے یہودیوں کے۔ یہ وادی خیبر اور تیما کے درمیان واقع تھی۔ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُنہیں جلاوطنی کا حکم دے سکتے تھے یا جنگ کر کے تہہ تیغ کر سکتے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ کی طرح بقائے باہمی کے اُصول پر چلتے ہوئے معاہدہ کو ترجیح دی۔ پس جناب رحمۃً لِلّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جماعت کے ساتھ قریٰ کا رُخ کیا۔ یہود اچانک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ اُن میں سے بعض نے مسلمانوں پر تیر چلائے جن سے ایک مسلمان شہید بھی ہو گیا لیکن مہربان رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عفو و درگزر فرماتے ہوئے اُن سے امن کے معاہدے کی بات چیت کی تو وہ فوراً آمادہ ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رعایا بن کے رہنے پر رضامند ہو گئے۔[3]

مہاجرینِ حبشہ کی واپسی

مہاجرینِ حبشہ کا تفصیلی ذِکر ہم ہجرتِ حبشہ کے باب میں کر چکے ہیں۔ اُن میں سے کچھ لوگ تو وقتاً

---

[1] سورۃ الاسرا، آیت ۲۶

[2] جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ ہجری)، الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور ج ۳ ص ۲۷۹

[3] بخاری: کتاب الفضائل، باب غزوۂ خیبر ج ۵ ص ۱۶۹

Presented by Ziaraat.Com

فوقتاً واپس آتے رہے تھے مگر حضرت جعفر طیار بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور اُن کے کچھ ساتھی ابھی تک حبشہ ہی میں تھے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی واپسی کے لئے شاہِ حبشہ نجاشی کو عمر بن اُمیہ ضمری کے ہاتھ ایک خط روانہ فرمایا، چنانچہ باقی ماندہ سولہ مہاجرین جن میں خواتین اور بچے تھے، حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ واپس آئے۔ [1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو سینے سے لگایا، پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا، میرے لئے فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ مجھے فتح خیبر کی زیادہ خوشی ہے یا جعفر کے آ ملنے کی۔ [2]

پہلا ورودِ مکّہ، عُمرۃ القضاء

(ذی القعدہ ۷ ہجری/ مارچ ۶۲۹ء)

صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس عمرہ کو معاہدہ کے تحت مؤخر فرمایا تھا اُسے ماہِ ذی القعدہ ۷ ہجری میں ادا فرمایا۔ [3] اس عمرے کو عمرۃُ الصُلح، عمرۃُ القضاء اور عمرۃُ القضیۃ بھی کہا جاتا ہے۔ قریش نے معاہدے کے مطابق تین دن کے لئے مکّہ خالی کردیا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن تمام مسلمانوں کے ساتھ جو گذشتہ سال حدیبیہ کے سفر میں بھی ساتھ تھے، خانہ کعبہ کا طواف کیا اور اعمالِ عمرہ انجام دیے۔ اُس موقع پر چشمِ فلک نے عجیب منظر دیکھا، ایک شہر کے تمام قدیم باسی اپنا شہر خالی چھوڑ کر اُسکی حدوں سے باہر جا رہے تھے اور عرصہ دراز تک جلاوطنی کی زندگی گزارنے والے کچھ لوگ اُس شہر میں داخل ہو کر اپنے آبائی گھروں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ نو وارد لوگوں نے تین دن تک وہاں قیام کیا جبکہ شہر چھوڑ کر جانے والے اردگرد کے ٹیلوں اور پہاڑیوں پر چڑھ کر آنے والوں کو ایسی نظروں سے دیکھ رہے تھے جن میں مختلف قسم کے

---

[1] شیخ محمد الحضری، محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ طبع مصر، ج۱ص ۱۹۲

[2] ابو الفداء (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابو الفداء ج۱ص۱۲۸۔ مقاتل الطالبین، مطبوعہ عراق ۱۳۵۳ھ، ج۳ص۶

[3] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۳۱۷

Presented by Ziaraat.Com

احساسات وجذبات یکجا تھے۔

تین دن کے بعد قریش کے لوگ حضرت علی علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہہ دیں کہ شرط کے مطابق تین دن گذر گئے ہیں اس لئے اب وہ مکّہ سے واپس چلے جائیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کا پیغام دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسی وقت واپس روانہ ہو گئے۔[۱]

مکّہ پر قبضہ کرنے کا یہ ایک سنہری موقع تھا لیکن معاہدے کی خلاف ورزی یا دغابازی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شیوہ نہیں تھا چنانچہ ایسا کوئی خیال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھو کر بھی نہیں گزرا، حالانکہ مکّہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائے ولادت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا شہر تھا جہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ظلم وستم کے ذریعے ہجرت کرنے پر مجبور کیا گیا تھا۔

سنہ ۸ ہجری

منبرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سنہ ۸ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ منبر بنوایا جس پر بیٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کو خطبہ دیتے تھے، اس کے دو زینے اور پھر نشت گاہ تھی۔[۲] جبکہ بعض مؤرخین کے نزدیک سنہ ۷ ہجری میں منبر بنوایا تھا۔ روایت ہے کہ وہ منبر ''اثل غابہ'' کی لکڑی سے بنایا گیا تھا۔ ''اثل غابہ'' ایک درخت کا نام ہے جو چوب گز کے مشابہ مگر اس سے بڑا ہوتا ہے، غابہ ایک جنگل ہے جو مدینہ طیبہ سے نو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ منبر کا طول بقول صحیح دو گز اور چوڑائی ایک گز تھی اور ہر سیڑھی کی چوڑائی ایک بالشت تھی۔[۳]

---

[۱] مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۴ء)، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حصّہ اول، ص ۵۰۴

[۲] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اوّل ص ۲۸۱

[۳] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۳۸۶

Presented by Ziaraat.Com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی ایسا ہی منبر ہوا کرتا تھا لیکن شاہانِ بنواُمیہ کے دور میں اس میں اضافہ کر کے عرشہ کے نیچے چھ زینے کر دیے گئے۔[1]

اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں درخت کے تنے سے بنے ہوئے ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔روایت ہے کہ منبر بن جانے کے بعد جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس پر تشریف لے گئے اور خطبہ ارشاد فرمانے لگے تو وہ ستون آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق میں رونے لگا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں،''یہ حدیث مشہور اور حدِ تواتر تک پہنچی ہوئی ہے اور اس کی خصوصیات بھی متعدد احادیث صحیحہ سے ثابت شدہ ہیں۔محدثین روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر شریف بننے سے پہلے کھڑے ہو کر صحابہ کرامؓ کو خطبہء عالی رتبہ سے مشرف فرمایا کرتے تھے اور بسبب طولِ قیام، تھکن عارض ہو جاتی تو پشت مبارک کو مسجد شریف کے ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔جب منبر شریف بنا تو روزِ جمعہ ستون کے آگے سے گزر کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لائے۔جب اُس ستون نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سُنی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے آگے نہ پایا تو رونے اور فریاد کرنے لگا۔بروایتے وہ ایسے روتا تھا جیسے کسی اُونٹ کا بچہ گم ہو جائے اور وہ اُونٹ روئے۔اور بقولے وہ ایسے روتا تھا جیسے بچہ ماں کو بلانے کے لئے روتا ہے۔ایک روایت ہے کہ وہ اُس شخص کی طرح روتا تھا جس کا محبوب و معشوق اُس سے جُدا ہو جائے اور وہ اُس کی محبت میں روئے۔چنانچہ اُس ستون کے رونے سے حاضرینِ مسجد کے دِل بھر آئے اور وہ بھی رونے لگے۔ایک روایت میں ہے کہ اُس نے اس طرح آہ وزاری کی کہ وہ پھٹ گیا چنانچہ حاضرین کو گمان ہوا کہ گر پڑے گا اور وہ خوفزدہ ہو کر اپنی جگہ سے اُچھل پڑے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر شریف سے اُترے اور اُس کے پاس تشریف لے گئے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس پر دستِ اقدس رکھ کر اُسے اپنی آغوش مبارک میں لے لیا اور فرمایا اگر تُو چاہے تو

---

[1] امیر حیدر احمد شہابی، تاریخ امیر حیدر احمد شہابی، طبع مصر، ج ۱ ص ۱۳

Presented by Ziaraat.Com

تجھے باغ میں لوٹا کر تیری پرانی جگہ لگا دیں تا کہ تو دوبارہ سرسبز وشاداب ہو کر پھل دے اور اگر تُو چاہے تو تجھے جنت کی زمین میں لگا دیں تا کہ تُو جنت کی کیاریوں اور اُس کے چشموں کے پانی سے سیراب ہو اور انبیاء و اولیاء اور صلحاء تیرے پھل تناول فرمائیں۔ جتنی دیر تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے اپنے جسم اقدس سے لپٹائے رکھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے رہے، ''نَعَمْ قَدْ فَعَلْتُ نَعَمْ قَدْ فَعَلْتُ'' (ہاں! میں نے کیا، ہاں! میں نے کیا)۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ کیا کہتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جب میں نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تو دُنیا میں رہنا چاہتا ہے یا جنت میں تو اس نے جنت میں رہنا پسند کیا، اس پر میں نے کہا، ''قَدْ فَعَلْتُ'' روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس ستون کو اُسی جگہ دفن کروا دیا۔''[1]

رِیاض الجنۃ

منبرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضریح مبارک کے درمیان جو جگہ ہے اُسے ریاض الجنۃ کہا جاتا ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں مروی ہے، ''مَا بَيْنَ قَبْرِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ'' (میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے)۔[2]

سریۂ موتہ
(جمادی الاوّل ۸ ہجری/ اگست ستمبر ۶۲۹ء)

موتہ ایک موضع کا نام ہے جو بلقاء کے قریب بیتُ المقدس سے سو منزل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ سریۂ اُسی موضع میں واقع ہوا، اس لئے اسے سریۂ موتہ کہا جاتا ہے۔ طبری نے اسے غزوہ لکھا ہے۔[3]

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۳۸۶

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۳۸۷

[3] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اوّل ص ۲۹۲

Presented by Ziaraat.Com

لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ غزوہ اُس مہم کو کہا جاتا ہے جس میں رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنفسِ نفیس شرکت فرمائی ہو۔ اس مہم میں چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شمولیت نہیں فرمائی بلکہ دوسروں کو مامور فرمایا، اس لئے اسے غزوہ کی بجائے سریہ کہنا مناسب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاکم بصرہ کے نام ایک خط حضرت حارث بن عمیر ازدیؓ کے ہاتھ روانہ کیا۔ حضرت حارث جب موتہ پہنچے تو شُرجیل یا شراجیل (یہ نام دونوں طرح سے کتابوں میں آیا ہے) بن عمر غسانی جو قیصر کے امراء میں سے تھا اُن کی راہ میں حائل ہُوا اور پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں جارہے ہو؟ حارثؓ نے اُسے بتایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد ہوں اور شام جارہا ہوں۔ یہ سُن کر شرجیل طیش میں آگیا اور حضرت حارث کو وہیں شہید کردیا۔ بادشاہوں کے ہاں قاصدوں کو قتل کرنے کا رواج اُس وقت بھی نہیں تھا اور اُن کی امان امر مسلّم تھی۔ حضرت حارثؓ پہلے قاصد تھے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامہ مبارک لے جانے کے جرم میں قتل کیا گیا تھا۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت صدمہ پہنچا اور صحابہؓ سے فرمایا کہ دشمنوں کی سرکوبی کے لئے چلو۔[1]

علامہ علی نقی نقوی صاحب نے لکھا ہے کہ وہ خط حاکم بصرہ شرجیل غسانی کے نام تھا جو ایک ایسا قہرمان تھا جس نے عرب کے بین الاقوامی اور تقریباً ہر دَور کے بین الانسانی تقاضے کے خلاف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد کو قتل کرایا تھا۔[2]

حسن ابراہیم حسن نے اس حاکم کے نام کی صراحت نہیں کی بلکہ لکھا ہے کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غسانیوں کے پاس قاصد بھیجا اُنہیں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے، تو اُنہوں نے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قاصد کو قتل کردیا۔[3]

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۳۲۷

[2] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۱۰

[3] حسن ابراہیم حسن (متوفی ۱۳۴۷ء)، تاریخ الاسلام السیاسی، ج ا ص ۱۷۶

Presented by Ziaraat.Com

جمہور مؤرخین کے برخلاف محمد الخضری نے جو اپنے زمانہ میں جامعہ مصر میں تاریخ کے پروفیسر تھے، لکھا ہے کہ یہ قاصد حارث بن عمیر ازدی، شرجیل کے پاس نہیں بھیجے گئے تھے بلکہ یہ ہرقل کے نام خط لے جارہے تھے اور راستہ میں شرجیل بن عمرو غسانی نے اُن کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ [1]

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر نصیر احمد ناصر صاحب لکھتے ہیں، ''موتہ شام کے علاقے میں واقع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیصر روم کی طرح اُس کے باجگزار شام یا بصریٰ کے حکمران کو بھی دعوتِ اسلام دی اور اُسے نامۂ مبارک لکھا جسے لے کر حضرت حارث بن عمیر ازدیؓ شام روانہ ہوئے۔ سرحد پر بلقاء کا علاقہ تھا جس کا حاکم شُرجیل بن عمرو تھا اور وہ بھی قیصر روم کا باجگزار تھا۔ شُرجیل عرب نژاد عیسائی تھا۔ حضرت حارثؓ اُس کی وساطت سے شام کے حکمران کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامۂ مبارک پہنچانا چاہتے تھے۔ شُرجیل سرکش و مغرور تھا اُس نے سفارتی آداب و روایات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حضرت حارث بن عمیر ازدیؓ کو شہید کر دیا۔'' [2]

شرجیل بن عمرو نے حضرت حارثؓ کو شہید کر کے گویا مملکت اسلامی کو للکارا تھا اور وہ جانتا تھا کہ اس للکار پر مسلمان خاموش نہیں رہیں گے بلکہ بدلہ لینے چڑھ آئیں گے لہٰذا اُس نے قیصر رُوم کو اُس کا باجگزار ہونے کی حیثیت سے مدد کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی اور ایک لاکھ کی فوج اُسکی مدد کے لئے روانہ کر دی گئی۔ اسطرح شُرجیل ایک لشکرِ عظیم جمع کر کے جنگ کے لئے تیار ہو گیا۔

اِدھر جمادی الاوّل ۸ ہجری میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف تین ہزار مسلمانوں کو جمع کیا اور فرمایا، ''دشمنوں کی سرکوبی کے لئے چلو، میں زید بن حارثہ کو تمہارا امیر مقرر کرتا ہوں، اگر وہ شہید ہو جائیں تو جعفر طیار بن ابی طالب تمہارے امیر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان جس کو چاہیں اپنا امیر بنا لیں۔'' [3]

---

[1] محمد الخضری (متوفی ۱۳۷۶ء) محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ مطبوعہ استقامۃ مصر ۱۹۷۶ء ص ۲۸۔

[2] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ص ۶۰۶

[3] ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اوّل ص ۲۹۲۔
شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۳۳۶

Presented by Ziaraat.Com

حضرت ابان بن عثمان حضرت امام جعفر الصادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلا سردار جناب جعفرؓ کو قرار دیا اور اُن کی شہادت کے بعد حضرت زیدؓ کو اور اُن کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو سردار مقرر کیا،،[1]

معمولی اسلحہ سے لیس، تین ہزار سپاہیوں کا مقابلہ رُوم کی بہترین اسلحہ بردار فوج سے تھا جس کی تعداد ایک لاکھ یا بروایتے دو لاکھ تھی اور تاریخ لکھتی ہے کہ اس کا کوئی جوڑ نہیں تھا۔ شاید اسی وجہ سے ایک مغربی مستشرق نے خیال ظاہر کیا ہے کہ مسلمانوں کے پاس دشمنوں کی نقل وحمل پر نگاہ رکھنے کے لئے کوئی جاسوسی نظام نہیں تھا جو اُنہیں ''منان'' پہنچنے تک اپنے دشمن کی عظیم فوجی تیاری کی خبر نہ ہوئی۔[2]

چنانچہ اکثر مؤرخین کا خیال ہے کہ مسلمانوں کو صرف شُرجیل غسانی کی عسکری طاقت کا گمان تھا اور وہ نہیں جانتے تھے کہ شہنشاہ روم ہرقل کی فوج سے واسطہ پڑنے والا ہے۔ روایت ہے کہ ہرقل خود بھی فوج کے ساتھ موجود تھا جس میں ایک لاکھ رومی تھے اور ایک لاکھ اُس کی عرب رعایا کے آدمی جو متعدد قبائل سے تعلق رکھتے تھے اور عیسائی ہو چکے تھے، اس طرح مسلمانوں کا مقابلہ دو لاکھ کی فوج کے ساتھ تھا۔[3]

جنگ یا پسپائی؟

علاقہ شام کی سرزمین ''معان'' پہنچ کر مسلمانوں کو رومی فوج کی قوت کا اندازہ ہوا تو اُنہوں نے پیش قدمی روک دی اور آپس میں صلاح مشورہ کرنے لگے کہ پیش قدمی جاری رکھی جائے مقابلہ

---

[1] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۱۲ بحوالہ علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوریٰ

[2] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۱۳

[3] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اوّل ص ۲۹۳۔ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۱۴۔ الحافظ یوسف بن البر (متوفی ۴۶۳ ہجری)، الدرر فی اختصار المغازی والسیر لابن عبدالبر مطبوعہ سنہ ۱۳۸۶ ہجری ۱۹۶۶ء ص ۲۲۲

Presented by Ziaraat.Com

سے گریز کیا جائے۔ بقولے حضرت زید بن حارثہؓ نے تجویز پیش کی کہ سرِ دست پیش قدمی روک دی جائے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حالات کی خبر کی جائے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو حکم دیں اُس پر عمل کیا جائے۔ عبداللہ بن رواحہؓ نے اس سے اختلاف کیا اور پر جوش طریقے سے کہا کہ ہم نے کبھی بھی دشمن کی قوت (تعداد) کو پیشِ نظر رکھ کر مقابلہ نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اپنے دین کی قوت پر بھروسہ کیا ہے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ ہم دشمن پر غالب نہ بھی آسکے تو شہادت کے مرتبہ پر تو فائز ہوں گے ہی۔ سارے مجمع نے عبداللہ بن رواحہؓ کی تائید کی اور ہم آواز ہو کر کہا کہ ہم مقابلہ کریں گے۔[۱] چنانچہ سب مسلمان میدانِ موتہ میں جسے مؤلفین نے ''موت کی وادی'' بھی لکھا ہے، وارد ہو گئے اور اپنے قلیل لشکر کو مرتب کرنے لگے۔

جنگ

سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ علم لے کر میدان میں اُترے اور بڑی جوانمردی کے ساتھ کفار کا مقابلہ کرنے کے بعد راہِ حق میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔ پھر عم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو طالب علیہ السلام کے فرزند جناب جعفر طیار رضی اللہ عنہ میدان میں آئے اور کفار کے لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ اُس وقت حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی عمر ۳۳ یا ۳۴ سال تھی۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ جوشِ جہاد میں وہ اپنے گھوڑے سے کود پڑے اور اُس کے پاؤں قلم کر دیئے یا اُسے ذبح کر دیا۔ روایت ہے کہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ مسلمانوں میں پہلے شخص تھے جنہوں نے گھوڑے کو پے کیا۔[۲] میدانِ جنگ میں کسی سپاہی کا گھوڑے کو پے کرنے یعنی اُس کے پاؤں کاٹنے یا ذبح کرنے کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ وہ آخری دم تک لڑے گا اور میدان سے فرار نہیں گا۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ پیادہ لڑتے لڑتے دشمن کی صفوں کے اندر تک چلے گئے یہاں تک کہ اُن کا دایاں ہاتھ قلم

---

[۱] ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اوّل ص ۲۹۳

[۲] ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اوّل ص ۲۹۳

Presented by Ziaraat.Com

ہو گیا۔ اُنہوں نے علم بائیں ہاتھ میں لے لیا، وہ ہاتھ بھی قطع ہو گیا تو علم کو سینے سے لگا لیا اور اسی عالم میں شہید ہو گئے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے جسم پر پچاس (۵۰) زخم آئے جن میں سے تیس (۳۰) صرف چہرے پر تھے۔[1]

کتب اہل سنت میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے، "حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے جسم پر تیروں اور تلواروں کے نوے (۹۰) سے زیادہ زخم تھے جن میں سے کوئی بھی پشت پر نہیں تھا۔"[2]

ابن سعد نے لکھا ہے کہ ایک رومی کے وار سے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کا جسم دولخت ہو گیا تھا۔ جسم کے ایک حصے پر تیس (۳۰) سے زیادہ زخم تھے اور مجموعی طور پر نیزوں اور تلواروں کے بہتر (۷۲) زخم تھے۔[3]

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ میدان جنگ میں اُترے اور لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ اُن کے بعد بھی کچھ مجاہد درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ ذہبی کا بیان ہے کہ شہید ہونے والوں کی تعداد آٹھ (۸) تھی۔[4]

رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر اسلام میں سے تین افراد کو بطور سالار منتخب فرمایا تھا اور اُن کی ترتیب بھی مقرر فرما دی گویا کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بھی ایک اعجازِ نبوت تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لشکر ترتیب دیتے وقت ہی علم ہو گیا تھا کہ پہلے زید رضی اللہ عنہ شہید ہوں گے پھر جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور پھر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشارے کے عین مطابق تینوں سالار باری باری درجہ شہادت پر پہنچے، ان کے بعد آگے اور کوئی نہیں تھا جس کے بارے میں حکم نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتا

---

[1] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۱۵ بحوالہ العبر، ج ۱ ص ۹۔ دقیۃ الاسلاف، ص ۱۳۰۔ تاریخ طبری۔
تاریخ ابن خلدون، ج ۲، مطبوعہ بیروت، ص ۸۰۰۔ الدار لا بن عبد البر، ص ۲۳۳۔ اعلام الوریٰ

[2] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۱۵ بحوالہ دقیۃ السلاف، ص ۱۳۹

[3] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۱۵ بحوالہ طبقات کبریٰ، ج ۲ ص ۱۲۹

[4] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۱۵ بحوالہ العبر، ج ۱ ص ۹۔ الدار، ص ۲۲۲

Presented by Ziaraat.Com

کیونکہ روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین سردار مقرر کر کے فرما دیا تھا کہ عبداللہ بن رواحہؓ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان جس کو چاہیں اپنا امیر بنا لیں۔[۱]

چنانچہ اُس وقت ایک شخص مسلمانوں سے کہنے لگا کہ اب تم کس کو منتخب کر کے یہ ذمہ داری سونپو گے۔ اُس وقت ازخود یا دوسروں کے کہنے پر خالد بن ولید نے لشکر اسلام کی کمان سنبھال لی۔ (صلح حدیبیہ کے بعد خالد بن ولید نے اسلام قبول کر لیا تھا، اس کا ذکر معرکۂ حدیبیہ کے باب میں کیا جا چکا ہے)۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ خالد بن ولید نے باقی ماندہ اسلامی لشکر کو زندہ بچا لے جانے کا منصوبہ ذہن میں رکھتے ہوئے اس طرح جنگ شروع کی کہ تھوڑا تھوڑا پیچھے ہٹتے ہوئے دشمنوں سے دُور ہونا شروع کر دیا اور آخرکار موقع پاتے ہی پوری جماعت کو واپس کر لیا۔[۲]

ابن خلدون اور ابن عبدالبر نے مختصر الفاظ میں یوں لکھا ہے، "وہ مسلمانوں کو لے کر الگ ہو گئے۔"[۳]

میدان جنگ سے پسپائی کے بعد لشکر اسلام مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ بروایتے رومی لشکر نے اُن کا تعاقب نہیں کیا اور مسلمان جان بچا کر مدینہ پہنچ گئے۔

شکست خوردہ اسلامی فوج کا مدینہ کے باہر استقبال

عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ جب وہ (شکست خوردہ) فوج مدینہ کے قریب پہنچی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے مسلمان آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھوڑے پر سوار تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جعفر طیار (رضی اللہ عنہ) کا لڑکا مجھے دے دو۔ عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو اُٹھا کر اپنے ساتھ (گھوڑے پر) بٹھا لیا۔ دوسرے لوگوں نے

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۳۳۶

[۲] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۱۶ بحوالہ تاریخ الامم والملوک ص ۱۶۱۲

[۳] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۱۷ بحوالہ تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۲۳۳۔

الحافظ یوسف بن البر (متوفی ۴۶۳ ہجری)، الدرر فی اختصار المغازی والسیر ص ۲۳۳

Presented by Ziaraat.Com

فوج پر خاک ڈالنا شروع کردی اور کہا کہ تم اللہ کی راہ میں بھگوڑے ہو۔[1]

اہل مدینہ کی طرف سے ایسے ''استقبال'' کے بعد موتہ سے لوٹنے والے مسلمانوں نے گھروں سے نکلنا چھوڑ دیا کیونکہ جب وہ باہر آتے تو لوگ اُنہیں طعنے دیتے تھے۔

ابوجعفر محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں، ''حارث بن ہشام کی اولاد میں سے ایک صاحب سے جو اُم المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ کے ننھیالی رشتہ دار تھے مروی ہے کہ اُم المومنین حضرت اُمّ سلمٰی رضی اللہ عنہا نے کسی عورت سے پوچھا کہ سلمہ بن ہشام بن مغیرہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ کے ساتھ شامل کیوں نہیں ہوتے؟ عورت نے جواب دیا کہ وہ گھر سے نہیں نکلتے کیونکہ لوگ اُنہیں طعنہ دیتے ہیں کہ تم اللہ کی راہ سے بھاگ نکلے ہو۔[2]

عصر حاضر کے بعض مؤلفین نے موتہ کی مہم کو کامیاب ترین قرار دیتے ہوئے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کر ڈالا ہے جو کہ سراسر غلط ہے۔ اس خیال کی تردید میں مشہور مؤرخ ابوجعفر محمد بن جریر طبری کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں، ''مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر سے واپس آکر ماہِ ربیع الاوّل اور ربیع الثانی مدینہ میں قیام فرمایا اور جمادی الاوّل میں وہ مہم شام کی طرف روانہ کی جو موتہ میں ''تباہ'' ہوگئی۔[3]

یعنی طبری نے مسلمانوں کی اس مہم کے لئے لکھا ہے کہ وہ ''تباہ'' ہوگئی، نہ کہ کامیاب ہوگئی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

---

[1] الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۲۹۔ ابوجعفر محمد بن جریر (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اوّل ص ۲۹۵

[2] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اوّل ص ۲۹۵۔

علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۱۶ بحوالہ کامل ابن اثیر بیروت ج ۲ ص ۲۳۹

[3] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اوّل ص ۲۹۲۔

Presented by Ziaraat.Com